تحریک فیضان لوح و قلم: محمد ساجد رضا قادری رضوی کٹیہاری

نذر خدمت
عالم باعمل صاحب لوح و قرطاس تاریخ نویس تاریخ دان حضرت مولانا حافظ و قاری
ساجد حسین قادری رضوی امام و خطیب جامع مسجد پٹے پٹلم، تلنگانہ (الہند)
بنیازمند
خادم ساجد ہمام لطیفی مصباحی رحمن پور شریف
خانقاہ و مدرسہ لطیفیہ
pin: 854317
بارسوئی، کٹیہار بہار
Mob: 9572764074
تاریخ: ۱۱ر شعبان المعظم ۱۴۴۳ھ
مطابق: ۱۵ر مارچ ۲۰۲۲ء بروز — منگل

قدوۃ العلماء زبدۃ الفضلاء شیخ المشائخ اعلیٰ حضرت
علامہ مولانا شاہ حفیظ الدین لطیفی برہانی قدس سرہٗ النورانی
بانی خانقاہ عالیہ لطیفیہ رحمٰن پور تکیہ شریف بارسوئی کٹیہار بہار
کی حیات وخدمات پر منعقدہ سمینار کا مجموعۂ مقالات
بموقع جشن صد سالہ ۱۴۳۳ھ/۲۰۱۲ء

بنام

عرفان حفیظ

بحسب حکم

فاضل علوم شرقیہ شیخ طریقت حضرت علامہ مولانا شاہ خواجہ نور عالم لطیفی نعیمی
ناظم اعلیٰ خانقاہ عالیہ مدرسہ لطیفیہ، رحمٰن پور تکیہ شریف، بارسوئی، کٹیہار، بہار

ترتیب وتہذیب

خواجہ ساجد عالم لطیفی مصباحی
استاذ مدرسہ خانقاہ لطیفیہ، رحمٰن پور تکیہ شریف، بارسوئی، کٹیہار، بہار

"یہ ہماری بہت بڑی جماعتی کمزوری ہے کہ تاریخ ساز شخصیتیں اُٹھ جاتی ہیں، مگر ہم ان کی زندگی کے زرّیں کارنامے دنیا کے سامنے پیش نہیں کرپاتے۔ تعجب کا مقام ہے کہ ہمارا حریف پیتل کو سونا کہہ رہا ہے اور ہم سونے کو سونا اور ہیرے کو ہیرا نہیں کہہ پاتے۔ کاش یہ رسم کہیں ٹوٹے اور ایسی سپیدہ سحر نمودار ہو، جس کی گود میں زندگی کا ہر زاویہ اُبھر اور نکھر سکے۔ جماعت کے ہوشمند ایسی شمع جلاتے جس کا اُجالا ہر اندھیرے پر چھا جائے۔"

از پاسبان ملت خطیب مشرق حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ والرضوان
ماہنامہ پاسبان، شمارہ ۶، ۱۹۷۲ء

ناشر
حفیظ ملت اکیڈمی خانقاہ عالیہ لطیفیہ رحمٰن پور تکیہ شریف
ڈاکخانہ، شیتل پور، وانکر، وایا: بارسوئی گھاٹ، ضلع کٹیہار، بہار، پن کوڈ 718458

نام کتاب : عرفان حفیظ
ترتیب وتہذیب : خواجہ ساجد عالم لطیفی مصباحی
حسب حکم : حضرت علامہ مولانا شاہ خواجہ نورعالم لطیفی نعیمی
پروف ریڈنگ : مولانا شبیر عالم مصباحی مولانا ذیشاد عالم جامعی
باہتمام : حفیظ ملت اکیڈمی خانقاہ لطیفیہ رحمٰن پور تکیہ شریف
صفحات :
کمپوزنگ وطباعت : مدنی گرافکس، دہلی، 09350134592
سن اشاعت : ۱۴۳۶ھ/۲۰۱۵ء
قیمت : Rs 100/=

ملنے کے پتے

(۱) حفیظ ملت اکیڈمی خانقاہ رحمٰن پور، ڈاکخانہ، شیتل پور، وانکر، وایا، بارسوئی گھاٹ، ضلع کٹیہار، بہار پن 854317، موبائل 0957264074
9572764074

(۲) مصباحی کتب خانہ نزد ابوالحسنات، اسکول، سالماری، کٹیہار، بہار 9199505039

(۳) جامعہ لطیفیہ بحرالعلوم عملہ ٹولہ، کٹیہار بہار 09955313256, 09798522035

(۴) الجامعۃ النظامیہ ملکپور ہاٹ، دالکولہ، کٹیہار، بہار

(۵) دارالعلوم محی الاسلام، بجرڈیہہ، ڈاکخانہ: آسجہ موہبیہ، بائسی، پورنیہ، بہار 09931808262

پہلا پڑاؤ

یہ حقیر علمی و قلمی کاوش نذر ہے

(ا) امام الواصلین سند العاشقین حضرت سیدنا شاہ رکن الدین عشق (متوفی ۱۲۰۳ھ) بانی بارگاہ عشق متن گھاٹ پٹنہ سٹی۔

(ب) تاج الاولیاء سلطان العارفین صاحبزادۂ عشق حضرت سیدنا شاہ احمد حسن (متوفی ۱۲۳۷ھ)

(ج) واقف اسرار طریقت نواسہ عشق حضرت سیدنا شاہ خواجہ لطف علی

(د) کاشف رموز معرفت حضرت سیدنا خواجہ لطیف علی (متوفی ۱۲۹۹ھ)

(ھ) شیخ المشائخ حضرت سیدنا شاہ خواجہ امجد حسین

(و) محبّ العلماء حضرت سیدنا شاہ خواجہ حمید الدین (متوفی ۱۹۴۵ء)

(ز) معمار ملت حضرت سیدنا شاہ خواجہ شاہد حسین (متوفی ۱۴۰۷ھ) عرف درگاہی میاں صاحب علیہم الرحمۃ والرضوان سجادگان ومشائخ بارگاہ عشق کی سرکار میں جہاں مدت سے کاسۂ گدائی لئے کھڑا نگاہ التفات کا منتظر ہوں۔

میری خاک بھی اڑے گی باادب تیری گلی میں
تیرے آستاں سے اونچا نہ میرا غبار ہوگا

غبار راہ
خواجہ ساجد عالم لطیفی مصباحی

دوسرا پڑاؤ

اور معنون ہے مادر علمی ازہر ہند 'الجامعۃ الاشرفیہ' مبارک پور اعظم گڑھ، یوپی کے اسم شریف سے کہ جہاں کی جبہ سائی وخاکروبی اور آبلہ پائی کے طفیل علم وقلم کے نام پر میرے دامن مراد میں کچھ پونجی آئی۔

لاکھ چاہوں کوئی اور ہو عنوان کلام
پر بات باتوں میں تیری بات نکل آتی ہے
جہاں جاتا ہوں تیرا فسانہ چھیڑ دیتا ہوں
جو بھی محفل ہو، تیرا رنگ محفل یاد آتا ہے

مخلص ووفادار
خواجہ ساجد عالم لطیفی مصباحی

تیسرا پڑاؤ

اور منسوب ہے ان حضرات محترم کے اسمائے مبارکہ سے کہ جن کا جود آستانہ عالیہ کے حق میں روشن مستقبل کی ضمانت ہے۔ یہ مذہب وملت، جماعت ومسلک کے وقار وعظمت کی خاطر چیتے جیسا جگر رکھتے ہیں۔ عقاب جیسی جھپٹ کے مالک ہیں اور شاہین جیسا تجسس لئے پھرتے ہیں۔

یعنی

(۱) حضرت علامہ مولانا شاہ خواجہ ابو علی خورشید عالم لطیفی
(۲) حضرت علامہ مولانا حافظ وقاری شاہ آفتاب عالم لطیفی مصباحی
(۳) حضرت علامہ مولانا شاہ تہذیب عالم لطیفی مصباحی
(۴) حضرت شاہ خواجہ شاہد لطیفی
(۵) حضرت علامہ مولانا شوکت علی لطیفی اشرفی
(۶) حضرت مولانا شاہ خواجہ ریحان اصغر لطیفی مصباحی
(۷) حضرت مولانا شاہ خواجہ وحید نواز لطیفی مصباحی
(۸) حضرت مولانا شاہ نوید عالم لطیفی
(۹) حضرت شاہ بارک عالم لطیفی

مذکورین میں سے بعض حضرات عمر میں مجھ سے بڑے ہیں اور بعض دیگر چھوٹے جذب دروں وشوق اندروں سے متاثر ہو کر یہ شعر بطور ترجمانی عرض ہے۔

مہر تاباں سے کوئی جا کے کہہ دے کہ اپنی کرنوں کو چن کے رکھ لے
میں اپنے خیاباں کے ہر ہر ذرے کو خود چمکنا سکھا رہا ہوں

اسیر محبت
خواجہ ساجد عالم لطیفی مصباحی

حمد باری تعالیٰ

نخستیں خدا رابداں ای پسر
بہر ذرہ نورش بہیں جلوہ گر

ہمہ کون از کون اوشد عیاں
زمیں ہم بدوگشت و ہم آسماں

ہمونست اول ہموں آخر است
ہمونست باطن ہموں ظاہر است

نبودہ یکی غیر ذاتش قدیم
ز قدم خودش کرد خلق عظیم

از: حضرت لطفی علیہ الرحمہ والرضوان
(نخستیں الٰہی نامہ صفحہ ۱)

نعت پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اے نبی آپ کے صدقے میں ہوئے جملہ نبی
آپ کے نور سے ساری یہ خدائی ہے بنی
آپ کی شان میں لولاک حدیث صمدی
مرحبا سیدی مکی مدنی عربی
دل وجاں باو فدایت چہ عجب خوش لقبی

آپ کی ذات سے آئے رونق ہر بزم سرور
نور حق جلوہ گر ہر سمت چہ نزدیک و چہ دور
واہ کیا رتبہ ملا ملک عرب کو اے حضور
ذات پاک تو کہ در ملک عرب کرد ظہور
زاں سبب آمدہ قرآں بزبان عربی

آپ کے غیر مرا کون ہے اے خیر بشر
آپ کے ماسوا ہاں کس کو کردن دکھ کی خبر
آپ ہی پر مرا ہر کام ہے موقوف مگر
چشم رحمت بکشاں سوئے من انداز نظر
اے قریشی لقبی ہاشمی و مطلبی

اے لطیفی مریض عشق رسول عربی
عشق کے نقص سے موقوف ہے تیری طلبی
آمد قلب سے قدسی کی طرح کہہ تو ابھی
سیدی انت حبیبی و طبیب قلبی
سوئے تو آمدہ قدسی پئے درماں طلبی

از حضرت لطیفی علیہ الرحمہ والرضوان
(دیوان لطیفی صفحہ ۱۵۳)

کلمات تحسین

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم واله وصحبه اجمعین

انتہائی مسرت کی بات ہے کہ آستانہ عالیہ خانقاہ لطیفیہ رحمٰن پور تکیہ شریف، بارسوئی، کٹیہار، بہار کے عمائدین اور ارباب حل وعقد نے یہ خوبصورت عزم کیا ہے کہ امسال سواں سال عرس مقدس یعنی جشن صد سالہ کے خوشگوار موقع پر جدامجد قدوۃ العلماء زبدۃ الفضلا، شیخ المشائخ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ حفیظ الدین لطیفی برہانی قدس سرہ النورانی (المتوفی ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۵ء) کی حیات وخدمات پر مشتمل ایک وقیع وگراں قدر کتاب شائع ہو۔ میں جملہ خانوادۂ حفیظی، ارباب خانقاہ عالیہ، وابستگان سلسلہ مبارکہ کو بصمیم قلب ہدیہ تبریک وتہنیت پیش کرتا ہوں۔

یہ موجودہ دور کی ایک اہم ضرورت ہے کہ تصوف کے پیغامات کو عام کیا جائے اور عالمی بھائی چارے کا جو پیغام اعلیٰ مرتبت بزرگان دین نے دیا ہے اسے عوام وخواص تک پہنچایا جائے۔ موجودہ دور جس وحشت وبربریت سے گزر رہا ہے اور اسلامی معاشرے کو جس غلط انداز میں پیش کیا جارہا ہے اس کے لئے یہ قدم نہایت ضروری ہے۔

نہ پوچھو ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ جہاں جہاں اسلام کا پیغام اولیائے کرام کے ذریعہ پہنچا وہاں دلوں میں جاگزیں ہوا اور اس کی جڑیں دل کی وادی میں گہری اتر گئیں۔ اصلاح، اخوت، بھائی چارہ، ہمدردی، خلوص ومحبت، مظلوموں کی حمایت، دکھی دلوں کی غم خواری کا جو کام اولیائے کرام نے کیا ہے وہ بے مثال ہے۔ ضرورت ہے کہ اس مشن کو ہر خانقاہ سے جاری وساری رکھا جائے اور قرآنی حکم کہ تمام انسان ایک ہی ماں باپ یعنی حضرت حوا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد ہیں۔ اس کا نمونہ پیش کیا جائے۔ اولیائے کرام

نے محبت واخوت کا جو عملی نمونہ پیش کیا ہے اسے اپنی زندگی میں اتاریں اور پیار و محبت، شفقت، ہمدردی، غم خواری کے پیغامات پر عمل پیرا ہوں تا کہ نہ صرف ہمارا ملک بلکہ ساری دنیا امن و آشتی کا گہوارہ بن جائے۔

خاکپائے اولیاء
خواجہ شمس العالم وحیدیؔ
سجادہ نشین خانقاہ لطیفیہ رحمٰن پور تکیہ شریف
بارسوئی، کٹیہار بہار

نام نیک رفتگاں ضائع مکن

فراز کوہ سے طلوع وغروب آفتاب کا نظارہ، ساحل سمندر اور دامن صحرا میں اڑتے ہوئے پرندوں کا ایک ساتھ بلند ہونا اور پلٹ کر آنا، شفق اور قوس وقزح کی دل فریب رنگینی، آب جو کی سبک روی، سیل تندور کا شور، آبشار کا زمزمہ، سبزہ وگل کی پچے کاری، شب ماہ میں دریا کی نقری لہروں کا سماں، ایسے ہزاروں دل آویز مناظر کو انسان اس زمانے سے دیکھتا چلا آرہا ہے جب سے وہ زمین پر آباد ہوا مگر ان کی دلکشی میں کبھی کمی نہ آئی۔ بظاہر ان میں کوئی تغیر اور نیاپن آج تک رونما نہیں ہوا لیکن پھر بھی جب کوئی خطیب، کوئی شاعر یا کوئی صاحب طرز نثر نگاران مناظر کو اپنے خوبصورت جملوں، دلکش اشعار اور شیریں الفاظ میں بیان کرتا ہے تو قلب ونگاہ، فکر ونظر اس طرح لطف اندوز ہوتی ہے جیسے کوئی نئی تصویر اور اچھوتا مضمون سامنے آگیا ہو۔ بعینہ یہی بات ان پاک و برگزیدہ ہستیوں کے تذکروں میں نظر آتی ہے۔ جن کی زندگیاں ہمارے لئے مشعل ہدایت بن گئیں اور جن کے کارنامہائے حیات کی شمیم انگیزیاں آج ہمارے دل ودماغ کو معطر کئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے دنیا میں امن وصلاح، خیر وفلاح، رشد وہدایات کو عام کرنے میں اپنی متاع زندگی لٹادی۔ ان کے انہی گرانقدر کارناموں نے انہیں زندہ جاوید بنادیا۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش شد زندہ بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

قدوۃ العلماء زبدۃ الفضلاء شیخ المشائخ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ حفیظ الدین لطیفی برہانی قدس سرہ النورانی کی صاحب کمال وجلال شخصیت انہی پاکان امت، خاصان خدا بندگان برگزیدہ کی ایک روشن کڑی کا نام ہے۔ آپ کی بھی حیات مستعار اپنی بے مثال وناقابل فراموش مذہبی وجماعتی، ملی ومعاشرتی خدمات، ومسائی کے سبب آج زندۂ جاوید اور تاریخ کا زریں باب ہے۔ آپ کا وجود مسعود عمومی طور پر بہار وبنگال اور خصوصی لحاظ سے

مشرقی بہار میں علمیت وروحانیت کے استعارے کا نام ہے۔مشرقی بہار و اطراف بنگال میں آپ کی بابرکت ہستی سے ایک انقلاب نے جنم لیا جو علم وادب، فکر وفن تصوف وروحانیت، اخلاق وحسن عمل، اخوت وہمدردی سے عبارت رہا جس نے اس شوریدہ زمین کی کایاپلٹ دی اوراسے رشک جناں اور کہکشاں سے زیادہ درخشاں بنادیا۔حضرت لطیفی نے اپنی سیرت وکردار کی بلندی، ایثاروقربانی کی قوت،عزم وحوصلہ کی توانائی سے اس دیار کو وہ عروج ارتقاء بخشا کہ جوآج ایک جہاں کودعوت نظارہ دے رہاہے۔حضرت لطیفی نے اس بنجر دھرتی پر پاکیزہ کردار وعمل، صالح اقدار وروایات کی لہلہاتی فصلیں اگائیں، حضرت لطیفی نے اس غیر مانوس آبادی میں رشدوہدایت اور بلند انسانی اوصاف کی شمعیں فروزاں کیں، حضرت لطیفی نے اس دیار ناخوشگوار میں اپنی ہمت مردانہ وشان قلندرانہ سے ایک عہدنو کا آغاز کیااورایک نئی تاریخ رقم فرمائی۔

آج جواس خطے میں اسلامی ماحول ہے یہاں مذہبی تقدسات واقدار جس طرح سے پھل پھول رہے ہیں یہاں پاکیزہ افکارونظریات جس طرح سے نشوونما پارہے ہیں یہاں مدارس اسلامیہ کا جس طرح جال سا بچھا ہوا ہے۔یہاں تحریکیں وتنظیمیں جس طرح فروغ وترقی پارہی ہیں دیکھا جائے تو ان جملہ حقائق وواقعات کا تعلق کسی نہ کسی طرح حضرت لطیفی کی ذات ستودہ والا صفات سے وابستہ ہے۔سوسال قبل آپ کی آمد باسعادت کیا ہوئی کہ جیسے ٹھیکرے کوزبان مل گئی اور ذرہ بے مقدار آفتاب عالم تاب بن کر آنکھوں کو خیرہ کرنے لگا۔

ہر طرف جو بج رہا ہے آج علم کا ساز دوستو
ہے بس اسی جرس کی آواز دوستو

آج حضرت لطیفی کے وصال مبارک کوسوسال پورے ہونے کو آئے لیکن علم وفضل کے اس کوہ بلند، فکروفن کے اس بحرقلزم، تصوف وروحانیت کے اس قطب مینار، تقویٰ وورع، اخلاق ومروت، تہذیب وشرافت، حلم وبردباری، خلوص وہمدردی کی اس عدیم النظیر شخصیت پر کماحقہ علمی وقلمی کام نہ ہوسکا۔فراموشی وگمنامی کی ایسی دبیز گرد جمی رہی کہ خود

اپنے وطن میں آج آپ اجنبیت کی المنا کی سے دوچار ہیں یہ اور بات ہے کہ راقم الحروف نے بساط بھر کاوشیں انجام دے کر اس تہہ بہ تہہ گرد کو دور کرنے کے عمل کو شروع کر دیا ہے اور اب اس راہ میں دوسرے بھی ہاتھ بٹا کر محسن سے حق نبھانے کے فریضے کو انجام دیتے دکھائی دے رہے ہیں۔

۲۲/۲۳/اپریل ۲۰۱۲ء مطابق ۳۰/جمادی الاولیٰ و یکم جمادی الآخرہ ۱۴۳۳ھ کی تاریخوں میں حضرت لطفیؔ کے سواں سال عرس مقدس کو بشکل 'جشن صد سالہ' منایا گیا۔ جشن صد سالہ کیا تھا! فخر و مسرت، ابتہاج و انبساط، جوش و ولولہ، امنگ و ترنگ، خلوص وللّٰہیت، عقیدت و الفت کا ایک نا قابل فراموش و تاریخی مظاہرہ تھا۔ عشق و وارفتگی، بیکلی و بے خودی جیسے پاکیزہ و حیرت انگیز جذبات و احساسات کا سونامی تلاطم تھا کہ جس میں اپنے بیگانے، وفا کیش و بے وفا، خیر اندیش و بد اندیش، امیر و غریب، خوش حال و بدحال، چھوٹے و بڑے، آقا و غلام، کجلاہان زمانہ و فقیرانہ یگانہ تمام کے تمام بے خطر بہے جا رہے تھے۔ جسم و جاں، ہوش و خرد، عقل و دانش سب چیزیں راہ شوق کی تپتی زمین و جلتی دھرتی کی پرواہ کئے بغیر یہاں تربت انور کے حضور نذرانہ عقیدت و سوغات محبت پیش کرنے کے لئے بے تاب و بیقرار تھیں۔ سچ پوچھئے تو خانقاہ عالیہ و آستانہ مجیبیہ میں عاشقان و وفاداران لطفیؔ کا نہ تھمنے والا ایک سیلاب امنڈ آیا تھا اور جو جہانِ دیدہ و دل کو مسحور و مسخر کر رہا تھا۔

''جشن صد سالہ'' کے اس تاریخ ساز و یادگار موقع پر قدیم خانقاہی مراسم و تقریبات کے دوش بدوش ایک ''کل ہند'' کانفرنس و عظیم الشان سمینار کا عملی انعقاد بھی منصوبے میں شامل تھا۔ ایام جشن میں کانفرنس تو حسب امید بڑی شان بان، تزک و احتشام کے ساتھ انجام پذیر ہوئی لیکن ''سمینار'' کہ جس کی خاطر اس عصیان شعار اور ہم سفروں میں حضرت علامہ مولانا مفتی نوشاد عالم رضوی مصباحیؔ صدر المدرسین مدرسہ و خانقاہ لطیفیہ و حضرت مولانا خواجہ محمد رضا مصباحیؔ مدرس مدرسہ ہذا نے جس طرح جوش و ولولہ، صد امنگ و ہزار ترنگ کے ساتھ عرق فشاں محنت و مشقت کی تھی، شب و روز کی سرحدیں پامال کر ڈالی تھیں اور شام و سحر کا حلیہ بدل ڈالا تھا۔ حسب توقع کامیابی و کامرانی نہ مل سکی۔ ہم بھی

بڑے قلق وصدمے سے دوچار ہوئے۔ بہر حال بقول ڈاکٹر اقبال مرحوم:

نہ ہو مایوس اے اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بھی بڑی زرخیز ہے ساقی

واضح رہے کہ سیمینار کے حوالے سے ہم سبھوں نے ملک گیر سطح کے بہتیرے صاحبان لوح وقلم وحاملان فکروفن سے روابط قائم کئے تھے۔ ان کی خدمات عالیہ میں مواد ومعلومات کو ارسال کیا تھا۔ رہ رہ کر تاکید ویاددہانی کے طور پر فون بھی کیا کرتے تھے۔ لیکن مقررہ وقت تک صرف سات مقالے ہی ہمدست ہو سکے۔ مجبوراً انہیں ہی ترتیب وتہذیب سے گزار کر ایک پرچہ کی شکل میں شائع کرنا پڑا۔

وقت متعینہ پر جب آدھ ادھورے انداز میں کسی طرح سیمینار ہو گیا اور چھ سات مضامین پر مشتمل ایک پرچہ کی صورت میں مجموعہ مقالات بھی منظر عام پر آ گیا۔ پھر جشن صد سالہ کے انعقاد ایک ماہ بھی نہیں گزرا تھا کہ مزید چودہ پندرہ مضامین بذریعہ ڈاک ودستی طور پر فردوس نگاہ بنے۔ اس طرح ہمت بڑھی اور خوابیدہ جوش وولولہ جاگ اٹھا۔ کل دستیاب شدہ قلمی نقوش میں کنز الدقائق حضرت علامہ مولانا مفتی حسن منظر قدیری شیخ الحدیث الجامعۃ الرضویہ ممبئی فقیہ عصر ومحقق مسائل جدیدہ حضرت علامہ مولانا مفتی آل مصطفیٰ مصباحی استاذ ومفتی الجامعۃ الامجدیہ گھوسی یوپی، فقیہ بے بدل محقق عصر حضرت مولانا مفتی قاضی فضل احمد مصباحی پرنسپل ضیاء العلوم بنارس یوپی، امیر القلم حضرت علامہ ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی ممبئی، ادیب شہیر علامہ زمن حضرت علامہ مولانا عارف اللہ فیضی مصباحی استاذ فقہ وادب مدرسہ عربیہ فیض العلوم محمد آباد گہنہ، مئو، یوپی، استاذ الاساتذہ ماہر معقولات حضرت علامہ مولانا نصر اللہ رضوی مصباحی سابق استاذ ادب ومعقولات مدرسہ عربیہ فیض العلوم ماہر علوم وفنون حضرت علامہ مولانا مفتی نور الزماں مصباحی رحمٰن پوری سابق شیخ الحدیث دار العلوم شاہ عالم احمد آباد گجرات، حاوی علوم نقلیہ وعقلیہ حضرت علامہ مولانا مفتی ذوالفقار علی رشیدی مصباحی بانی وسابق شیخ الحدیث الجامعۃ الحفیظیہ راسا کھوا، صاحب تصانیف جلیلہ حضرت علامہ مولانا ڈاکٹر اعجاز انجم لطیفی نائب پرنسپل جامعہ منظر اسلام بریلی

شریف، تاج المنقولات والمعقولات حضرت علامہ مولانا مفتی اعجاز اصغر نوری صدر مفتی جامعہ لطیفیہ بحرالعلوم کٹیہار کے قلمی نقوشہائے رنگارنگ خصوصیت کے ساتھ بہت قابل قدر ولائق ذکر ہیں۔اب جبکہ جشن صد سالہ کے دوڈھائی برس بعد ہم وفا کیشان لطیفی وودومان حفیظی ان تحریرات وقلمی نقوش کو کتابی شکل میں منظر عام پر لانے کے لئے کمربستہ ومستعد ہیں اوراپنے مشن میں کامیر ب وکامراں ہونے جارہے ہیں۔ایسی دلربا وحسین گھڑی میں ہم تمامی شرکائے سفر سیمنار آپ جملہ ارباب علم وقلم ہستیوں کی بارگاہ ناز میں حد درجہ بےلوثی وخلوص کے ساتھ ہدیہ تبریک وتہنیت پیش کرتے ہیں اورامیدوار ہیں کہ اسی طرح کسی اور موقع ومنزل پر بھی آپ صاحبان دل حضرات تعاون پیش فرمائیں گے۔اور مقصد ومدّعا سے ہمکنار کریں گے۔

رشتہ محبت کچھ اس طرح نبھے گا
کچھ قدم تم بڑھاؤ کچھ قدم ہم بڑھائیں

جاتے جاتے اب اخیر میں دل کی یہ بات کہہ کر گزرجانا چاہتا ہوں کہ از ہر ہند ''الجامعۃ الاشرفیہ'' مبارک پور اعظم گڑھ یوپی جہاں اس بے بضاعت وذرۂ بےمقدار نے کوچہ گردی وخاکروبی وجبہ سائی کے طفیل چٹکی بھر ہی سہی علمی وقلمی لیاقت واستعداد کا جواہل ہوسکا اور پھر طرفہ تماشا یہ ہے کہ اسی اہلیت وقابلیت کی ڈگمگاتی بنیاد پر جس طرح سے ہندوستان کے مشہور صوبہ بہار کے علاقہ سیمانچل کی معروف ومرکزی خانقاہ ومدرسہ لطیفیہ کی ڈیڑھ سوسالہ علمی وقلمی،تحریکی وتنظیمی فضاوماحول کے جمود وتعطل کو توڑا اور تہہ درتہہ جمی دبیز گرد کو دور کرکے خانقاہ ومدرسہ لطیفیہ اور ربانی مبانی خانقاہ ومدرسہ لطیفیہ کے رخ روشن کو عالم آشکار کیا۔یہ بجائے خود ایک تاریخی قدم اور غیر متزلزل وراسخ عزم وحوصلے کا غماز ہے۔یہ میں منہ میاں مٹھو بننے اور خودستائی کے زیراثر نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ تحدیث نعمت کے طور پر عرض کناں ہوں۔ایک مصباحی کسی صحراو بیاباں میں پہنچ کر کسی ہولناک وپرخطر وادی میں اتر کر، کسی دشت وجبل سے گزرکر، کسی موج بلا وبحر بیکراں میں غوطہ زن ہوکر کس طرح سے کامیابی وکامرانی کی اونچائیوں کو چھوسکتا ہے اور ایک نئی تاریخ کے باب کو رقم کرسکتا

ہے۔اس حوالے سے میرا ٹوٹا پھوٹا وجود، کرچیوں کی طرح بکھری ہوئی میری زندگی، شام وسحر اور لیل ونہار سے گھبرائی ہوئی میری حیات مستعار اس حقیقت کی ایک ادنیٰ مثال ہے۔

جب ''جامعہ اشرفیہ'' کی خاک میں ایک لوٹ پوٹ کرنے والے بے وقعت مصباحی فرزند کا یہ حال ہے تو پھر آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اگر کوئی مصباحی ہمالیائی شخصیت، قدآور وجود اور بلند وبالا ہستی کا ایک مالک ہو تو علم وادب، فکر وفن، شعور وآگہی، کمالات وامتیازات، فضائل وخصوصیات کے تناظر میں ان کی کیا شان ہوگی؟ واردات دل وحکایات جگر کے ہاتھوں مجبور ہو کر میں بات کرتا کرتا کہاں پہنچ گیا۔ گفتگو کے اس پیراگراف کے پس پردہ دراصل ایک روح فرسا والمناک حادثہ ہے۔ جوانانیت ونفسانیت، خود ادعائی وخود پسندی، ہٹ دھری وکٹ حجتی، ذہنی فتور وباطنی خباثت، قبول حق سے بیزاری صداقتوں سے چشم پوشی، احسان فراموشی وابن الوقتی جیسی مہلک بیماریوں کے زیر اثر خوش فکر وصحیح العقیدہ مسلمانان ہند کو درپیش ہوا ہے۔ اس حادثے کا خلاصہ یہ ہے کہ مادر علمی ''الجامعۃ الاشرفیہ'' جو گزشتہ ساٹھ ستر سال سے سنی اسلامیان عالم کی عمومی اور سنی اسلامیان ہند کی خصوصی طور پر درس وتعلیم، تحریر وتقریر، دعوت وتبلیغ، ردومناظرہ وغیرہ وغیرہ جملہ شعبہائے زیست کے لحاظ سے کفالت کر رہا ہے اور ان کی سست رگوں میں تازہ خون دوڑا رہا ہے۔ اسی جامعہ اشرفیہ کے ایک سابق اسٹاف کہ جن کا علم وفکر، تقریر وتحریر، تصنیف وتالیف، دعوت وتبلیغ، شہرت وعزت، مال ودولت، جبہ ودستار، بلکہ وجود وشخصیت کل فی الکل جامعہ اشرفیہ کا مرہون منت ہے۔ یہی حضرت والا کچھ نوک جھونک اور عزت نفس کے قدرے خلاف باتوں سے اتنا زیادہ اپنا آپا کھو بیٹھے اور اس قدر شدت کے ساتھ نفس امارہ کے پیروکار نکلے کہ الامان الحفیظ! گزشتہ دس بارہ برس سے یہ شیخ الکل فی الکل نہایت خلوص وایثار کے ساتھ دین ومسلک کی خدمات وکارگزاریوں کو انجام دینے کے بجائے صبح وشام تسلسل کے ساتھ مقدس اہلسنت والجماعت ومسلک اعلیٰ حضرت کا فرد خاص ہو کر بھی اسی اہلسنت والجماعت ومسلک اعلیٰ حضرت کے سب سے بڑے علمی وفکری مرکز ومنزل کے خلاف زہر افشانی وشعلہ افگنی میں مصروف وجہد کناں ہیں۔ ادھر کئی برس کے دوران حضرت والا نے اپنے ہم فکر وہم خیال لوگوں کا ایک

جتھہ بھی تیار کرلیا ہے اب یہ بنفس نفیس اور اپنے ہوا خواہوں کی مدد سے ملک کے طول وعرض میں ”جامعہ اشرفیہ“ اساتذ اشرفیہ، طلبہ اشرفیہ، موجودین اشرفیہ، فارغین اشرفیہ، فرزندان اشرفیہ، خیر خواہانِ اشرفیہ، اراکین اشرفیہ کے رخ سے جہاں تہاں، ادھر ادھر عوام وخواص میں افواہوں کا بازار گرم کرنے، سنی مسلمانوں کو مغالطے میں ڈالنے، انہیں بددل وگمراہ کرنے، اوران کے اتحاد ویکجہتی کو پارہ پارہ کرنے، پورے ماحول وفضا میں بے چینی وسراسیمگی پھیلانے کے مذموم وافسوسناک ارادوں کے ساتھ دیکھے جارہے ہیں۔

باغباں نے جب آگ دی آشیانے کو میرے
جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے
دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

اگر زمینی حقائق کی روشنی میں اور انصاف ودیانت کی عینک لگا کر بات کی جائے تو واشگاف ہوگا کہ کامروپ کی گھاٹی سے لے کر راجکوٹ کی دھرتی تک اور وادی کشمیر سے لے کر کاویری دریا کے ساحل تک سنی مسلمانوں کی جتنی درسگاہیں، خانقاہیں، مسجدیں اور تحریکی وتبلیغی ادارے ہیں یا تصنیفی وتالیفی اور اشاعتی ونشریاتی مراکز ہیں ان تمام میں پچاس فیصد مقامات کے اندر فرزندان اشرفیہ ہیں یعنی مصباحی علماء فضلاء، ائمہ، وخطباء، واعظین ومصلحین، محققین ومصنفین اور ارباب فقہ وافتاء وغیرہ کی تعداد ہے۔ اور ہاں کمال کی بات تو یہ ہے اور خاصی توجہ کا طالب بھی کہ مصباحی فرزند جہاں کہیں بھی ہے وہ مدرسہ ہو یا مسجد، وہ خانقاہ ہو یا درگاہ، وہ تصنیف وتالیف کا میدان ہو یا تحریک وتنظیم کا پڑاؤ، وہ صحافت وسیاست کا منجھدار ہو یا قومی وملی رہنمائی وقیادت کی آزمائش گاہ ہر جگہ بجائے خود آفتاب عالمتاب ہے اور ایک انقلابی وعہد آفریں حیثیت وشخصیت کا حامل ہے۔ میری ہی نظیر لے لیجئے۔ ہم سبھوں کے مربی اعلیٰ محسن سنیت مسیحائے ملت حضرت علامہ مولانا شاہ حفظ الدین لطیفی علیہ الرحمہ والرضوان کا وصال باکمال ۱۹۱۵ء میں ہوا۔ قارئین باتمکین! آپ آئندہ صفحات میں پڑھیں گے کہ حضرت لطیفی روحانی کمالات وعرفانی درجات کے ساتھ ساتھ

علمی و قلمی اور دعوتی و تبلیغی خصائص وامتیازات میں بھی بلند پایہ گاہ رکھتے تھے۔ یعنی آپ کی ذات ستودہ والا صفات اپنی خوبیوں کے لحاظ سے حد درجہ جاذب و پرکشش اور دعوت تحقیق و مطالعہ کے لائق تھی اور ہے اور رہے گی، تاہم سال وصال ۱۹۱۵ء سے لے کر میرے سال فراغت یعنی ۱۹۹۸ء تک کے اس طویل عرصے سے کوئی مضمون، کوئی کتاب! کچھ بھی نہیں، ایک پرچی تک بھی ندارد، حضرت لطیفی کے خانوادہ کے ایک معمولی فرد اوران کے ٹکڑوں پر پلنے والے ایک وفادار محافظ ونگہبان کی حیثیت سے میں نے سال فراغت ۱۹۹۸ء میں ہی یہ عزم مصمم کرلیا تھا کہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں دوران عہد طالب علمی اپنے کاسۂ گدائی کے اندر جو کچھ بھی لکھنے پڑھنے کے نام پر پائی یارتی بھر صلاحیت ولیاقت ملے گی۔ میں اسے پونجی بنا کر اپنے دیرینہ مربی اعلیٰ ومحسن اعظم حضرت لطیفی علیہ الرحمہ والرضوان کے حق میں بروئے کار لاؤں گا۔ چنانچہ سال فراغت ۱۹۹۸ء کے بعد ۱۹۹۹ء میں جب یہ حقیر سراپا تقصیر اپنے آباء واجداد کی علمی وروحانی نشانی خانقاہ ومدرسہ لطیفیہ میں بحیثیت استاد بحال ہوا تو پھر اس کے بعد ہی پورے خلوص وایثار، ذوق وشوق، امنگ وحوصلہ، جنون ودیوانگی، عشق و وارفتگی کے ساتھ ایک مشن لے کر چل پڑا کہ جو مشن حضرت لطیفی کی حیات وخدمات، کاوشوں ومساعی وغیرہ کے تعلق سے تعارف وتشہیر پر مشتمل تھا۔ اس حوالے سے کمر ہمت باندھ کر جب میں میدان عمل میں اترا تو کہاں اورینٹل خدا بخش لائبریری پٹنہ، رام پور رضا لائبریری رام پور، شبلی کتب خانہ ندوۃ العلماء لکھنؤ، سہسرام، رجہت گیا، بہار شریف، کہاں شاجہاں پور یوپی و بریلی شریف اور دہلی ہر جگہ وارد ہوا اور ہر مقام ومنزل پر ڈیرا ڈالا۔ بزرگوں وجھریاں پڑے چہروں سے ملاقاتیں کیں، کتب بینی وورق گردانی کے مرحلے سے گزرا، رسائل وجرائد کے قدیم ذخیرے کو کھنگالا۔ اس طرح آبلہ پائی وکوچہ گردی اور عرق ریز محنت ومشقت کے معیار پر کھرا اتر کر حضرت لطیفی کی حیات وخدمات کے تعلق سے مواد ومعلومات کا ایک معتدبہ حصہ اکٹھا کر سکا۔

کبھی دیدۂ نم لئے تو کبھی چراغ حرم لئے
میں گیا نہ جانے کہاں کہاں تیری جستجو کا بھرم لئے

مختصر یہ ہے کہ تحقیق و تلاش، تتبع و جستجو، بھاگ دوڑ کے نتیجے میں حضرت لطیفی کی سوانح حیات پر مبنی مواد کا حصول وہ تو ہوا ہی لطف کی بات تو یہ ہے کہ آپ کے پیر خانہ یعنی 'بارگاہ عشق' متن گھاٹ پٹنہ کے اکابرین و مشائخین کے حوالے سے بھی بہت کچھ معلومات واطلاعات بہم پہنچیں۔ پھر کیا تھا میں ان جملہ دستیاب شدہ امور کو حرز جاں بنا کر بصفت سیل رواں شاہراہ عمل پر جادہ پیما ہوا اور اپنے من کی دنیا میں مگن ہو کر بغیر کسی تشہیر و پروپیگنڈہ کے منزل بمنزل آگے بڑھتا رہا۔ حاصل شدہ مواد و معلومات کو میں نے پہلے پہل الگ الگ عنوان کے تحت ایک ایک مضمون کی شکل دینا شروع کیا۔ بعدہ وقت گزرانے کے ساتھ ساتھ رسالہ و کتابچہ اور مستقل کتاب کی ترتیب و تصنیف میں بھی جٹ گیا۔ تفصیل کچھ اس طرح ہے:

(۱) ''مولانا حفیظ الدین لطیفی: بہار کی علمی مگر گمنام شخصیت'' ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور شمارہ ۷/۸، جولائی اگست ۲۰۰۱ء

(۲) ''حضرت حفیظ الدین لطیفی اپنے وطن میں اجنبی'' ماہنامہ سنی دنیا بریلی شریف شمارہ ۱۹ اکتوبر نومبر ۲۰۰۱ء

(۳) ''حضرت لطیفی! خطۂ بہار کی ایک گراں قدر شخصیت'' ماہنامہ کنز الایمان دہلی شمارہ ۷، ۲۰۰۳ء

(۴) ''حضرت لطیفی اپنے وطن میں اجنبی'' سہ ماہی جام شہود نالندہ شمارہ ۱/۲/۲۰۰۲ء

(۵) حضرت مولانا لطیفی بہار کا علمی وروحانی ورثہ'' ماہنامہ ضیائے صابر ممبئی شمارہ ۴، ۲۰۰۸ء

(۶) ''مشرقی بہار کی روحانیت وعلمیت کا استعارہ حضرت مولانا شاہ حفیظ الدین لطیفی ابو العلائی علیہ الرحمہ والرضوان'' خانقاہ عالیہ شہبازیہ کا علمی ترجمان، روحانی نقیب: پرواز شہباز کا صوفیائے کرام نمبر بھاگلپور ۲۰۱۱ء

(۷) ''حیات حفیظی'' حفیظ اکیڈمی خانقاہ لطیفیہ رحمٰن پور تکیہ شریف ۲۰۰۷ء

(۸) ''حضرت لطیفی مجلّہ'' حفیظ ملت اکیڈمی خانقاہ لطیفیہ رحمٰن پور تکیہ شریف ۱۴۲۹ھ

(۹) ''شاہ حفیظ الدین اور جہان علم ودانش'' حفیظ ملت اکیڈمی ۲۰۰۹ء

(۱۰) ''حضرت لطیفی مجلّہ'' (بموقع جشن صد سالہ ۱۴۳۳ھ/۲۰۱۲ء) حفیظ ملت اکیڈمی

(۱۱) ''نامور باپ کے خطوط دیدہ ور بیٹے نام'' حفیظ ملت اکیڈمی ۲۰۱۱ء

(۱۲) ''علم وفضل کا گمشدہ ستارہ'' ماہنامہ جام نور دہلی، شمارہ ۶/۲۰۰۳ء

(۱۳) ''ملک العلماء اور خانوادۂ عشق'' ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور شمارہ ۲۰۰۸ء

(۱۴) ''حضرت ملک العلماء اور خانوادۂ عشق'' ماہنامہ ضیائے صابر ممبئی شمارہ ۱، ۲۰۰۷ء

(۱۵) ''علم وفضل کا ایک گمشدہ ستارہ شاہ رکن الدین عشق'' ماہنامہ کنز الایمان دہلی شمارہ ۴، ۲۰۱۱ء

مذکورہ بالا تمام مضامین ومقالات اور کتب ورسائل آج ماخذ ومراجع اور مصدر ومنبع کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ یہی وہ چیزیں ہیں کہ جن کے سہارے عالی جانب اسلام الدین باغی سابق وزیر حکومت بہار کے ہونہار فرزند عزیز القدر محمد اسرار الحق باشندہ علاقہ کشن گنج نے پٹنہ یونیورسٹی سے پروفیسر عبد الغفار صدیقی صدر شعبۂ فارسی پٹنہ یونیورسٹی کی زیر نگرانی حضرت لطیفی علیہ الرحمہ کے احوال وآثار اور دینی وعلمی خدمات ومساعی پر پی ایچ ڈی کر کے ایک جہاں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ عزیز موصوف کی پی ایچ ڈی کا مبسوط وضخیم مقالہ آج پٹنہ یونیورسٹی کی لائبریری میں موجود اور منتظر اشاعت ہے۔ اتنی گفتگو کے بعد آپ کو بخوبی اندازہ ہو گیا ہوگا کہ ماضی قریب اور موجودہ دور کے اعتبار سے ریاست بہار کے دیار مشرقی بہار یعنی سیمانچل کے اتنے مشہور ومعروف اور مرکزی مقام ''خانقاہ مدرسہ لطیفیہ'' اور بانی مبانی خانقاہ ومدرسہ حضرت مولانا شاہ حفیظ الدین لطیفی علیہ الرحمہ الباری کے احوال وکوائف، خدمات وکارگزاریوں پر ایک سطر بھی دستیاب نہ ہونے کے باوجود بھی ایک بے مایہ وفرو ماندہ مصباحی نے کس طرح معلومات ومواد کا گم گشتہ خزانہ شائقین وطالبین کے حضور پیش کر دیا؟ یہ امر واقعہ جہاں کسی مردیگانہ اور اس کی شان قلندرانہ کا پتہ دیتا ہے وہیں طلب علم وجستجو اور بلند ہمت ومضبوط ارادے کا بھی اظہار واعلان کرتا ہے۔

واضح رہے کہ خانقاہ ومدرسہ لطیفیہ یا خانوادۂ حفیظی میں ایسا نہیں ہے کہ اصحاب علم وآگہی نہیں ہیں، اہلیان فکر وفن نہیں ہیں۔ حاملان فراست وبصارت نہیں ہیں۔ ہیں اور کافی

ہیں۔ یعنی کم از کم ڈیڑھ دو درجن بعض بڑے تو حضور ملک العلماء مولانا ظفر الدین رضوی قادری قدس سرہ العزیز کے تلامذہ میں سے ہیں۔ بعض نعیمی و منظری بھی ہیں۔ لیکن درحقیقت معاملہ یہاں احساس وادراک کا ہے، فرض شناسی اور اسلاف دوستی کا ہے۔ جذبہ وشوق کا ہے، جوش وولولے کا ہے، عشق ومستی کا ہے اور خم خانہ الفت وعقیدت کی بارہ خواری کا بھی ہے۔

گزشتہ نوے یا ایک صدی کی طویل مدت میں شاید قرعہ فال کا میرے نام ہی نکلا منظور ومطلوب تھا کہ نتیجتاً میں اس اہم ترین، بزرگ ترین اور تاریخی وانقلابی کارنامے کو انجام دے کر سرخرو ہوسکا اور معاً اس امر کا ثبوت وشہادت دینے میں بھی کامیاب وکامراں ہوکر رہا کہ ایک مصباحی جو بھی ہو، جیسا بھی ہو اور جہاں بھی ہو وہ ممتاز اور انقلابی اوصاف کا حامل ہوتا ہے۔ ویرانے کو آباد اور آباد کو رشک چمن اور رشک چمن کو رشک جہاں بنانے کا ہنر جانتا ہے۔

یہ اپنا اپنا ہے حوصلہ یہ اپنی اپنی اڑان ہے
کوئی اڑ کے رہ گیا بام تک کوئی کہکشاں سے گزر گیا

خیال رہے کہ زیر مطالعہ مجموعہ مقالات ”عرفان حفیظ“ بموقع جشن صد سالہ ۱۴۳۳ھ/۲۰۱۲ء اولاً چھ سات مضامین پر مشتمل بنام ”حضرت لطیفی مجلّہ“ منظر عام پر آیا تھا۔ اب تادم تحریر یہ دو درجن کے قریب متنوع وگوناگوں موضوعات ومباحث کو محتوی مجموعہ مضامین وتحریرات دو سال بیت جانے کے بعد پھر سے ایک علیحدہ وجداگانہ رنگ ونور لئے نیا نام نئی شان لئے اور بے پناہ دیدہ زیب وخوشنما شکل کے ساتھ منصۂ شہود پر آرہا ہے وہ بھی ایک کمزور وناتواں مصباحی کے ہاتھوں سے، یاران حسد پیشہ کے لئے اتنا کہوں گا کہ خدا خیر کرے!

شمع نظر، خیال کے انجم جگر کے داغ
جتنے چراغ ہیں تیری محفل سے آئے ہیں

خواجہ ساجد عالم لطیفی مصباحی
استاذ مدرسہ خانقاہ لطیفیہ رحمٰن پور تکیہ شریف/بارسوئی، کٹیہار، بہار
۲/ربیع الاول ۱۴۳۶ھ/بروز جمعرات ۲۵/دسمبر ۲۰۱۴ء بوقت شام ۴ بجے

باب اول

حیات جمیلہ

تذکرۂ

قدوۃ العلماء زبدۃ الفضلاء اعلیٰ حضرت مولانا شاہ حفیظ الدین برہانی قدس سرہ النورانی

خواجہ ساجد عالم لطیفی مصباحی استاذ مدرسہ وخانقاہ لطیفیہ رحمٰن پور کٹیہار

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم
از من بجز حکایت مہر و وفا مپرس

آپ کا پیدائشی نام سید محمد تھا۔ خیال ہے کہ وہ دور طالب علمی میں حفیظ الدین ہوا۔ پھر جب مرید ہوئے اور مجاز وخلیفہ ٹھہرے تو لطیفی بھی نام مبارک کا حصہ بنا۔ اس طرح اسم گرامی سید محمد حفیظ الدین لطیفی ہوا۔ (کچھ برس قبل آپ کی ایک گمنام تصنیف ''فوائد نوریہ'' کا پتہ ملا۔ اس کے ٹائٹل ورق پر یہ عبارت لکھی ہے ''فوئدنوریہ'' مصنفہ مولوی سید محمد حفیظ الدین مدرس اول مدرسہ سہسرام۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ''سید محمد'' نام کے ایک مستقل جزء کے طور پر ایک زمانہ تک رائج رہا۔ جو وطن آمد پر کسی وجہ سے متروک ہوگیا) چشتی نگر کنہریا ضلع کٹیہار بہار میں ۱۲۴۵ھ کو آپ نے زندگی کی پہلی سانس لی۔ والد ماجد کا نام شیخ حسین علی تھا۔ عالی جناب شیخ صاحب گاؤں کنہریا کے ایک دیندار وشریف انسان تھے۔ علاقہ کے دولت مندوں اور معززوں میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ حضرت لطیفی نے جب ہوش سنبھالا اور فہم وخرد کی آنکھیں کھولیں تو والد کا انتقال ہو چکا تھا۔ اب اکیلی ایک ماں تھی۔ جس کے کاندھے پر آپ کی پرورش وپرداخت اور تعلیم وتربیت کا بوجھ پڑا۔

تعلیم وتربیت

حضرت لطیفی کو بچپن ہی سے پڑھنے لکھنے کا شوق تھا۔ لیکن گاؤں میں تعلیم کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ تحصیل علم کی خواہش وذوق نے آپ کو مجبور کیا کہ آپ کہیں جائیں۔ چنانچہ

آپ اپنے کنہریا سے جانب شمال تقریباً ۵ میل کے فاصلے پر آباد رسول پور گاؤں پہنچے۔ یہاں نوابوں کا ایک خاندان رہتا تھا جو مظفر نگر یوپی سے ہجرت کر کے یہاں آیا تھا۔ اور کئی سو برس سے یہاں بودوباش اختیار کر رکھی تھی۔ یہاں ان لوگوں نے ایک اچھا خاصا مدرسہ بھی قائم کر رکھا تھا جس میں دور دراز سے علماء اور ماہرین علم وفن آ کر تعلیم دیا کرتے تھے۔ لغات کشوری کے مؤلف یہاں ایک زمانے میں مدرس تھے۔ اسی طرح معروف شاعر وادیب جناب فانی جائسی بھی یہاں رہ چکے تھے۔ حضرت لطیفی یہاں کچھ عرصہ تک پڑھتے رہے۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے پٹنہ کا سفر کیا۔ اس کے بعد مدرسہ نظامیہ فرنگی محل لکھنؤ وارد ہوئے۔ یہاں یگانۂ روزگار فاضل جلیل حضرت مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی اور دیگر صاحبان علم وکمال اساتذہ وبلند پایہ معلمین درس وتعلیم دیا کرتے تھے۔ حضرت لطیفی جب داخل مدرسہ ہوئے تو عارف باللہ عاشق رسول حضرت علامہ عبدالعلیم آسی غازی پوری خانقاہ رشیدیہ جونپور، سندالمشائخ تاج الاصفیاء حضرت علامہ سید شہودالحق اصدقی خانقاہ اصدقیہ بہار شریف، عالم عصر ومحقق دوراں حضرت علامہ قاضی فاروق چریاکوٹی اعظمی جیسے بلند اقبال وذہین اور بزرگانہ صفت کے حامل ہم درس ملے۔ آپ نے فرنگی محلی میں متوسط کتابوں سے لے کر منتہی جماعت تک کی تعلیم حاصل فرمائی۔ پھر یہاں سے دہلی کی راہ لی۔ اور دہلی میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے خاندان کے چشم وچراغ حضرت مولانا شاہ مخصوص اللہ حضرت مولانا شاہ موسیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی شہرۂ آفاق درس گاہ سے فیض اٹھایا اور تعلیم کی تکمیل فرمائی۔

درس وتدریس

درس وتدریس اور دینی علوم کی ترویج واشاعت کی خاطر آپ نے ملک کے مختلف مدرسوں و دانشکدوں کا رخ کیا۔ پٹنہ، مجگاؤں، بھاگلپور، شاہجہاں پور یوپی کے نامور اداروں میں یہ فرائض انجام دئے۔ سینکڑوں کی تعداد میں متلاشیانِ علوم نبویہ وشائقین معارف دینیہ آپ سے فیضیاب وبہرور ہوئے اور پھر دین وشریعت کی تبلیغ وتشہیر کرنے

لگے۔ اس باب میں شمال مشرقی ہندوستان کا قدیم ترین ادارہ ''مدرسہ وخانقاہ کبیریہ سہسرام''
بہت اہم تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ یہاں آپ اپنے پیر و مرشد حضرت شاہ خواجہ لطیف علی
(متوفی ۱۲۹۹ھ) ولد حضرت شاہ خواجہ لطف علی (متوفی ۱۲۶۰ھ) کے اشارہ اور برادر
طریقت مشہور صوفی وشاعر حضرت مولانا حسن جان خان سہسرامی اساتذ مدرسہ خانقاہ کبیریہ
کے اصرار پر تشریف لائے۔ صدر مدرس و مہتمم مدرسہ کے بلند و ذمہ دارانہ منصب پر مسلسل
بارہ سال رہے۔ حضرت لطیفی کے ایک مجموعۂ رسائل تصنیف کردہ ۱۳۱۷ھ کے سرورق پر یہ
تحریر ملی ہے (مصنفہ مولانا مولوی صوفی شاہ محمد حفیظ الدین صاحب حنفی نقشبندی ابوالعلائی
متوطن قصبہ چشتی نگر کنہر یا ضلع پورنیہ کہ سابقاً کم وبیش دوازدہ سال در مدرسہ خانقاہ سہسرام
ناصر الحکام مدرس اول وناظم مدرسہ بودند اینک از ہمہ بی تعلق بودہ محض توکل اختیار فرمودند)
آپ جس دور میں یہاں قدم رنجہ ہوئے اس وقت یہ ایک عظیم الشان مدرسہ اور معیاری تعلیم
وتدریس کا خاص مرکز تھا۔ اس میں شمال مشرقی ہند کے دیار سے کثیر طلبہ آتے تھے اور اپنی
اپنی علمی پیاس بجھا کر وطن لوٹتے تھے اور پھر وہاں بھی زبردست پیمانے پر دینی خدمات
وکارنامے انجام دیا کرتے تھے۔ آپ نے یہاں رہ کر مدرسہ کی ذمہ داریوں وکارگزاریوں کو
حسن وخوبی کے ساتھ نبھانے کے علاوہ علاقائی مقامات وآبادیوں میں تبلیغی و اصلاحی
اقدامات بھی فرمائے۔ مثلاً رجھت، ''گیا'' رنالندہ وغیرہ ان قصبات وشہروں میں آپ نے
تقریر ووعظ اور بیعت وارشاد کے ذریعے خوب دین کے صلاح وفلاح کا کام کیا۔ سو سال
سے زائد زمانہ بیت جانے کے باوجود آج بھی ان جگہوں میں ایسے حضرات مل جائیں گے
کہ جن کے آباء واجداد آپ کے مریدین ووابستگان میں رہے تھے اور جہاں آپ کی
آمد ورفت ہوا کرتی تھی۔ مولانا یونس، مولانا عبدالحئی نظر، مولانا بدیع الدین باشندگان
رجھت وگیا کے اہل خاندان اس بات کے زندہ ثبوت ہیں۔ حضرت لطیفی نے یہاں دوران
قیام بعض کتابیں بھی تصنیف فرمائیں۔ مثلاً فوائد نوریہ شرح میزاں منطق، دیوان لطیفی،
اور مکتوبات لطیفی کا بعض حصہ مؤخر الذکر دونوں تصنیفیں شعر وادب اور شریعت وطریقت
کے مسئلوں اور بحثوں کے لحاظ سے بہت معتبر ومستند اور نہایت بیش بہا وگراں قدر ہیں۔

مدرسہ خانقاہ کبیریہ میں آپ کی درس گاہ والا جاہ سے علم وادب اور فکر وفن کے بڑے باکمال افراد اور اعلیٰ استعداد ولیاقت کے مالک بڑے اونچے اونچے شاگرد وفیض یافتگان نکلے۔ اس خصوص میں صرف دو تلمیذ سعید کا ذکر کرتا ہوں۔ ایک ہیں حضرت مولانا شاہ عثمان شاہ آبادی سابق مدرس مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ جو عظیم منطقی وفلسفی ہونے کے ساتھ ساتھ زبردست مفسر ومحدث اور مصنف ومحقق بھی تھے۔ آپ نے مختلف علوم وفنون پر دو درجن سے زیادہ کتابیں اور رسالے لکھے ہیں۔ دو کتابوں کی میں نے زیارت بھی کی ہے جنہیں آپ نے مکہ شریف سے دستی یا بذریعہ ڈاک حضرت لطفی کی خدمت میں بھیجا تھا۔ دوسرے ہیں حضرت مولانا فرخند علی فرحت سہسرامی (متوفی ۱۳۵۳ھ) آپ علم فقہ وعلم حدیث میں حیرت انگیز قابلیت رکھتے تھے۔ ہم عصر علماء وفضلا اسی سبب سے آپ کی بارگاہ میں اہم ومشکل مسائل شریعت کو لے کر رجوع کرتے تھے اور تسلی اور اطمینان بخش جوابات پاکر شاداں ومسرور واپس ہوتے تھے اور آپ نے اپنے وطن سہسرام میں مدرسہ خیریہ نظامیہ کے نام سے ایک تعلیمی ادارہ بھی قائم کیا تھا جو اب نہ فقط زندہ ہے بلکہ پوری سرگرمی اور حرارت عمل ونقل کے ساتھ ترویج واشاعت علم دین میں مصروف بھی ہے۔ شاید یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہو کہ حضرت فرحت سہسرامی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے متعلقین ومخلصین میں تھے۔ چنانچہ جب قصبہ گونڈل کاٹھیاوار راجستھان میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس منعقد ہوئی اور اس کے اسٹیج سے یہ شوشہ چھوڑا گیا کہ اب سارے سنی مسلمانان ہند اپنے اعتقادی ونظریاتی اختلافات و تنازعات دفن کردیں اور نیچری وچکڑالوی اور رافضی وقادیانی کے ساتھ رشتۂ اخوت ومحبت قائم کرئیں۔ تو اس وقت امام احمد رضا محدث دہلوی نے اس آواز کی تردید وابطال پر ایک شاندار ولاجواب رسالہ ''الدلائل القاہرہ علی الکفرۃ النیاشرہ'' رقم فرمایا۔ ملک کے طول وعرض کے انیاسی اکابرین اسلام نے اس پر تائیدی وتصدیقی کلمات تحریر فرمائے۔ ان میں ایک آپ بھی تھے۔ خیال ہے کہ یہ بات بھی معلومات سے پرے نہ ہو کہ پاسبان ملت خطیب مشرق حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی کے ہم پیالہ وہم نوالہ، عزیز از جاں اور جماعت اہلسنّت کے قدآور صاحب علم وقلم

ومشہور خطیب حضرت علامہ کامل سہرامی آپ ہی کے فرزند دلبند تھے۔موجودہ دور کے مقبول ومعروف صحافی اور نامور اہل علم وقلم حضرت مولانا ملک الظفر سہسرامی مدیر اعلیٰ سہ ماہی الکوثر اور مدرسہ خیریہ نظامیہ بارہ دری کے فی الحال نائب مہتمم حضرت کامل ہی کے نور نظر ولخت جگر ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ حضرت لطیفی جس عہد میں مدرسہ وخانقاہ کبیریہ میں درس وتدریس دے رہے تھے مدرسہ کے مطبخ سے کھانا نہیں منگواتے تھے بلکہ اپنی جیب خاص کی رقم سے آٹا، چاول اور دال اور سبزی وغیرہ خرید کر اپنے شاگرد رشید ومرید وخلیفہ حضرت مولانا خواجہ میر نظام علی سہسرامی (متوفی ۱۳۶۰ھ) کے گھر بھجوادیتے تھے اور انہیں کے ہاں سے ہر وقت کھانا آتا تھا۔ یہ باتیں مجھے میر صاحب قدس سرہ کے پوتے حسن نظامی پرنسپل مسلم انٹر کالج بی این داس روڈ پٹنہ نے بتائی ہیں۔

شادی اور اولاد

جس زمانہ میں آپ پٹنہ میں تدریسی فرائض انجام دے رہے تھے اسی دوران چھوٹی شیخائین باشندہ لودی کٹرہ پٹنہ سٹی نے اپنی ذاتی کوشش ودلچسپی سے آپ کی شادی بہار شریف کے قریب ایک گاؤں بنام ڈمراواں میں حضرت مولانا سید عبدالکریم مرحوم کی صاحبزادی محترمہ عزیز النساء سے کرائی جن کے بطن سے تین لڑکے مولانا شاہ امام مظفر، حضرت مولانا شاہ مخدوم شرف الہدیٰ اور حضرت مولانا شاہ خواجہ وحید اصغر علیہم الرحمہ والرضوان تولد ہوئے جبکہ چار لڑکی پیدا ہوئی۔ (۱) نام معلوم نہیں۔ اس پہلی لڑکی کی شادی سہسرام کے دوران قیام ہی آپ نے چریاباسی پورنیہ کے قریب بتھا گاؤں ہی میں کردی تھی۔ بتایا جاتا ہے کہ دونوں میاں بیوی شادی کے بعد کچھ ماہ وسال تک حیات سے رہے پھر دونوں انتقال کر گئے۔ (۲) دوسری لڑکی صغریٰ خاتون کی شادی مولانا عبدالمولیٰ چشتی نگر کٹھریا سے ہوئی۔ (۳) خدیجہ ان کی شادی جناب محی الدین مہیش پور گوال پوکھر تھانہ دیناجپور بنگال سے ہوئی۔ (۴) چوتھی لڑکی عمدۃ النساء کی شادی مولانا وصی الدین صاحب سیتل پور بارسوئی کٹیہار بہار سے ہوئی۔

حضرت لطیفی اور چھوٹی شیخائن

چھوٹی شیخائن محلّہ لودی کٹرہ پٹنہ سٹی کی باشندہ تھیں۔ بڑی پرہیزگار و دیندار اور پارسا عبادت گزار خاتون تھیں۔ خاصی دولت وثروت اور مال متاع رکھتی تھیں۔ راہ خدا میں لٹانا اور محتاجوں وضرورت مندوں کی مدد وتعاون کرنا ان کا یہ ایک دینی مشغلہ تھا۔ حضرت لطیفی کا چھوٹی شیخائین سے بڑے گہرے مراسم وتعلقات تھے۔ چھوٹی صاحبہ نے خلوص وہمدردی سے جہاں آپ کی شادی طے کرائی وہیں اس سے قبل ایک زمانہ تک آپ کی کفالت بھی کی تھی۔ پٹنہ سے لکھنؤ اور پھر دہلی کا تعلیمی سفر ان ہی کے مالی سہارے سے ممکن ہوسکا تھا۔

ایک دلچسپ واقعہ

حضرت لطیفی نے مدرسہ رسول پور کے بعد جب اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے بیرون وطن کا رخ فرمایا تو گھر سے چپ چاپ نکلے کسی کو بھی اپنی منزل اور مقصد سے آگاہ نہ کیا۔ لگ بھگ تیس پینتیس برس گھر وعلاقہ سے دور ہی رہے۔ اس مدت کے دوران اہل خانہ واہل خاندان یا پھر دوسرے رشتہ دار واحباب سے آپ کا کوئی ربط وتعلق نہیں رہا۔ خط وکتابت ودیگر ذرائع سے بھی آپ نے ان لوگوں کو کوئی خبر نہ دی۔ اس عرصہ میں آپ نے تعلیم مکمل کی، تدریسی زندگی کا خاصہ حصہ گزارا پھر بیعت وخلافت کی تحصیل میں مرشد وقت کے پاس کامل بارہ سال رہے۔ یہاں تک کہ شادی بھی فرمائی اور بال بچے بھی ہوئے پھر بھی اپنے گاؤں میں قدم رکھنا نہ ہوا۔ جب مدرسہ خانقاہ کبیریہ میں رہنے لگے تو ایک دن اچانک کنھریا کا راستہ لیا اور سہسرام سے سیدھا چشتی نگر کنھریا پہنچے۔ حلیہ یہ تھا شیروانی وپاجامہ اور سر پر پگڑی، اپنے گھر جو آئے تو لوگوں نے سمجھا کہ باہر سے کوئی سیاح یا سائل پہنچا ہے۔ چنانچہ ایک صاحب نے آپ کو آپ ہی کی بیٹھک میں بٹھایا اور پھر آنگن میں خبر کرنے گئے کہ کسی دور کے خطہ سے کوئی عالم آئے ہیں ناشتہ کا انتظام کرو۔ وہ صاحب یہ کہہ

کر کسی طرف روانہ ہو گئے ادھر حضرت لطیفی اندر گئے اور گھر کے برآمدہ میں بیٹھ گئے۔
عورتوں میں کھلبلی مچ گئی سب ادھر ادھر بھاگیں اور اپنے ہاں کے مردوں سے کہنے لگیں کہ وہ
آدمی اندر آکر بیٹھ گیا ہے۔ انہیں کسی طرح باہر بھیجئے۔ اسی اثناء میں ایک جناب آگے
بڑھے اور آپ سے پوچھنے لگے آپ کا گھر کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا کہ سمجھئے ''یہیں میرا گھر
ہے'' پھر پوچھا آپ کا نام کیا ہے؟ آپ نے بتایا ''حفیظ الدین'' اتنا سننا تھا کہ سب دوڑ
پڑے۔ اس وقت لوگوں پر حیرت وفرحت کی جو ملی جلی کیفیت طاری تھی اس کو قلم کی زبان
سے بیان نہیں کیا جاسکتا۔ آپ کو دیکھ کر غم کی ماری ماں سے تو خوشی کے آنسو تھم نہیں رہے
تھے۔ آپ سے لپٹ کر اتھاہ خوشی کا رونا رو رہی تھی اور آپ سے جدائی وفراق پر پھوٹ
پھوٹ کر اپنے درد وغم کا اظہار کر رہی تھی۔

والدہ کے ساتھ سہسرام روانگی

حضرت لطیفی جب گھر آئے تو والدہ ماجدہ کو بدحالی میں پایا۔ جائیداد تو بہت تھی
لیکن برادری کے لوگوں کے خرد برد کر لینے کے سبب بوڑھی ماں کو کچھ نہیں ملتا تھا۔ یہ دیکھ کر
آپ کو بہت صدمہ ہوا اس لئے آپ نے اپنی والدہ ماجدہ کو سہسرام لے جانے کا عزم کیا۔
پہلے ان کے لئے کپڑے بنوائے پھر سامان سفر تیار کیا۔ بعدہ اس بابت رشتہ داروں کو بتا کر
سہسرام کی راہ لی۔ گھر پر پالکی منگوائی گئی اس پر آپ نے انہیں سوار کیا اور سالماری ریلوے
اسٹیشن روانہ ہوئے۔ یہاں سے آگے کا سفر شروع کیا یہاں تک کہ سہسرام پہنچے ماں نے
جب پوتے پوتیوں کی جھرمٹ کو دیکھا تو خوشی سے پھولے نہ سمائی۔ اب دادی جان کی رات
ودن کی سونی گھڑیاں ان بچوں کی پیاری صحبتوں سے آباد ہونے لگیں۔

بیعت وخلافت

حضرت لطیفی جب تحصیل علم سے فارغ ہوئے اور پھر ملک کے مختلف مدرسوں اور
درس گاہوں میں بحیثیت مدرس ایک عرصہ گزار چکے تو اب دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی اور

باطن میں یہ شوق واضطراب جا گا کہ کسی پیر کامل ومرشد برحق کے دامن کو تھاما جائے اوران کی صحبت میں رہ کر حال باطن کی اصلاح کی جائے۔ چنانچہ اس سلسلے میں آپ نے بہت سی خانقاہوں کی زیارتیں بھی کیں اور بہترے مشہور زمانہ خاصان خداوبندگان برگزیدہ کے آستانوں پر حاضری بھی دی لیکن دل کی دنیاومن کا آشیانہ جلد کہیں آباد نہ ہوسکا۔ آخرکار بارگاہ منعم پاک متن گھاٹ کی جانب قسمت نے رہنمائی کی اورآپ یہاں صاحب مزار بانی بارگاہ منعم پاک مخدوم المشائخ سندالواصلین حضرت شاہ محمد منعم کے مزار پر مراقب ہوئے۔ دوران مراقبہ اچانک آیت کریمہ یاایتہاالنفس المطمئنة ارجعی الی ربک راضیة مرضیة کی صدائے دلنواز کانوں میں رس گھولنے لگی اور غیبی اشارہ بھی ہوا کہ تمہاری تسکین جاں اور روحانی آسودگی کے لئے منزل بارگاہ عشق میں مخدوم الاصفیاء سندالعارفین حضرت سیدنا مولانا شاہ خواجہ لطیف علی عرف شاہ میاں جان صاحب کے خم خانہ ولایت سے وابستگی میں ہے۔ آپ نے دیوان لطیفی میں ایک شعر سے اس واقعہ کی جانب اشارہ بھی کیاہے۔

تا خطاب ارجعی بشنیدہ ام
از وفور وجد رقصانم ہنوز

(دیوان لطیفی صفحہ ۷۲)

یعنی جب میں نے ارجعی کا خطاب سنا تو وجد وشوق میں اس وقت رقص کرنے لگا۔ اس شعر کے تحت حاشیہ ہے (قولہ تا خطاب الخ جناب حضرت لطیفی قدس سرہ وقتی در بعض مزارت متبرکہ مراقب بودند ناگاہ ندائے یا ایتھاالنفس المطمئنة الایة بشنیدند وازاں وقت زیادت در کیفیت عشقیہ توحیدیہ اونمودن گرفت ۔۱۲) یعنی حضرت لطیفی کسی وقت کسی متبرک مزار پر مراقب تھے کہ اچانک ایتھا النفس الایة کی ندا سنائی پڑی۔ اسی وقت ان کی کیفیات عشقیہ وتوحیدیہ میں اضافہ ہوا۔ اچانک اس باطنی رہنمائی اور غیبی اشارہ کی وجہ سے آپ بارگاہ عشق کھینچے چلے آئے اور بارگاہ کے صدر دروازے تک پہنچ کر رک گئے۔ وہیں سے جھانک کر اندرونی ماحول کی زیارت کرنے لگے اور اس کے دلفریب

نظاروں سے دل ونگاہ کو ٹھنڈک پہنچانے لگے۔ ناگاہ آپ کی نظر خانقاہ کے صحن میں تشریف فرمادو نورانی صورت وقدسی صفت بندوں پر پڑی اور پھر ٹھہر گئی۔ آپ نے دیکھا کہ ایک سن رسیدہ جبکہ دوسرے جواں سال ہیں اور دونوں پتنگ بازی میں مصروف ہیں۔ حضرت لطیفی نے وہاں موجود ایک شخص سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ بتایا گیا کہ یہ بارگاہ عشق کے منبر ومحراب ہیں اور تاجدار ولایت اور بادشاہ عشق ومحبت حضور سیدنا عشق پاک کے سچے جانشین و پکے وارث اور وفادار ہیں۔ سرکار سیدنا امیر ابوالعلی قدست اسرارہم کی عزت وعظمت کا بھرم ان ہی حضرات سے قائم ہے۔ اتنا سننا تھا کہ آپ پس وپیش میں پڑ گئے اور سوچنے لگے کہ یا اللہ یہ کیا ماجرا ہے کہ مراقبہ اور اشارۂ غیبی سے یہیں کے لئے ہدایت نصیب ہوئی ہے اور یہیں کے مردان خدا کی غلامی لوح قسمت پر لکھی گئی ہے لیکن یہاں حال یہ ہے کہ پتنگ بازی کی صورت میں شریعت وتقویٰ کے بالکل خلاف کام ہورہا ہے۔ آخر جائیں تو کہاں جائیں؟ کریں بھی تو کیا کریں؟ ابھی آپ اسی الجھن میں گم ہیں کہ اسی دوران ان دونوں بزرگ ہستیوں کا گزر صدر دروازے سے ہوتا ہے۔ آپ ٹکٹکی باندھے ان کا دیدار کر رہے ہوتے ہیں کئی گھڑی انتظار ہی میں کٹ جاتی ہے۔ آپ اپنا قدم نہ آگے بڑھاتے ہیں اور نہ پیچھے ہٹاتے ہیں بلکہ ایک ستون کی طرح وہیں کھڑے رہ جاتے ہیں۔ پھر منظر بدلتا ہے اب آپ کی آنکھیں یہ دیکھ رہی ہیں کہ وہ دونوں واپس آرہے ہیں اور قریب ہورہے ہیں۔ مگر اس شان کے ساتھ کہ ان دونوں نورانی بندوں کی مبارک گردنوں سے جو پٹے لپٹے ہوئے تھے وہ ہوا کی دوش پر اس طرح اڑتے نظر آرہے تھے کہ قرآن مقدس کے تیسوں پارے ان میں خوبصورتی کے ساتھ منقش تھے۔ فوراً ہی آپ کے دل کی آنکھوں سے پردہ ہٹ جاتا ہے اور پورا وجود ہیبت وجلال کے مارے کپکپا اٹھتا ہے۔ آپ بے اختیار سن رسیدہ بزرگ کے قدموں کو بوسہ دیتے ہیں اور گریہ ونالہ کے ساتھ ان سے اپنی غلامی کی بھیک مانگتے ہیں۔ سن رسیدہ شخص بول اٹھتا ہے یاحفیظ علمک حجاب الاکبر یعنی اے حفیظ الدین تم علم کے جس ظاہری عینک سے ہمیں دیکھ رہے تھے اور فکر وتردد میں مبتلا تھے وہ تو تم جیسے طالب صادق کے لئے آزمائش کے طور پر تھا، یہاں ظاہر کچھ اور ہے اور باطن کچھ اور ہے۔ سن

رسیدہ شخص مخدوم الاصفیاء سند العارفین حضرت شاہ خواجہ لطیف علی تھے اور جواں سال آپ کے ہی صاحبزادہ والاتبار حضرت سیدنا مولانا شاہ خواجہ امجد حسین عرف شاہ امیر صاحب تھے۔اس واقعہ کے بعد آپ بارگاہ عشق کے جاروب کشوں اور بے دام غلاموں میں شامل ہو گئے۔خواجہ زماں حضرت سیدنا شاہ خواجہ لطیف علی نے سب سے پہلے آپ کی بیعت لی اور پھر ذکر واشغال اور ریاضت ومجاہدہ کے اصول وضوابط بتا کر منازل سلوک وطریقت کی سنگلاخ وادی میں اتارا۔ایک زمانہ تک آپ اس راہ کے مسافر رہے جب قلب صیقل،روح روشن اور باطن صاف وشفاف ہو گیا۔یعنی آپ کے اندر اہلیت واستعداد کا مادہ پیدا ہو گیا تو اجازت وخلافت کی نعمت جلیلہ سے نوازے گئے۔مسلسل بارہ سال تک آپ مرشد کامل کی صحبت بابرکت میں رہے۔اس دوران آپ نے مرشد کامل کی خدمت وچاکری کا کوئی موقع بھی ہاتھ سے جانے نہ دیا۔چونکہ آپ نے پہلی ہی ملاقات کے وقت دنیا ودنیاوی علائق کو آفتہائے روح ونفس سمجھ کر بارگاہ کے صدر دروازے میں دفن کر دیا تھا۔اب آپ کی فکر وعمل کی چہار دیواری کے اندر صرف مرشد کامل اور ان سے وابستہ ہر چھوٹی وبڑی چیز کی قدردانی ونگہداشت اور خدمت گزاری ہی رہ گئی تھی اس لئے آپ یہاں صبح وشام جہاں جھاڑو دیتے موم بتی وشمع روشن کرتے اور برتن وسامان خوردونوش کی صفائی کیا کرتے تھے وہیں بصد شوق وتمنا مربی وشیخ کے ہاتھ پاؤں دباتے اور ان کے لباس وپوشاک کو دھوتے اور ان کے اوگالدان وسلپچی کو مانجھا بھی کرتے تھے۔بارگاہ میں اگر کوئی مہمان آجاتا تو ان کی خاطر وتواضع اور ناز برداری میں آپ کی رغبت وامنگ دیدنی ہوتی۔یہاں ایک واقعہ کا ذکر شاید معلومات افروز ہو کہ آپ جب کبھی شیخ کے موزوں کو دھونے جاتے تھے تو ان کے دھون کو تبرک سمجھ کر پی جاتے تھے اور یہ آپ کا معمول بن گیا تھا۔کسی ذریعے سے شیخ کو یہ بات معلوم ہو گئی ایک دن انہوں نے آپ سے فرمایا ''کیوں مولانا آپ کی یہ حرکت نظافت ونفاست کے خلاف نہیں ہوتی ؟ آپ کو علم نہیں کہ نظافت کو نصف ایمان کہا گیا ہے؟ آپ نے ادب وعقیدت میں ڈوب کر کیا ہی پیارا جواب دیا حضور! ارشاد مبارک کا ایک ایک لفظ سرآنکھوں پر لیکن یہاں معاملہ یہ ہے کہ غلام کو اسی کثافت میں نظافت کا ایک جہاں اور دوا

وشفاء کا ایک درنہاں نظر آرہا ہے'' بارگاہ مرشد میں حضرت لطیفی کی یہی وہ غلامانہ ادائیں اور نیازمندی واطاعت پسندی کی مثالیں تھیں کہ جن کے طفیل آپ ذرۂ ناچیز سے آفتاب جہاں تاب بن گئے۔ بارگاہ مرشد میں جب بارہ برس بیت گئے تو مرشد کا حکم ہوا کہ اب مخلوق خداوندی میں تبلیغ وارشاد اور دعوت واصلاح کے فرائض انجام دیں۔ چنانچہ آپ تعمیل ارشاد میں اس سفر پر نکل پڑے او .باقی ماندہ زندگی اسی راہ میں گزار دی۔

کچھ پیرومرشد کے بارے میں

حضرت لطیفی کے پیرومرشد مخدوم الاصفیاء سند العارفین حضرت سیدنا شاہ خواجہ لطیف علی عرف شاہ میاں جان صاحب قدس سرہ بانی بارگاہ عشق حضرت مولانا شاہ رکن الدین عشق کے پرناتی اور حضرت سیدنا شاہ خواجہ لطف علی کے صاحبزادہ تھے۔ آپ ایک بڑے خدارسیدہ بزرگ ہونے کے ساتھ ساتھ زبردست عالم دین بھی تھے۔ علمی استحضار اور حافظہ اس قدر قوی تھا کہ کسی کتاب ورسالہ کو دیکھے بغیر بڑی جلالت کے ساتھ فقہ تصوف اور علم کلام کے مشکل مسائل ومباحث پر اس طرح لاجواب گفتگو کرتے تھے کہ علماء وفضلاء زمانہ حیران وششدر رہ جاتے تھے۔ حضرت خواجہ صاحب بڑے صاحب تصرفات وکمالات بھی تھے زبان حق سے جو فرمادیتے وہ ہوجاتا۔ ایک شخص کو چہرے پر داڑھی نہ تھی اور وہ اس بات کا طالب تھا۔ آپ نے اس سے فرمایا ''میاں تمہارے چہرے پر تو داڑھی ہے'' فوراً اس کے چہرے پر داڑھی پیدا ہوگئی۔ (مشائخ نقشبندیہ ابوالعلائی صفحہ ۱۶۱)

انوار ولایت کے مصنف کے بقول آپ کے خلفاء یہ ہیں:

(الف) امیر العارفین حضرت شاہ امجد حسین عرف شاہ امیر (صاحبزادہ وجانشین)

(ب) حضرت مولانا شاہ الطاف علی المتخلص بہ فقیر برادر خورد

(ج) حضرت مولانا شاہ عبدالقادر

(د) حضرت مولانا شاہ حسن جان خان حسن سہسرامی

(ہ) حضرت مولانا حفیظ الدین لطیفی علیہم الرحمہ والرضوان

۲۷ر ذی الحجہ ۱۲۹۹ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ تاریخ وصال کا قطعہ یہ ہے:

خواجۂ نامور لطیف علی　　رونق گلستاں وجہ اللہ
جمعہ و بست و ہفت ذی الحجہ　　رفت در کارواں وجہ اللہ
گفت یحییٰ خستہ جاں تاریخ　　گشتہ فانی بشان وجہ اللہ ۱۲۹۹ھ

سہسرام سے کنہریا واپسی

۱۸۹۲ء میں آپ سہسرام سے وطن مالوف چشتی نگر کنہریا تشریف لائے۔ اس وقت آپ کے ساتھ بڑے لڑکے امام مظفر صاحب قیصرؔ منجھلے لڑکے مخدوم شرف الہدیٰ اور بڑی لڑکی خدیجہ ساتھ تھیں۔ حضرت مولانا مخدوم صاحب اس وقت ۳ سال کے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ساتھ آپ کے سالے میر صاحب اور ساس بھی آئی تھیں۔ یہ حضرات آخر عمر تک آپ کے ہمراہ رہے اور پھر دنیا سے کوچ کر گئے۔ ان لوگوں کی قبریں کنہریا اور رحمٰن پور میں ہیں لیکن امتداد زمانہ اور بے توجہی کے سبب اب ان کے نشانات باقی نہ رہے۔ آپ کے کنہریا آنے کے بعد ایک لڑکی صغریٰ اور ایک لڑکا خواجہ وحید اصغر اور ایک لڑکی عمدۃ النساء پیدا ہوئی۔ کنہریا آنے کے بعد آپ نے یہاں ایک مدرسہ قائم کیا جس میں علاقائی بچے تعلیم پاتے تھے۔ آپ مدرسہ میں تعلیم دیتے اور فرصت کے اوقات خانگی ضرورتوں اور کبھی اوراد و وظائف میں مشغول رہتے تھے۔ اسی درمیان آپ نے اپنی بڑی صاحبزادی محترمہ خدیجہ کی شادی اپنے بھتیجے (چچازاد بھائی کے لڑکے) مولانا عبدالمولیٰ سے کردی اور اپنے بڑے لڑکے حضرت مولانا امام مظفر کی شادی اپنی کسی بھتیجی سے کردی۔ جیسا کہ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ جہالت کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے کہ جب شادیاں گھر میں ہی ہوں تو اختلافات سے جھگڑے پیدا ہوتے ہیں اور پھر رفتہ رفتہ تعلقاتی ماحول میں سخت تناؤ جنم لے لیتا ہے۔ یہی سب کچھ یہاں بھی ہوتا رہا اور آپ اپنے خاندان و پڑوس اور گاؤں سے دلبرداشتہ ہوتے گئے یہاں تک کہ کنہریا کو خیرباد کہنا پڑا۔

کنہریا چھوڑنے کی وجہ

منشی بدرالدین آپ کے بھتیجے اور عمر میں آپ سے زیادہ چھوٹے نہیں تھے۔ ان کے لڑکے سے آپ نے اپنی منجھلی لڑکی محترمہ صغریٰ خاتون کی شادی کی نسبت طے کی۔ رسم ورواج کے طور پر پہلے منگنی ہوئی۔ اس موقع پر لڑکے والوں نے اشرفی کا ایک ہار لڑکی کے ہاتھوں میں دیا۔ اس بیچ یہ واقعہ ہوا کہ منشی بدرالدین ایک روز کہیں سے کسی رعیت کو پکڑ کر لائے۔ اس کے ذمے زمین کا خزانہ باقی تھا جسے وہ کافی دنوں سے ٹال رہا تھا۔ منشی جی نے اسے مارنا پیٹنا شروع کر دیا۔ آپ نے جب اس کا رونا دھونا سنا تو باہر آئے۔ اس کو چھڑا کر اپنی پناہ میں لے لیا اور اس کو اپنی بیٹھک میں بٹھا کر نہانے چلے گئے اور یہ کہا کہ میں آؤں تب اس کا معاملہ حل کیا جائے گا۔ حضرت لطیفی نہانے سے پہلے اپنی زلفوں میں صابن لگا رہے تھے کہ پھر اسی شخص کے رونے کی آواز سنی۔ آپ سخت غیض وغضب میں آئے اور کہا کہ اِن کم بختوں نے میری پناہ کا خیال نہیں رکھا اور میری بیٹھک سے اس کو پکڑ کر لے گئے اور مار رہے ہیں۔ اب ہم ان ظالموں سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتے۔ آپ کی منجھلی صاحبزادی صغریٰ خاتون آپ کو کواں سے پانی بھر کر دے رہی تھیں۔ ان سے فرمایا "بیٹی تم منگنی والا اشرفی ہار لا کر دو" آپ اسی غصہ کی حالت میں منشی جی کے پاس گئے اور ہار ان کی گود میں پھینک دیا اور منشی جی سے کہا کہ میں نے اس منسوب کو رد کر دیا۔ اب یہ شادی نہیں ہوگی۔ پھر کھانا کھا کر بیل گاڑی پر روانہ ہوئے اور کنہریا سے منتقلی اور کسی دوسری جگہ مستقل بودوباش کے لئے زمین تلاش کرنے لگے۔ (نوٹ) یہ جو سنا جاتا ہے کہ حضرت لطیفی کو ان ہی کے اہل خاندان وہمسائے اور بستی کے لوگ ایک سازش کے تحت سبھی مل جل کر تنگ کرتے تھے۔ تکالیف اور ایذائیں پہنچاتے تھے بلکہ جینا دوبھر کئے ہوئے تھے۔ اس سلسلے میں میرا اپنا خیال ہے کہ ان باتوں میں حقیقت کے ساتھ کچھ حد تک افسانے کا بھی عمل دخل ہے۔ الزام لگانا تو بہت آسان ہے پر ٹھوس ثبوت ودلیل کے ساتھ کسی بات کا کہنا دشوار امر ہے۔"

رحمٰن پور آمد سے قبل ایک عجیب واقعہ

حضرت لطیفی کے رحمٰن پور آنے سے قبل ایک عجیب واقعہ ہوا۔ وہ یہ کہ جہاں ابھی حضرت لطیفی کا مزار پر انوار ہے وہ جگہ اس وقت ایک چراگاہ کے طور پر تھی۔ عین مزار شریف کے پاس ہی دیمک کی ایک بامی تھی۔ ایک روز اس جگہ ایک فقیر آیا۔ اور بامی کے قریب بیٹھ گیا۔ اس کے بعد بامی کے اندر سے ایک بڑا سانپ نکلا اور کنڈلی مار کر پھن نکالے کھڑا سا ہو گیا اور وہ فقیر اس سے بات کرنے لگا۔ ایک چرواہا جو نوجوان تھا اس نے دور سے یہ دیکھا تو دھیرے دھیرے قریب چلا گیا اور جب زیادہ قریب آیا تو سانپ بامی میں روپوش ہو گیا۔ فقیر نے اس نوجوان سے کہا بچہ کیا دیکھتا ہے؟ جا یہاں سے! یہاں ایک میلہ لگے گا۔ یہ نوجوان کوئی اور نہیں بلکہ مقدر خان تھے۔ جناب نسیم علی خان و جناب یعقوب خان صاحبان جن کی اولادیں ہیں اور فی الحال رحمٰن پور کے باشندے ہیں۔

روان پور سے برہان پور اور رحمٰن پور تکیہ شریف

حضرت لطیفی کی آمد سے پیشتر رحمٰن پور گاؤں کا نام روان پور تھا۔ جب آپ یہاں وارد ہوئے تو نام برہان پور رکھا اور عرف میں روان پور بھی لکھا اور بولا جاتا رہا۔ برہان پور نام رکھنے کی وجہ غالباً یہ ہے کہ آپ کے قریبی اجداد طریقت میں حضرت مولانا برہان الدین خدانما ایک عظیم شیخ طریقت گزرے ہیں۔ (حضرت خدانما مشہور ابوالعلائی بزرگ حضرت سیدنا مولانا شاہ فرہاد دہلوی ابوالعلائی کے مرید و ممتاز خلیفہ تھے۔ آپ کی خانقاہ و مزار شریف لکھنؤ سے متصل قریہ خالص پور میں ہے) ان ہی کے اسم مبارک 'برہان الدین' سے تبرکاً برہان پور مستعار لیا ہو۔ یہ قرین قیاس بھی ہے چونکہ لفظ برہانی بھی کبھی کبھی آپ کے نام مبارک کا لاحقہ بھی بنتا ہے۔ برہان پور نام آپ اور آپ کے شاگرد و مرید اور خلفاء و متعلقین کی کوششوں سے زبانی و تحریری طور پر کافی دنوں تک رائج بھی رہا۔ مگر چونکہ عام لوگوں کی توجہ و اصرار اور معمول اس نام کے ساتھ نہیں رہا۔ اس لئے یہ مشہور و مروج نہیں

ہوسکا۔ رحمٰن پور نام کس نے رکھا؟ یا برہان پور سے رحمٰن پور کیسے ہوا۔ اس نام کو کس نے رواج دیا وغیرہ وغیرہ۔ یہ ساری باتیں تحقیق طلب ہیں۔ ہاں رحمٰن پور کے ساتھ تکیہ شریف کے جوڑ کی وجہ یہ ہے کہ حضرت لطیفی کے پیر خانہ بارگاہ عشق کا اصل نام تکیہ عشق ہے۔ اس لئے بطور عقیدت آپ نے تکیہ شریف کو رحمٰن پور یا روانپور کے ساتھ جوڑا تا نکہ آستانہ مرشد میں خراج عقیدت پیش ہو سکے۔

رحمٰن پور آمد اور مدرسہ و مسجد کا قیام و تعمیر

حضرت لطیفی کے جب ترک سکونت کے عزم و ارادہ کی خبر عقیدت مندوں و مخلصوں کو ہوئی تو ان میں جناب شمس الدین سرکار متولی مالور اسٹیٹ اور جناب دھیر علی خان رئیس اعظم رحمٰن پور دونوں آگے آئے اور اس تعلق سے گفتگو کے لئے کنہر یا پہنچے۔ وہاں حاضر خدمت ہو کر کہنے لگے کہ ہم لوگوں کی خواہش و تمنا ہے کہ آپ رحمٰن پور میں سکونت اختیار کریں اور اس دھرتی کو اپنے قدوم میمنت لزوم کی سعادت بخشیں۔ حضرت لطیفی نے اپنے ان چہیتے مخلصوں و نیاز مندوں کی خواہش کا احترام و قدر کرتے ہوئے مستقل سکونت کے لئے رحمٰن پور کا انتخاب فرمایا اور یہاں تشریف ارزانی فرمائی۔ فی الحال جس جگہ مدرسہ وخانقاہ اور مسجد و مزار کی عمارتیں نیز خانوادہ کے رہائشی مکانات و حویلیاں وغیرہ ہیں۔ یہ پوری قطعہ اراضی ان ہی مذکورہ بالا حضرات کی نذر کردہ ہے۔ اول الذکر کے خاندان واسٹیٹ کے متعلق معلومات فراہم نہیں ہوسکیں البتہ مؤخر الذکر کی اولاد در اولاد میں جناب منشی مقبول احمد خان وحیدی، جناب مولانا عبدالرشید خان رضوی، جناب ماسٹر برکت خان شاہدی، جناب ماسٹر شوکت حسین خان شاہدی وغیرہ صاحبان ہیں جو بقید حیات اور تازہ دم و معیاری زندگی بسر کر رہے ہیں۔ حضرت لطیفی جب رحمٰن پور آئے تو یہاں چھپر و پھوس کے مکانات تیار ہوئے۔ آپ اہل خانہ کے ساتھ ان ہی گھروں میں رہنے لگے۔ کچھ دنوں بعد سیندھ لگانے کا حادثہ پیش آیا جس سے آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا امام مظفر صاحب کو خیال آیا کہ پختہ مکانات بنائے جائیں۔ چنانچہ جب حضرت لطیفی کسی طویل سفر

پر روانہ ہوئے تو حضرت امام صاحب جیسے بلند ہمت و عالی دماغ انسان نے بڑی جلدی میں تعمیر کے لئے ساز و سامان کا انتظام کیا اور ایک عالیشان وخوش قطع عمارت کی بنیاد ڈالی۔ تعمیر کا کام تیز رفتار رہا اور کچھ مہینوں میں بلڈنگ سنور نکھر کر سامنے آگئی۔ حضرت لطیفیؒ جب گھر آئے اور یہ کارنامہ دیکھا تو از راہ مسرت وخوش طبعی میں فرمانے لگے "یہ امام مظفر ہم کو چین سے بیٹھنے نہیں دے گا۔"

حضرت لطیفیؒ مسجد و مدرسہ کی تعمیر کے لئے کافی کوشاں اور فکر مند تھے۔ اس لئے یہاں کی سکونت اختیار کرنے کے کچھ عرصہ بعد ہی یہ کام شروع ہوا۔ پہلے مسجد کی داغ بیل ڈالی گئی جو کچھ ہی مدت میں بن کر تیار ہوگئی لیکن سخت بارش اور طوفان کی وجہ سے یہ ڈھہ بھی گئی۔ پھر دوبارہ تعمیر کا آغاز ہوا اور ۱۳۲۴ھ میں از سر نو مکمل ہوئی۔ مسجد کی تعمیر دوم پر تاریخی قطعہ اس طرح ہے:

ز لطف لطیفیؒ برہان پور — بنا گشت مسجد بفیضان عشق
زوجہ الہٖ و طفیل حبیب — بپاشد ز برکات و احسان عشق
چوں تاریخ تعمیر جستم ز دل — رسید از سر حق فرمان عشق
کہ رہرو عشق جوید ہمیں — رہ مسجد رکن و برہان عشق

ان اشعار کو ایک سنگی تختی پر کندہ کیا گیا ہے جو اندرون مسجد دیوار کے بیچوں بیچ پیشانی پر آویزاں ہے۔

مسجد کی تعمیر کے بعد مدرسہ کی تعمیر کا کام شروع ہوا۔ جو مخیّر و دیندار حضرات کی مدد و تعاون سے حسن و خوبی کے ساتھ چلتا رہا۔ اسی دوران آپ محمد یہ اسٹیٹ ضلع پورنیہ پہنچے اور اسٹیٹ کے متولی سے خاصی زمینیں وقف کرا کے وہاں بھی ایک مدرسہ قائم فرمایا۔ مدرسہ کا نام 'اسافت رحمت' رکھا۔ یہ ادارہ اب بھی اسی نام سے موجود ہے۔ آپ یہاں کم وبیش بحیثیت صدر مدرس چھ ماہ رہے۔ پھر وہاں کے ذمہ داروں سے اجازت لے کر جب رخصت ہونے لگے تو ان لوگوں نے آپ کو روکا۔ آپ نے فرمایا: "مجھے اپنا گھر دیکھنا ہے اور وہاں مدرسہ کے قیام وتشکیل کو آخری رخ دینا ہے۔ میں نے یہاں تو مدرسہ قائم کر دیا

اور چلا کر دکھا بھی دیا۔" مدرسہ اساقت رحمت کے مدرسی عہدہ کو چھوڑنے سے پہلے آپ نے اس جگہ کے لئے ایک پنجابی عالم فاضل مولانا علاؤ الدین پنجابی کو چنا اور تدریس و دیگر متعلقہ امور کا ڈور ان کے ہاتھوں میں ڈال دیا۔ (تاریخ پورنیہ صفحہ ۱۵۴، از قمر شاداں)

اس کے بعد آپ رحمٰن پور واپس آئے اور مدرسے کا نام مدرسہ خانقاہ لطیفیہ رکھ کر اسے آخری شکل دیتے ہوئے مولانا عابد حسین حضرت مولانا مخدوم شرف الہدیٰ کو درس وتدریس اور اہتمام کی ذمہ داری سونپی۔ جب مدرسہ وخانقاہ اور مسجد کا قیام وتعمیر پایہ تکمیل کو پہنچی تو آپ تبلیغ دین اور اشاعت علوم دینیہ کا قافلہ لئے پوری سرگرمی وخلوص کے ساتھ میدان عمل میں اترے اور مشرقی بہار وبنگال کے ہر گاؤں اور شہر تک اسلام وسنت کا پیغام پہنچانے لگے اور اپنی تقریر و میٹھی و پیاری گفتگو ونصیحت وہدایت بھرے کلمات سے لوگوں کو راہ راست پر لانے کا تاریخی کارنامہ انجام دیا۔ علاقے میں بڑی جہالت تھی۔ گمراہی وضلالت نے پوری آبادی کو اپنے خونی پنجوں میں لے لیا تھا، لوگ میتوں کو بغیر نماز جنازہ پڑھائے اور مسنون طریقہ پر کفن پہنانے ودفن کرنے کی بجائے یونہی قبروں میں ڈال دیتے تھے۔ کلمہ توحید وتشہد وتمجید وغیرہ سے ناواقف تھے۔ وضو بنانے اور نماز کے بنیادی وِضروری مسائل سے لاعلم تھے۔ بعض نادان وان پڑھ افراد اپنے گھروں میں مورتی تک رکھ چھوڑتے تھے اور اس کی پوجا کرتے تھے۔ اس سے مرادیں مانگتے تھے اور ان کفریہ حرکتوں کو اسلام سمجھتے تھے۔ ایسا افسوسناک ماحول وحالات تھے کہ رونا آتا تھا اور کلیجہ منہ کو آجاتا تھا۔ حضرت لطیفی نے سماج وماحول کی ان ہی بیماریوں کا علاج کرنا شروع کیا اور انتھک محنت وسعی سے ان ناگفتہ بہ حالات وواقعات پر قابو پایا۔ علم دین کی ترویج واشاعت کے لئے متعلقین وتلامذہ سے حسب حاجت جہاں تہاں مدرسے ومکاتب کھلوائے۔ نماز ودیگر ذکر وعبادت سے لوگوں کو قریب کرنے کی خاطر مسجدوں وخانقاہوں کی بنیاد ڈالی۔ اس طرح رفتہ رفتہ ماحول وحالات سدھرنے لگے اور ہر چہار جانب اسلام وسنت کا سویرا ہونے لگا۔ حضرت لطیفی رحمٰن پور تشریف لانے کے بعد بمشکل بیس بائیس سال باحیات رہے۔ اسی اثناء میں آپ اور آپ کے رفقاء وشاگرد اور خلفاء ووابستگان نے جو دینی کارہائے نمایاں

انجام دے۔ آج ان باتوں کی قدر و قیمت اور رحمت و برکت کا اندازہ ہو رہا ہے۔ موجودہ وقت میں مشرقی بہار اور مغربی بنگال کے اضلاع مثلاً مالدہ دیناج پور کے اندر جو مذہبی مزاج و رنگ ہے دین پسندی و دینداری کی خوبو ہے علماء و فضلا اور صوفیاء و صالحین کی جو نورانی جماعت ہے، مدرسوں، مسجدوں اور چھوٹی بڑی اسلامی درس گاہوں و مکتبوں کا جو جال سا بچھا ہوا ہے مجھے یہ کہنے کی اجازت دی جائے کہ ان میں سے ہر ایک کا رشتہ کڑی در کڑی کسی نہ کسی طرح سے ضرور حضرت لطیفی کی دینی خدمات اور تبلیغی و دعوتی فتوحات سے جا ملتا ہے۔

ایک حادثہ جو ہوتے ہوتے رہ گیا

رحمٰن پور آمد کے ابھی کچھ ماہ و سال گزرے ہی تھے کہ ایک ناخوشگوار و المناک واقعہ سے متاثر ہو کر حضرت لطیفی نے یہاں سے دائمی رخصتی کا اچانک پروگرام بنا لیا اور اس امر کا اظہار محفل میں موجود مولانا شرف الدین گانگی، مولانا عبد العزیز اور مولانا سخاوت حسین و مولانا عابد حسین کے سامنے کیا۔ یہ سن کر تمام لوگ پریشان و بیقرار ہوئے اور پروگرام کو منسوخ کرانے کے لئے منت سماجت کرنے لگے۔ حضرت لطیفی کسی طرح آمادہ نہیں ہو رہے تھے۔ آخر کار حضرت مولانا شرف الدین جواب تک خاموش بیٹھے تھے آگے بڑھے اور یہ شعر:

اے تماشہ گاہ عالم روئے تو
تو کجا بہر تماشا می روی

آبدیدہ ہو کر گنگنانے لگے اور پھر قدموں سے لپٹ گئے۔ حضرت لطیفی نے فوراً ارادہ منسوخ فرمایا اور سبھوں کو اطمینان و تسلی دلاتے ہوئے دم آخر تک یہاں رہنے کا وعدہ فرمایا (مذکورہ بالا شعر حضرت شیخ شرف الدین سعدی شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے یہ اثر آفرینی و سحر انگیز کشش میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ دہلی کا واقعہ ہے کہ جس وقت حضرت شیخ نظام الدین اولیاء متوفی ۷۲۵ھ کا جنازہ چلا تو قوال حضرت سعدی شیرازی کے اس شعر کی پوری غزل گاتے ہوئے جب اسی شعر:

اے تماشہ گاہ عالم روئے تو
تو کجا بہر تماشا می روی

پر پہنچے تو شوق سماع نے حضرت سلطان المشائخ پر غلبہ کیا۔ ہاتھ جنازے سے اٹھائے اور چاہا کہ حرکت میں آویں۔ حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح نے امتناع سماع فرمایا اور آپ نے ہاتھ نیچے کرلیا۔ بعض کتب میں درج ہے کہ جب آپ نے ہاتھ جنازے سے اٹھایا اور متحرک ہونے لگے تو حضرت شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلوی نے یہ کیفیت دیکھتے ہی فرمایا "شیخا! باش کہ قدم سید درمیان است" پس وہ ہاتھ ٹھہر گیا۔ (ضوفشاں شرح بوستاں صفحہ ۹، از استاذی حضرت علامہ نصر اللہ رضوی مصباحی استاذ مدرسہ عربیہ فیض العلوم محمود آباد مئو یوپی)

رحمٰن پور آنے کے بعد حضرت لطفی نے تصنیف و تالیف کا کام بھی اچھا کیا۔ لطائف حفظ السالکین، مکتوبات لطفی (باقی حصہ) عجالۂ نافعہ، تلک عشرۃ کاملہ اور ان کے علاوہ مزید تصنیفات و تالیفات یہیں زیور تحریر سے آراستہ ہوئیں۔ مقام افسوس ہے کہ حضرت لطفی کی تحریر کردہ کتابوں اور رسالوں کو پھر دوبارہ کبھی چھاپا نہ جاسکا اور نہ ہی انہیں موجودہ زمانہ کے تقاضوں کے لحاظ سے بہترین تہذیب و ترتیب سے گزار کر اور سہل و قابل فہم بنا کر اہل جہاں کو کچھ سیکھنے اور پڑھنے کا موقع ہی دیا گیا جبکہ حضرت لطفی ہی کی ہم زمانہ بہت سی علمی و فکری اور تبلیغی و روحانی ہستیاں ایسی ہیں کہ جن کی حیات و خدمات اور تصنیفات و تالیفات پر اب تک خاصا کام ہوا ہے اور ہو رہا ہے۔ نتیجتاً خواص و عام آج انہیں جان رہے ہیں اور مان رہے ہیں۔ ان کے علمی و قلمی فیوض و برکات سے خود مستفید ہوتے ہیں اور ایک دنیا کو بھی اسی کا موقع دیتے ہیں۔

وفات حسرت آیات

مشیت خداوندی کو آپ سے جتنا کام لینا منظور تھا اب وہ پورا ہو چکا تھا۔ آپ نے جہاں گراں قدر اور معرکۃ الآرا علمی و قلمی شہ پاروں کو چھوڑا تھا وہیں حضرت مولانا امام مظفر، حضرت مولانا شرف الدین، حضرت مولانا کرامت حسین تمنا اور حضرت مولانا منشی

تصدق حسین مشتاق و مولانا عبدالعزیز جیسے صاحبان فضل و کمال اور بحر شریعت و طریقت کے شناوروں کو بھی قوم کی امانت میں دیا تھا دینی تعلیمات و اسلامی پیغامات ہر گھر آنگن تک پہنچانے اور پوری آبادی کو راہ راست پر گامزن کرنے کے لئے مدارس و مساجد اور دینی مراکز و مذہبی انجمنوں کی بنیاد ڈالی تھی یعنی مختصر یہ ہے کہ اس تبلیغی و دعوتی فریضہ کو ایسا عملی جامہ پہنا دیا تھا کہ جو اس خطہ کی تقدیر بدل سکے اور یہاں صالح و پاکیزہ انقلاب بپا ہو سکے لہٰذا اب صرف سفر آخرت کی فکر کی تھی اور خویش و اقارب نیز احباب و رفقاء اور مخلصین و متعلقین کو الوداع کہنا تھا ۳۰/ رجمادی الاول ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۵ء کی شام بعد صلوٰۃ عصر پیام اجل آیا اور آپ دار فنا سے دار بقا کی طرف کوچ کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت لطیفی کی تصنیفات و تالیفات

حضرت لطیفی کی تصنیفات و تالیفات میں سب سے مشہور و مقبول (۱) ''دیوان لطیفی'' ہے جو مدرسہ خانقاہ کبیریہ کے دوران قیام سے لے کر رحمٰن پور تکیہ شریف کے ورود تک زیر تصنیف رہی۔ اس میں حمد و مناجات بارگاہ خداوندیا ورنعت و مدح رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اولیاء کرام و بزرگان دین کی شان میں بھی منقبت و قصیدوں کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ زیادہ تر کلام فارسی زبان میں ہیں۔ فصیح و بلیغ عربی میں بھی بعض کلام ملتے ہیں۔ اردو میں چند ہی کلام ہیں۔ کتاب کے آخر میں دو صفحے پر حالات مصنف درج ہیں۔ جن میں مصنف کی پوری پھیلی ہوئی ستاسی سالہ زندگی کے متعلق فقط دو تین باتیں ہی اشارہ و کنایہ میں لکھی گئی ہیں۔ یہ تصنیف لطیف حجم و سائز کے لحاظ سے بوستاں جیسی ہے۔ کل ۱۶۵ صفحات ہیں۔ ماہ صفر المظفر ۱۳۳۸ھ میں مطبع رحمانیہ مخصوص پور مونگیر بہار میں طبع ہوئی ہے۔

(۲) ''لطائف حفظ السالکین'' اس کی زبان فارسی ہے لیکن اردو میں ترجمہ بھی ہے۔ یہ آپ کی دوسری مشہور و زبردست تصنیف ہے۔ نام تاریخی ہے اس لئے کہ سنہ تصنیف ۱۳۱۱ھ نکلتا ہے۔ اس میں لطیفہ عنوان کے تحت تصوف و سلوک کے اسرار و نکات سے متعلق

بڑی شاندار و معلوماتی گفتگو کی گئی ہے۔ یہ بھی ضخامت و سائز میں بوستاں جیسی ہے۔ کل ۱۹۲ صفحات ہیں اور ۱۳۴۷ھ کو مطبع رحمانی مہندرو پٹنہ میں چھپی ہے۔

(۳) ''مکتوب لطیفی'' یہ آپ کی تیسری معروف و عظیم تصنیف ہے۔ اس کی زبان فارسی ہے لیکن کسی زبان میں مترجم نہیں۔ اس میں چوالیس مکتوبات ہیں جنہیں آپ نے اپنے شاگردو خلفاء اور مریدین و وابستگان کو لکھا ہے اس میں بھی تصوف و سلوک کے حقائق و معارف کو اجاگر کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ دیگر علوم و فنون کے مباحث و مسائل بھی ہیں۔ یہ بھی حجم و سائز میں مندرجہ بالا کتابوں کی طرح ہے۔ کل ۸۰ صفحات ہیں ۱۹۲۸ء میں مطبوعہ سلیمانی پریس واقع محلہ گائے گھاٹ شہر بنارس یوپی میں طبع ہوئی ہے۔

(۴) ''تسہیل التصریف'' ۱۳۱۷ھ (۵) ''جریس الغیب'' ۱۳۱۷ھ (۶) جسیر الغیب'' ۱۳۱۷ھ (۷) ''وسیلۃ التصریف'' ۱۳۱۷ھ یہ تمام رسالے ہیں جو تاریخی ناموں پر مبنی ہیں اور الگ الگ موضوعات و امور پر مشتمل ہیں۔ ۱۳۱۸ھ میں مطبع لامع النور آگرہ یوپی میں چھپائے گئے ہیں۔ (۸) ''نخستیں الٰہی نامہ'' ۱۳۱۳ھ (۹) ''خذہ بجد'' (۱۰) ''بما اغنی من الکلام'' ۱۳۱۶ھ (۱۱) ''رقعات لطیفہ'' یہ تمام بھی رسائل ہی ہیں۔ ایک کے علاوہ باقی جملہ تاریخی نام رکھتے ہیں۔ سب فارسی زبان میں ہیں اور مختلف حقائق و امور پر تحریر کئے گئے ہیں۔ سابق مطبع میں طبع ہوئے ہیں (۱۲) ''فوائد نوریہ'' یہ آپ کی وہ گمنام اور نایاب تصنیف ہے کہ جس کا پتہ مجھے پروفیسر اظہر حسین سہسرامی محلہ منڈی کشور خان سہسرام کے خط موصولہ ۱۹ر فروری ۱۹۹۹ء بروز جمعہ سے ملا۔ برسوں پہلے درس نظامیہ میں ابتدائی طلبا کے لئے فن منطق میں ایک چھوٹی سی کتاب ''میزان منطق'' داخل ہوا کرتی تھی۔ فوائد نوریہ اس کی ایک مبسوط و جامع اور معرکۃ الآرا شرح ہے۔ یہ فارسی زبان میں قلم بند کی گئی ہے اور ۱۳۰۵ھ کے بعد یہ بھی آپ کی دوسری تصانیف کی طرح دوبارہ پھر کبھی طبع نہیں ہو سکی۔ اس کے سرورق پر پوری عبارت اس طرح ہے ''فوائد نوریہ'' مصنف مولوی سید محمد حفیظ الدین مدرس اول مدرسہ خانقاہ سہسرام ناصر الحکام ضلع شاہ آباد بحسن انصرام جناب منشی عابد حسین عابد منیجر صاحب مطبع و ایڈیٹر اخبار انیس پٹنہ مطبع احسن المطابع مولوی عبدالقادر

واقع عظیم آباد پٹنہ ۱۸۸۷ء فوائد نوریہ میں قطعۂ تاریخ تصنیف وطبع بھی رقم ہوا ہے۔ تاریخ تصنیف کا قطعہ اس طرح ہے:

حفیظ دین احمد اوستادم ۔۔۔ ز موج جوش بحر طبع والا
نوشتہ شرح بر میزان منطق ۔۔۔ خدایا فیض اوتا حشر بادا
ہمیں مصرعہ سن تصنیف گشتم ۔۔۔ بمنطق ایں رسالہ گشتہ زیبا

۱۳۰۳ھ

تاریخ طبع کا قطعہ اس طرح ہے:

ز فضل یزداں ذوالہدیٰ ۔۔۔ دریں ایام نیکو......
زہے شرح متیں مطبوع گردیدہ ۔۔۔ کہ شد مقبول پیش طبع انساں
بشارت باد ہر سو طالباں را ۔۔۔ نقد جاں، پر کردہ دادہ
سواد...... کحل الجواہر ۔۔۔ شد سرمۂ نکتۂ بنیاں
بگفت .... سال ۔۔۔ شدہ مطبوع نادر شرح میزان

۱۳۰۵ھ

فوائد نوریہ کے تعلق سے مندرجہ بالا چیزیں پروفیسر موصوف کے دستیاب شدہ خط سے نقل کی گئی ہیں جتنا جو کچھ کہا گیا میں نے ہو بہو نقل کرنے کی مخلصانہ سعی کی ان تمام کے علاوہ عجالۂ نافعہ اور تلک عشرۃ کاملہ بھی آپ کی تصانیف میں ہیں۔ تلک عشرہ کاملہ قلمی صورت میں میں نے دیکھا ہے اور کچھ حد تک مطالعہ بھی کیا ہے۔ البتہ عجالہ نافعہ کے حوالے سے سنا ہے کہ یہ مطبوعہ ہے اور کسی نفیس موضوع پر مشتمل 'دیوان لطیفی' میں آپ کی تالیف کے تعلق سے خطبۂ دوازدہی کا بھی دعویٰ کیا گیا ہے۔ مقام افسوس ہے کہ تلاش بسیار کے باوجود اب بھی زیارت سے شادکام نہیں ہوسکا ہوں۔

حضرت لطیفی کی بعض کرامات

جیسا کہ منقول ومسموع ہے کہ حضرت لطیفی کی بہت سی کرامتیں ہیں لیکن چونکہ فی

زمانہ ڈیڑھ دوصدی کے درمیان گزرنے والی علمی وفنی باکمال شخصیتوں کے کماحقہ تعارف کے پیمانے یا پھران کی عبقریت اور مقام ومرتبت کا اندازہ لگانے کے ذرائع شخصیتوں کی علمی وقلمی خدمات اور تبلیغی ودعوتی اقدامات نیز ملی واصلاحی کارنامے ہوکر رہ گئے ہیں اس لئے کرامات و خرق عادات کی گفتگو کو زیادہ طول نہ دے کر اس حوالے سے صرف تین واقعات تحریر کرتا ہوں۔

(۱) رنگ پور بنگلہ دیش کے علاقے میں موتی مہات نام کا ایک ماہر جادوگر رہتا تھا جو اپنے جادوٹونا سے اپنے علاقے کے لوگوں کو بہت پریشان کرتا تھا اور طرح طرح کی مصیبت کے جال میں پھانس لیتا تھا لوگ اس کی حرکت ودفاع سے عاجز تھے۔ ایک دفعہ حضرت لطیفی کا گزر اس علاقے سے ہوا پریشان حال ومصیبت زدہ لوگوں نے اس جادوگر کے تعلق سے ساری باتیں آپ کو بتائیں اور اس کے ظلم وایذا رسانی پر قدغن لگانے کے لئے آپ سے درخواستیں کیں۔ چنانچہ ایک دن آپ نے جادوگر کے گھر کا رخ کیا۔ مونی مہات نے جونہی آپ کو اپنی جانب آتے دیکھا آگ کا بان آپ کی جانب پھینکا آپ نے اپنی پگڑی میں اسے لپیٹ لیا اور پھر آپ نے اپنی پگڑی اس کے گھر کی سمت اچھالی جو شعلہ جوالہ بن کر گھر کی چھت کا طواف کرنے لگی۔ مونی مہات اب تک اتنا دیکھ ہی سکا تھا کہ گھبرا کر بے تابانہ دوڑ پڑا اور آپ کے قدموں سے لپٹ گیا۔ حضرت لطیفی نے پہلے اسے توبہ کرائی اور جادوئی عمل سے باز رہنے کی ہدایت کی پھر اپنے حلقہ ارادت میں لے کر صالح مسلمان بن جانے کا راستہ دکھلایا۔

(۲) حضرت لطیفی ایک مرتبہ گلاب باغ سے بذریعہ بیل گاڑی رحمٰن پور کے لئے روانہ ہوئے۔ راہ میں مہانندہ دریا آیا جب آپ کی بیل گاڑی دریا کے کنارے آئی تو دیکھا گیا کہ دریا میں زبردست طغیانی ہے اور بغیر کشتی دریا پار اترنا کسی طرح ممکن نہیں ہے۔ سوئے اتفاق کشتی دوسرے کنارے پر تھی اور کوئی ملاح یا آدمی بھی کہیں موجود نہیں تھا۔ گاڑی بان یہ منظر دیکھ کر بہت رنجیدہ وفکر مند ہوا اور آپ سے عرض کرنے لگا حضور دریا کے پانی وموج کا یہ حال ہے اور ناؤ بھی کنارے پر نہیں ہے اب سوائے واپس لوٹنے کے اور کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ پر بھروسہ کرو اور فکر مند نہ ہو میں جیسے کہوں اسی کے

مطابق عمل کرتے چلو تم پہلے اپنی آنکھیں بند کرلو پھر دونوں بیل کی پونچھ تھام لو اور بسم اللہ پڑھ کر بے دھڑک گاڑی دریا میں اتاردو گاڑی بان نے ویسا ہی کیا اور بہ آسانی دریا پار اتر گیا گاڑی بان کو جب آنکھیں کھولنے کا حکم ہوا تو وہ باسلامت وعافیت دوسرے کنارے پر تھا نہ بیل پر بھیگنے کے نشانات تھے اور نہ گاڑی پر تر ہونے کے آثار۔

(۳) آپ کے زمانے میں ملک پر حکومت انگریزوں کی تھی۔ علاقے میں پورنیہ یا پھر کٹیہار کے پاس کہیں سڑک پر پل کی تعمیر کا کام چل رہا تھا۔ تعمیر کی نگرانی میں انگریز افسران تھے اور تعمیر میں ہاتھ بٹانے والے علاقائی مزدور دن بھر جتنا کام کر کے فارغ ہوتے اور پھر دوسرے روز کا خیال کر کے سبھی اپنے گھروں کو لوٹتے اور دوسرے روز آکر دیکھتے کہ سارا بنا بنایا کام بگڑ چکا ہے۔ اور اجڑ چکا ہے اسی طرح کئی روز تک ہوتا رہا یہاں تک کہ انگریز افسران کا عملہ اور دیگر لوگ تنگ آ گئے اور تھک ہار کر بیٹھ گئے۔ اسی دوران ان لوگوں نے کسی نجومی سے رجوع کیا۔ اس نے بتایا کہ اس مشکل کا حل کوئی درویش و مرد خدا ہی نکال سکتا ہے۔ ہمہ شما کی اس میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ چنانچہ وہ لوگ آپ سے ملاقات کے لئے آئے اور اس مشکل کی گرہ کشائی کے لئے خدمت میں درخواست پیش کی۔ حضرت لطیفی ان لوگوں کی درخواست واصرار پر وہاں تشریف لے گئے اور پل کے پاس بیٹھ کر کشف کیا اس کے بعد بتایا کہ یہاں جنوں کے دفینے ہیں اسی لئے تعمیر میں دقت پیش آرہی ہے۔ آپ لوگ پہلے یہاں سے دفینوں کو دور کریں پھر تعمیر کا کام شروع کریں۔ چنانچہ وہاں سے دفینوں کو دور کیا گیا اور پھر کام شروع ہوا۔ اب یہ بلا دقت و پریشانی کے حسن وخوبی کے ساتھ انجام کو پہنچا۔

حضرت لطیفی کے بعض مشہور اساتذہ

(۱) حضرت علامہ مولانا عظیم صاحب پنجابی
(۲) حضرت علامہ مولانا عبدالحلیم صاحب لکھنوی
(۳) حضرت علامہ مولانا شاہ مخصوص اللہ دہلوی
(۴) حضرت علامہ مولانا شاہ موسیٰ دہلوی علیہم الرحمۃ والرضوان

حضرت لطیفی کے بعض مشہور شاگرد، مرید و خلفا

(۱) حضرت مولانا شاہ خواجہ میر نظام علی ولد میر لیاقت علی (کیفیت) شاگرد و مرید اور خلیفہ...... سال وفات ۱۳۱۰ھ مزار محلہ کبیر گنج سہسرام

(۲) حضرت مولانا سید اوق علی غازی پوری ولد جناب یاد علی (کیفیت) شاگرد و مرید اور خلیفہ..... سال وفات ۳ر صفر المظفر ۱۳۵۳ھ بروز بدھ مزار...... محی الدین پور برسر اتا غازی پور

(۳) حضرت مولانا شاہ عبدالحئی ثمر (کیفیت) شاگرد و مرید اور خلیفہ...... سال وفات ۱۲ر ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ مزار...... محلہ بابو شہید قبرستان سہسرام

(۴) حضرت مولانا شاہ شرف الدین عطیفی ولد جناب علی بخش (کیفیت) شاگرد و مرید و خلیفہ سال وفات ۳۰ر شوال المکرم ۱۳۶۹ھ مزار...... خانقاہ گاگی کشن گنج

(۵) حضرت مولانا تصدق حسین مشتاق ولد جناب بخش علی (کیفیت) شاگرد و مرید سال وفات اگست ۱۹۲۳ء، مزار...... باغ دیولی، دلشاد پور، کٹیہار

(۶) حضرت مولانا کرامت حسین تمنا ولد بخش علی (کیفیت) شاگرد و مرید...... سال وفات معلوم نہیں مزار...... باغ دیولی دلشاد پور کٹیہار

(۷) حضرت مولانا فرخندعلی فرحت سہسرامی (کیفیت) شاگرد سال وفات ۱۳۵۳ھ مزار...... محلہ بارہ دری سہسرام

حضرت لطیفی کے بعض احباب و متعلقین

(۱) حضرت مولانا شاہ خواجہ امجد حسین ولد حضرت مولانا شاہ خواجہ لطیف علی سال وفات معلوم نہیں...... مزار...... تکیہ عشق متن گھاٹ پٹنہ سٹی

(۲) حضرت مولانا حسن جان خان حسن سہسرامی ولد حضرت مولانا فیض بخش سال وفات ۱۳۳۴ھ مزار...... سہسرام

(۳) حضرت مولانا شاہ سید شہود الحق اصدقی ولد مولانا شاہ قیام الدین اصدق سال وفات ۱۳۳۱ھ مزار پیر بیگھہ بہار شریف

(۴) حضرت مولانا شاہ ملیح الدین کبیری سہسرامی سال وفات ۱۳۵۰ھ مزار خانقاہ کبیریہ سہسرام

(۵) حضرت مولانا علامہ قادر بخش ولد جناب حسن علی سال وفات ۱۳۳۷ھ.....مزار سہسرام

(۶) حضرت مولانا سید شاہ عبد الغنی سہسرامی سال وفات ۱۳۳۸ھ......مزار سہسرام

(۷) حضرت مولانا قاضی عبد الوحید فردوسی، سال وفات ۱۳۲۶ھ مزار...... پٹنہ

(۸) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی ولد علامہ نقی علی خان سال وفات ۱۳۴۰ھ مزار، محلّہ سوداگراں، بریلی شریف علیہم الرحمہ والرضوان

حضرت شاہ حفیظ الدین رحمٰن پوری

ایک صد رنگ شخصیت

حضرت مولانا ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی پورنوی، میرا روڈ ممبئی

شاہ حفیظ الدین جس زمین کی پیداوار تھے وہ زرخیز بھی ہے، مردم خیز بھی، وہ زمین شور نہیں، زمین صد رنگ رہی ہے۔ نئی نسل تو در کنار، پرانی پیڑھی بھی جان جائے تو غنیمت ہے۔ اس کی قدیم حدود اربعہ کیا ہیں؟ اس کے کتنے چہرے، کتنے روپ ہیں؟ اس کا مکھڑا اتنا من موہن ہے کہ جب چائنا کا سیاح عالم ہونگ سانگ آیا گویا دل تھام کر کہنے لگا گوری تیرا رنگ روپ من کو بڑا بھائے رے۔

جی یہ پورنیہ ہے، جس کا ایک حصہ لکھنوتی، گور بھی تھا۔ جو مسلم سلاطین کا عرصہ تک پایہ تخت رہا۔ جہاں اولین مبلغین اسلام آئے۔ تبریز کے شیخ جلال الدین تبریزی آئے۔ یمن سے شیخ جلال الدین یمنی آئے اور خانقاہوں کی خانقاہیں قائم کرتے چلے گئے۔ جی یہ وہی خطہ ہے جس کا نام کبھی کیرات دیس، کنول دیس، مچھ دیس، انگا دیس تھا۔ ہاں یہ وہی خاک خوش رنگ ہے جس کے پردوں سے وہ اہل کمال پیدا ہوئے جن سے بدر تمام لرز اٹھا، ستارے سہم گئے، کہکشائیں شرمسار تھیں۔ شیراز و اصفہان دم بخود تھے۔ بوستاں شیراز میں قلم بند ہوئی۔ اس کا مسدس یہاں تیار ہوا۔ گاؤں میں ایک کہانی سنا تھا، کہانی کا کردار یہ تھا۔ ہر بچہ یہی کہہ رہا تھا میرا اماموں بڑا کہ میرا اماموں بڑا۔ کوئی کسی کی سننے کو روادار نہیں تھا۔ ایک عرب شاعر نے بھی یہی کہا ہے میرے باپ دادا تو وہ ہیں جن کی مثال زمانہ لا ہی نہیں سکتا۔ یہ تو انسان کی فطرت ہے۔ اپنا ہی راگ الاپتا ہے، اپنی ہی ڈفلیاں بجاتا ہے مگر جوہری جانتا ہے فنکار سمجھتا ہے سخن فہم غالب کا طرفدار نہیں ہوتا، وہ تو برا ہوا اہل پورنیہ کی غفلتوں کا۔ جو اپنے

ہی باکمالوں کے تابناک چہروں پہ گرد جمادی ہے۔ ادھر ذرا وہ گرد جھاڑ دیجئے، ادھر دیکھئے کتنے ماہ تمام نمودار ہوتے ہیں، گدڑی میں لعل ہے بستی بستی بھیک مانگتا ہے، کٹیا میں پارس پڑا ہے، تیلی تیلی بیچتا ہے۔ ارے ذرا جھانک کر تو دیکھئے صحن چمن میں کیا کیا ہے؟ کتنے گل ولالہ کھلے ہیں؟ کتنے خوبان عصر، نادران دہر، حسینان زمن آسودۂ خاک ہیں؟

یہ کوئی ۱۲۴۵ھ رہی ہوگی۔ چشتی نگر، کنہریا میں شاہ حفیظ الدین کی پیدائش ہوئی۔ کنہریا اعظم نگر کے قریب ہے، وہی اعظم نگر جو کٹیہار سے جانب شمال ذرا مشرق کی طرف ڈھلک کر واقع ہے۔ کٹیہار کا پرانا نام 'سیف گنج' ہے۔ نہ معلوم کب کیوں کیسے وہ کٹیہار ہوگیا۔ ۱۹۷۳ء میں پورنیہ سے کٹ کر ضلع بننے کی وجہ سے کٹیہار کہلاتا ہو یا کٹیہار، ہارکٹی، کی اضافت مقلوبی ہو۔ غالب گمان یہ ہے کہ سکھوں کے عظیم گرو تیغ بہادر سنگھ پنجاب سے آسام جارہا تھا۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں اس کا زیور گم یا کٹ گیا تھا، اسی مناسبت سے کٹیہار بنا ہو۔ مگر یہ واقعہ نواب سیف علی خان کے شہر 'سیف گنج' بسانے سے پہلے کا ہے خیر جو بھی ہو آم کھانا ہے پیڑ گننا نہیں۔

کون جانتا تھا آفتاب ایک دن بے نور ہو جائے گا اور چشتی نگر کا یہ ذرہ چمک کر آفتاب بن جائے گا۔ دیکھئے، دست قدرت اس کی کیسی تراش خراش کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ بسم اللہ خوانی کی رسم گھر پر ہی ہوئی ہوگی۔ ابتدائی تعلیم چشتی نگر میں ہوئی۔ چشتی نگر کے بازو میں ایک گاؤں رسول پور ہے۔ زمینداروں کا گاؤں، اس گاؤں میں بہت سے لوگ وہ ہیں جو مظفر نگر، میرٹھ وغیرہ یوپی سے آکر یہاں بسے ہیں۔ صد دو صد سالوں پہلے دور دراز سے لوگ تلاش و روزگار میں پورنیہ آتے تھے۔ پھر وہ یہیں بود و باش اختیار کر لیتے تھے۔ خیر! رسول پور گاؤں میں مدرسہ تھا، جہاں شاہ حفیظ الدین نے تعلیم پائی، اساتذہ کون کون تھے، معلوم نہیں۔ البتہ 'لغات کشوری' کے مولف اس مدرسہ میں مدرس رہ چکے تھے۔ معروف شاعر و ادیب فانی جائسی بھی یہیں تھے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس دور میں مدرسہ کتنا معیاری رہا ہوگا۔

شاہ حفیظ الدین یہاں سے اٹھے سیدھے لکھنؤ پہنچے، جہاں مدرسہ نظامیہ چشمہ سیال

کی طرح علمی فیضان ابل رہا تھا، حضرت مولانا شاہ عبدالحلیم فرنگی محلی وغیرہ اساتذہ بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ آپ کے اولین سیرت نگار نے لکھا ہے کہ وقت کی یہ بلند پایہ ہستیاں آپ کے ہم درس تھیں۔ ایک تو وہی مشہور عاشق رسول عارف باللہ حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم آسی غازی پوری، دوم شیخ وقت سید شاہ شہود الحق اصدقی خانقاہ اصدقیہ بہار شریف، نالندہ اور تیسرے تھے معروف محقق حضرت مولانا محمد فاروق چریا کوٹی استاذ شبلی نعمانی۔

مدرسہ نظامیہ لکھنؤ میں آپ نے تکمیل تعلیم کی، مگر حدیث پاک کی حصول و تکمیل آپ نے دہلی میں کی۔ حضرت شاہ مخصوص اللہ دہلوی اور شاہ محمد موسیٰ دہلوی سے سند حدیث لے کر مراجعت فرمائی۔ عہد تحصیل تمام ہوا تو تدریس کا دور شروع ہوا۔ آرہ، پٹنہ، بھاگل پور، شاہجہاں پور میں مسند تدریس بچھاتے گئے۔ طالبان علوم دینیہ کو سیراب کرتے گئے۔ ابھی یہ سلسلہ زوروں پر تھا دل دھک سے اٹھا، اندرون سے آواز آئی۔ حفیظ الدین یہ قیل وقال کب تک؟ قال سے حال کی طرف آ، قالب چھوڑ قلب سنوارنے کی تیاری کر، اب یہ تو بڑی پرخار وادی تھی، پھر بھی لنگر اٹھا دیا۔ طوفان کی زد پہ کشتی چھوڑ دی، اب آپ تھے، وقت کے تھپیڑے تھے، نہ ساتھی نہ ناؤ، نہ پتوار کشاں کشاں چلتے چلاتے رہے، اگر کوئی مونس و غمخوار تھا تو وہ خدا کی رحمت تھی۔

اللہ والوں کی مزارات پریشان حال بندوں کی پناہ گاہیں ہیں۔ شاہ حفیظ الدین ایک مزار پہ مراقبہ کر رہے تھے۔ یہ مزار حضرت شاہ منعم پاک کا تھا جو متن گھاٹ پٹنہ میں ہے یہاں آپ کو غیبی اشارہ ملا کہ آپ کا حصہ تکیہ عشق میں ہے، تکیہ عشق میں حضرت شاہ رکن الدین عشق کی خانقاہ چنانچہ افتاں وخیزاں آپ یہاں حاضر ہوئے اور موجودہ سجادہ نشیں شیخ عصر شاہ خواجہ لطیف علی قدس سرہ سے بیعت ہوئے۔ بیعت ہو کر چلے نہیں گئے۔ مرشد کریم کے در پاک، بارگاہ عشق ہی میں رہ پڑے۔ پڑے پڑے کوئی بارہ سال گزر گئے۔ اب آپ صوفی صافی کامل سالک ہو چکے تھے۔ دل داغدار مصطفیٰ ومجلیٰ ہو چکا تھا، ہر طرح چھان پھٹک کر دیکھا، پرکھا تب مرشد گرامی نے خرقہ خلافت پہنایا اور اپنا مجاز و ماذون کیا۔ جوانی کی عمر ۱۲ سال کا مجاہدہ، نفس کشی، باطنی تربیت و رہنمائی، کیسی کڑی منزل، کتنا سخت امتحان

ہوتا ہے اس کوئے یار میں۔ آج کل کی خلافتوں کا اندازہ کیجئے۔ مفتی انور علی حشمتی مقیم بنگلور کے بقول خلافت آج کل خالی آفت ہے۔ معرفت کا مطلب مار پٹا پھٹ اور خانقاہ بمعنی کھانے کا ہے۔

یہ بارہ سال کا مجاہدہ تھا یا ایک نئی زندگی کا آغاز تھا۔ اب آپ دونوں دریا کے تیراک، دونوں کے سنگم، ملتقی البحرین بن چکے تھے۔ اسی اثنا میں آپ کی شادی بھی ہوئی۔ شادی بہار شریف کے سادات گھرانے میں ہوئی۔ اسی دوران مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام سے طلبی ہوئی۔ یہ مدرسہ اس دوران اس دور اور دیار کا مانا جانا مدرسہ تھا۔ مدرسہ کے استاذ اور آپ کے برادر طریقت صوفی شاعر حضرت مولانا حسن جان حسن کا اصرار ہوا۔ شیخ طریقت خواجہ لطیف علی کا اشارۂ ابرو پایا۔ آپ وہاں تشریف لے گئے۔ صدر مدرس کا عہدہ ملا اہتمام وانتظام کی ذمہ داری بھی سپرد ہوئی۔ یہاں آکر آپ کا اصل جوہر کھلا، خوابیدہ وخفتہ صلاحیتیں اجاگر ہوئیں۔ صدر مدرس تھے مہتمم مدرسہ تھے مدرسہ بھی مالدار تھا مگر آپ کھانا مدرسہ سے نہیں کھاتے تھے خاص تنخواہ جو جیب میں ہوتی تھی اسی سے دال چاول، حضرت منگاتے، ایک اہل تعلق کے یہاں سے کھانا بن کر آتا آپ تناول فرماتے یہ نکتہ معمولی نہیں، بہت غیر معمولی ہے، جو لوگ مدرسہ کے مال کو اپنا مال سمجھتے ہیں ان کے لئے تو یہ تازیانہ عبرت ہے۔

بارگاہ عشق کی بارہ سالہ تربیت تو تھی ہی اب سہسرام آئے، یہاں علمی وادبی فضا نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ پھر یہ راز کھلا کہ آپ ایک جامد نہیں عالم ربانی ہیں۔ صوفی محض نہیں، صوفی صافی شافی بھی ہیں، زاہد خشک نہیں، عابد مرتاض بھی ہیں۔ فقیہ تنگ نظر نہیں، فقیہ دیدہ ور، محدث عصر، متکلم زمن، نکتہ سنج واعظ، نعت گو شاعر بھی ہیں۔ یہی نہیں مریض قوم کا مسیحا، دردمند مصلح، روشن ضمیر مرشد بھی ہیں، جب تک بدلیاں تھیں چاند چھپا تھا، وہ ہٹ گئیں چاندنی ہر سو بکھر گئی۔ سہسرام، شاہ آباد، آرہ، اورنگ آباد، رجھت گیا، بہار شریف، تمام مضافات پٹنہ اس چاندنی سے نہانے لگے۔ یہ دوران کی حیات کا زریں دور کہا جاسکتا ہے۔

یہاں ایک دلچسپ یاد آتی ہے تعلیم وتدریس، وعظ وتقریر، بیعت وتلقین، دعوت و ہدایت، تذکیر وارشاد، تصفیہ باطن، ریاضت ومجاہدہ، اصلاح ذات، فکر آخرت میں سرگرم تھے کہ دھک سے ماں کی یاد آ گئی۔ جو وہ حصول علم کے زمانہ میں چھوڑ کر آئے تھے۔ سہرام سے چلے، چشتی نگر پہنچے سیاہ داڑھی، سیاہ بال، دستار زیب سر تھی، شیروانی زیب تن تھی گھر والوں نے سمجھا کوئی بڑا عالم ہے، عزت واکرام سے بیٹھک میں بٹھایا اندر گئے۔ ضیافت کا سامان تیار کرنے کو کہا، کہہ کر وہ ذرا ادھر ادھر ہوئے ہوں گے۔ آپ باہر سے اٹھے اندر پہنچ گئے۔ خواتین سہم کر پردہ میں چلی گئیں گھر والے آئے پوچھا آپ کا گھر کہاں ہے، آپ کا نام کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا، میرا گھر یہی ہے۔ میرا نام محمد حفیظ الدین ہے اتنا سننا تھا کہ گھر والے خوشی سے اچھل پڑے۔ بوڑھی ماں کی آنکھوں میں اشکوں کے موتی جھلملانے لگے۔ کچھ دن قیام کیا، پھر ماں کو ہمراہ لے کر سہسرام تشریف لائے۔ بچوں کو دادی ملی اور دادی کو بچے، سکون ومسرت دن کٹنے لگے۔

پھر ایک وقت وہ آیا کہ آپ یہاں تھے آپ کے وطن میں بے دینی پھیل رہی تھی، جاہلی رسومات کا رواج ہو رہا تھا۔ اس احساس مسئولیت سے آپ نے سہسرام کو الوداع کہا، کسی نے لکھا ہے آپ کے بعد مدرسہ کبیریہ سہسرام میں ملک العلماء حضرت مولانا شاہ محمد ظفر الدین قادری رضوی صدر مدرس بن کر تشریف لائے۔ حفیظ الدین کے تمام نقوش حیات سامنے نہیں، تاہم یہ بات قابل فہم نہیں، ملک العلماء ۱۳۳۴ھ میں سہسرام تشریف لائے، شاہ حفیظ الدین کا وصال ۱۳۳۳ھ میں ہوا۔ شاہ حفیظ الدین نے برسوں اپنے وطن کی آبیاری کی۔ چشتی نگر سے ہجرت کی، رحمٰن پور میں مدرسہ بنایا، خانقاہ بنائی، مسجد کی تعمیر کی، محمد یہ اسٹیٹ پورنیہ میں مدرسہ قائم کیا۔ دوروں پہ دورے کئے، تقریروں پہ تقریریں کیں، طلبہ کو پڑھایا سالکوں کو پلایا، پورنیہ کٹیہار، کشن گنج، بہادر گنج سمیت قریہ ودیہات میں ایک دینی انقلاب برپا کر دیا، اس کے لئے کتنا وقت درکار ہے اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

ان کا ایک مجموعہ رسائل دستیاب ہوا ہے۔ جس پر ۱۳۱۷ھ لکھا ہوا ہے اس میں یہ بھی بصراحت تحریر ہے ''مصنفہ مولانا مولوی صوفی شاہ محمد حفیظ الدین صاحب حنفی نقش بندی

ابوالعلائی متوطن قصبہ چشتی نگر کنہر یا ضلع پورنیہ کہ سابقاً کم وبیش دوازدہ سال در مدرسہ خانقاہ سہرام ناصر الحکام مدرس اول وناظم مدرسہ بوند، اینکہ از ہمہ بے تعلق بودہ محض توکل اختیار فرمودند“

اس تحریر سے کئی باتیں مستفادہ ہوتی ہیں ایک تو ’سابقا‘ کا لفظ بتاتا ہے کہ ۱۳۱۷ھ تک یا اس سے پہلے آپ پورنیہ مراجعت فرما چکے تھے۔ دوازدہ سال سے معلوم ہوتا ہے بارہ سال آپ وہاں رہے، اس کا قیاسی مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ آپ ۱۳۰۴ھ یا ۱۳۰۵ھ میں سہرام تشریف لے گئے ہوں گے۔ مدرس اول وناظم مدرسہ تو واضح ہے کہ آپ ہی تھے، آخری جملہ ایں کہ از ہمہ بے تعلق بودہ محض توکل اختیار فرمودند، یہ تو ان کی شفاف سیرت کا زبردست سرنامہ ہے۔ جب تک ان کی زندگی کا بایوڈاٹا سامنے نہیں آتا۔ درج بالا تحریر کے پیش نظر ان کی حیات وخدمات کے تاریخی خدوخال، قیاسا ہی سہی، ابھارا جاسکتا ہے۔ اگر مان لیا جائے وہ ۱۲۸۲ھ میں سہرام گئے تو ۱۲۹۳ھ میں میں وہ بارگاہ عشق حاضر ہوئے۔ چونکہ یہاں بھی انہوں نے وہی بارہ سال سلوک ومجاہدہ کی تعلیم پائی تھی۔ ابتدائی تدریس کا زمانہ دو چار سال کا رہا ہوگا۔ اسی طرح ۱۲۸۹ھ یا ۱۲۹۰ھ میں فراخت ہوئی ہوگی۔ ان کی تاریخ پیدائش بھی حتمی نہیں۔ ۱۲۴۵ھ قیاسی طور پر ہی بتائی گئی ہے۔ یقین نہیں آتا کہ ۴۰/۴۵ سال تک پڑھتے رہے ہوں گے۔ اس لئے یہ ابھی تحقیق طلب بات رہے گی۔

ان کے وصال کو اب سو سال ہونے کو آئے۔ اس طویل مدت میں ان کی اولاد واحفاد نے ان کے لئے کچھ نہیں کیا، نہ کسی اور نے اس طرف توجہ دی۔ ان کی کتب ورسائل کو دیکھ کر وہ ایک خالص علمی وفکری شخصیت معلوم ہوتے ہیں مگر ان کے اہل خاندان نے ان کو محض ایک صوفی پیر کی حیثیت سے مقامی طور پر ہی متعارف کرایا۔ وہ تو تعویذ لکھتے تھے۔ خدمت خلق کے لئے اور یہ تعویذ فروشی کرتے ہیں پیٹ کے لئے۔ یہ صرف تکیہ رحمٰن پوری کا المیہ نہیں تعویذ فروشی کی یہ دکانیں قریب قریب ہر درگاہ کے آس پاس لگتی ہیں۔ تکیہ رحمٰن پور میں ایسا نہیں کہ علمی شخصیات موجود نہیں، موجود تو ہیں مگر علمی ذوق بیدار نہیں، اور جو بیدار ہے وہ ہرگز اپنا نہیں۔ راکھ کے ڈھیر سے اب ایک چنگاری سلگنے لگی ہے۔ وہ ہے صاحب

زادہ والا تبار خواجہ ساجد عالم ذی العلم والا فکار۔

خیر ۱۳۱۷ھ سے پہلے آپ اپنے وطن واپس تشریف لائے۔ اپنی دینی وتبلیغی تحریک شروع کردی۔ ابھی یہ تحریک برگ وبار لا ہی رہی تھی۔ آپ کا دل چشتی نگر سے اچاٹ ہوگیا۔ آپ نے ہجرت کا ارادہ کرلیا۔ علاقہ کے رؤسا کو خبر ہوئی، تو رحمٰن پور کے رئیس جناب دھیر علی خان مرحوم اور مالور اسٹیٹ کے متولی جناب شمس الدین مرحوم نے پیشکش کی کہ آپ رحمٰن پور میں سکونت اختیار کریں۔ اپنا دینی وعلمی مشن جاری رکھیں۔ تکیہ رحمٰن پور آج جس جگہ آباد ہے کوئی دسیوں ایکڑ زمین پر پھیلا ہوا ہے۔ یہ پوری زمین انہیں دونوں دین پرور رئیسوں کی نذر کی ہوئی ہے۔ رحمٰن پور اصل میں روان پور تھا۔ روان پور سے برہان پور بنا پھر رحمٰن پور ہوگیا۔ رحمٰن پور سینٹرل ریلوے لائن سے نصف کلو میٹر پچھم ہے۔ جو لائن دہلی، پٹنہ، کٹیہار، کشن گنج، ہوتے ہوئے گوہاٹی کو جاتی ہے۔ کٹیہار سے آگے اعظم نگر، اس سے آگے بارسوئی ہے یہیں سے قدرے اتر پچھم رحمٰن پور واقع ہے۔ رحمٰن پور سے پچھم کنکئی ندی بہتی ہے۔ ندی کے پار مولانا پور، دلشاد پور ہے۔ اتر جانب قدم گاچھی، سودھانی، تیلتا پھر دالکولہ ہے۔

تکیہ رحمٰن پور عالیشان دربار معلوم ہوتا ہے۔ قطعہ اراضی کے مغربی سرے پر زنان خانہ ہے۔ اس سے اتر پورب سماع خانہ ہے۔ اس سے اتر بڑا تالاب ہے۔ زنان خانہ سے پورب کافی جگہ چھوڑ کر خدا خانہ ہے۔ خدا خانہ سے اتر دیوان خانہ ہے۔ خدا خانہ کے متصل جنوب میں آپ کی آخری آرام گاہ ہے۔ دیگر مزارات بھی ہیں۔ مسجد و مقابر کے پورب مدرسہ لطیفیہ ہے۔ زنان خانہ، سماع خانہ، دیوان خانہ، یہ تمام عمارتیں پتلی اینٹوں کی بیس انچ بنیاد پر دیوار بنائی گئی ہیں۔ جو قدیم فن تعمیر کا نمونہ ہیں۔ بقیہ اراضی پر پیڑ پودے، جھاڑ پھول، ناریل سپاری کے باغات، دیگر پھلوں کے درختوں کے جھنڈ ہیں۔ شاہ حفیظ الدین کے عہد میں یہ خانقاہ اسلامی اسپرٹ کی واقعی ایک بڑی فیکٹری رہی ہوگی۔ اب تو وہ بات عطر میں بھی نہیں، جو پہلے پسینہ میں تھی۔ جب آب بھی رواں دواں تھی، تنہا ذات تھی، ہزار کام تھے، اکیلی جان تھی جو کھم، صدہا تھے، سر ایک تھا، سودے ہزار تھے۔ دوا ایک تھی

امراض بے شمار تھے، ذہن ایک تھا افکار ہزار تھے۔

خطوط بھی لکھنا تھا یہ تو نبی کریم کی سنت ہے۔ صوفیا کے خطوط تو دعوتی ہوتے ہیں، تبلیغی ہوتے ہیں ارشادی، افادی، ابلاغی ہوتے ہیں۔ بھلا آپ یہ سنت کیوں کر ترک کرتے۔ صوفیا کی روش سے منہ کیوں کر موڑتے۔ جہاں جسم و جان سے پہنچ نہیں پاتے وہاں خطوط بھیجتے۔ وہی عرفانی خطوط، ایقانی خطوط، حقانی خطوط، رنگا رنگ خطوط، صد رنگ خطوط، سب رنگ خطوط، مہکتے چہکتے خطوط، مکتوبات لطیفی اٹھا کر دیکھئے۔ صوفیا کے خطوط کی تمام جلوہ سامانی پائیں گے۔

وہ جو مصحفی نے کہا ہے کیا خوب کہا ہے۔ غلط تھوڑے ہی کہا ہے۔ بالکل سچ کہا ہے۔ درویشی اور شاعری تو ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ شمع روشن ہو، پروانہ رقص نہ کرے، چاندنی ہو اور ہر سو اجالا نہ دکھے، حفیظ الدین رحمٰن پوری کے دو اہم کارنامے قرار دئے جا سکتے ہیں۔ مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے آپ نے جو قلمی یادگار چھوڑی ہے وہ مختلف موضوعات پر ہے۔ کچھ درسی ہیں، کچھ غیر درسی بھی ہیں۔ خطوط و رقعات، سلوک و شاعری کو چھوڑ کو تصانیف ہیں وہ انتہائی دیوبندیت کش، وہابیت شکن معلوم ہوتی ہیں، خطوط و مکتوبات میں بھی تقویت الایمانی فکر کا زبردست تعاقب کیا گیا ہے۔ جن کتابوں تک رسائی ہو سکی وہ یہ ہیں:

(۱) تسہیل التصریف ۱۳۱۷ھ (۲) وسیلۃ التصریف ۱۳۱۷ھ (۳) فوائد نوریہ شرح میزان منطق، یہ تینوں مطبوعہ ہیں۔ اول دوم ۱۳۱۸ھ میں مطبع لامع الانوار آگرہ سے چھپی ہے جبکہ تیسری کتاب ۱۳۰۵ھ میں چھپ چکی ہے (۴) جریس الغیب ۱۳۱۷ھ (۵) حسیر الغیب ۱۳۱۷ھ مطبوعہ لامع الانوار اآگرہ ۱۳۱۸ھ (۶) نختین الٰہی نامہ ۱۳۱۳ھ (۷) بما اغنی من الکلام ۱۳۱۶ھ (۸) خذہ بجد (۹) عجالہ نافعہ (۱۰) خطبہ دوازدہ ماہی، یہ پانچ کتابیں غالباً غیر مطبوعہ ہیں۔ (۱۱) تلک عشرہ کاملۃ بھی غیر مطبوعہ ہے۔ (مگر تجلیات شرف، سوانح حیات حضرت مولانا شاہ شرف الدین گانگی مولفہ حضرت مفتی حسن منظر قدیری، مطبوعہ بائسی، پورنیہ میں یہ شاہ شرف الدین کی بتائی گئی ہے۔) (۱۲) لطائف حفظ السالکین ۱۳۱۱ھ صفحات ۱۹۲، سن طباعت ۱۳۴۷ھ مطبع رحمانی مہندرو پٹنہ (۱۳) دیوان

لطفی صفحات ۱۶۵ مطبع رحمانیہ مونگیر بہار ۱۳۳۸ھ (۱۴) مکتوبات لطفی صفحات ۸۰ مطبع سلیمانی پریس محلہ گائے گھاٹ، بنارس ۱۹۲۸ء

یہ وہ جامع الصفات شخصیت ہے جو افسوسناک حد تک پردۂ خفا میں ہے۔ جبکہ یہ شخصیت بہار و بنگال کی نمائندہ رہی ہے۔ مفاسدہ ندوہ کی تحریک میں پیش پیش رہی ہے۔ اجلاس اہل سنت پٹنہ منعقدہ ۱۳۱۸ھ میں آپ نے مشرقی بہار کی نمائندگی کی ہے، ضرورت ہے ان کی تصنیفات وتحریرات کی روشنی میں ان کے افکار ونظریات اور خدمات کو اجاگر کرنے کی۔ ماضی قریب میں یہ رحمٰن پور آئے، تو پہلے زنان خانہ بنوایا، پھر خدا خانہ، جو اول اول خس پوش تھا۔ مسجد کے کتبہ سے معلوم ہوتا پختہ مسجد ۱۳۲۴ھ میں بنائی گئی۔ جو لوح کتبہ پر مرقوم ہے۔ اس سے بھی یہ اندازہ ہوتا ہے کوئی آٹھ سال پہلے ہی آپ سہسرام سے آگئے تھے۔ رحمٰن پور آپ کا روحانی وعلمی ہیڈکوارٹر تھا۔ مگر دائرہ عمل بڑا وسیع تھا۔ جنوب میں کٹیہار، بھاگل پور، اتر پچھم میں پورنیہ، مدھے پور، سہرسہ، اتر میں کشن گنج، مورنگ نیپال، پورب میں مالدہ، دیناج پور، سنار گاؤں، رنگپور، سلہٹ، چٹا گانگ تھا۔ آپ بافیض تھے، ذات بافیض تھی، خانقاہ فیض بخش تھی، مدرسہ فیض بخش تھا۔ دن رات صبح شام کبھی قال کی کبھی حال کی بزمیں گرما گرم رہا کرتی تھیں۔

آپ کی حیات وخدمات پر گو کہ پردہ پڑا ہوا ہے۔ مگر ایسا بھی نہیں ذات وافکار کے سارے نشانات نظروں سے اوجھل یا تحریر وقلم کی گرفت سے باہر ہیں۔ اگر وہ پیر محض یا خالص بابا ہوتے، تو اتنی تگ وتاز کی ضرورت نہ ہوتی مگر چونکہ آپ کی ذات مجمع الصفات ہے۔ ملتقی البحرین ہے۔ جہاں آپ ایک نمونہ اسلاف روحانی پیشوا تھے۔ وہیں آپ جامع العلوم والافکار بھی تھے۔ اس لئے تحقیقی جہت سے ابھی آپ پر کام ہونا باقی ہے۔ جس کا آغاز ہو چکا ہے۔ حیات، حالات، خدمات سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ آپ کے رجحانات وخیالات افکار ونظریات، عقائد ومعمولات پر کام کیا جائے۔ ظاہر سے تو پھل خوبصورت ہوتا ہے مگر شیریں ہے کہ ترش، صالح ہے یا فاسد، کاٹ کر چکھنے کے بعد ہی پتہ چلتا ہے۔

آسانی کے لئے آپ کی حیات کو تین دور میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا تعلیمی

دور ابتداء سے بارگاہ عشق تک۔ دوسرا تدریسی دور قیام سہسرام، تیسرا قیام رحمٰن پور کی خدمات واثرات۔ اگر ان تینوں ادوار کو نچوڑا جائے جس کی یہاں گنجائش نہیں تو بالکل واضح شکل میں آپ کے تین بڑے کارنامے سامنے آتے ہیں۔ اول قیام سہسرام، دوم تلامذہ، سوم آپ کی کتب، رسائل، رقعات، ودیوان، ان کارناموں پر بحث کا بھی یہ محل متحمل نہیں، اس لئے یہاں ایک اجمالی گفتگو پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

لکھنؤ دہلی کی وہ معروف درسگاہیں تھیں۔ جہاں آپ نے علوم عقلیہ ونقلیہ میں کمال حاصل کیا تھا۔ روحانی علوم کے لئے تکیہ عشق کی بھٹی میں تپتے رہے۔ بارہ سال کی مدت کم نہیں ہوتی۔ تپ تپا کر کندن تو ہو ہی گئے۔ وہ بحر شریعت تھا۔ یہ بحر طریقت تھا۔ دونوں دریا عبور کر چکے تھے۔ سہسرام سے باصرار بلاوا آیا۔ تکیہ عشق سے شیخ طریقت نے جانے کی اجازت دے دی۔ اب جو سہسرام تشریف لائے مسند صدارت پیش کر دی گئی۔ قال اللہ قال الرسول کی نکتہ آفریں صداؤں سے درس گاہ گونج اٹھی۔ کرسی نظامت بھی ملی، جس کی نہ صرف آپ نے لاج رکھی، بلکہ اس کی شان ہی بڑھا دی۔ وعظ وتذکیر بھی فرائض میں شامل تھا۔ بیعت وتلقین بھی تھی۔ ظاہر بھی سنوارنا تھا۔ باطن بھی آراستہ کرنا تھا۔ جوانی تھی، ذہن حاضر تھا۔ حاضر العلوم بھی تھے، زبان بھی گویا تھی، قلم بھی سیّال تھا خانقاہ ایک نازک موڑ سے گزر رہی تھی۔ بروقت اللہ تعالیٰ نے وہاں ایک ایسے فرد فرید کو بھیج دیا جن کے علمی دم قدم سے خانقاہ لطیفیہ کی ہلتی ہوئی چولیں پھر سے مضبوط ہوگئیں۔ میرا اشارہ ہے مناظر اعظم ہند فقیہ النفس حضرت مفتی مطیع الرحمٰن مضطر رضوی مدظلہ العالی کی طرف ان کا وہاں چار سالہ قیام نے ایک تاریخ رقم کی ہے۔ یہ ایک اجمال ہے تفصیل پھر کبھی۔

اس مضمون کی تحریر کے وقت درج ذیل کتب ومجلدات پیش نظر رہے۔

۱- حیات حفیظی، از خواجہ ساجد عالم مطبوعہ حفیظ اکیڈمی تکیہ رحمٰن پور کٹیہار
۲- حضرت لطیفی مجلّہ از خواجہ ساجد عالم مطبوعہ حفیظ اکیڈمی تکیہ رحمٰن پور کٹیہار
۳- تجلیات شرف از مفتی حسن منظر قدیری، مطبوعہ خانقاہ شرفیہ گانگی، کشن گنج
۴- حیات عابد از محمد حسب اللہ ندوی، مطبوعہ خانقاہ عابدیہ، چندی پور مالدہ بنگال

نوٹ (۱) موخر الذکر کتاب مولانا محمد عابد لطیفی چندی پوری کی حیات وخدمات پر مشتمل ہے۔ مولانا شاہ شرف الدین لطیفی گانگی کی طرح مولانا محمد عابد بھی شاہ حفیظ الدین لطیفی کے شاگرد ومرید تھے، مگر بوجوہ ان کی شخصیت مختلف فیہ ہوکر رہ گئی۔ مگر مجھے ان کی ایک قلمی تحریر ملی ہے جس سے ان کی ذات بالکل بے داغ معلوم ہوتی ہے۔ یہ ایک الگ موضوع ہے پھر کبھی اس پر گفتگو ہوگی۔

(۲) ندوی لوگوں کے بارے میں اتنا سنا تھا، تحریر وقلم میں بڑے ماہر ہوتے ہیں مگر محمد حسب اللہ ندوی کی اس کتاب کے مطالعہ سے یہ انکشاف ہوا کہ یہ سفید جھوٹ بولنے اور لکھنے میں بھی مہارت تامہ رکھتے ہیں۔ کذب بیانی اور کذب نویسی کا اگر مقابلہ ہوتو ندوی موصوف کو اول نمبر پر رکھنا چاہئے کیونکہ انہوں نے کتاب کم، جھوٹ زیادہ لکھا ہے، خصوصاً محدث شہیر حضرت مولانا شاہ محمد سردار احمد چشتی محدث اعظم پاکستان کے بارے میں تو انہوں نے حد کردی ہے۔

حضرت لطیفی قدس سرہ ایک جھلک سوانح کی

حضرت علامہ مولانا نصراللہ رضوی
استاذ معقولات مدرسہ عربیہ فیض العلوم محمد آباد، مئو، یوپی

کچھ عرصہ پہلے کی بات ہے کہ میں ادارہ تصنیف وتالیف المجمع الاسلامی مبارک پور میں موجود تھا عزیز مکرم مولانا خواجہ ساجد صاحب وہیں کسی طرف سے آپہنچے رسم سلام و ملاقات کے بعد میں نے ان کے ہاتھ میں پڑے ایک رسالے کی اشارہ کیا اور پوچھا یہ کونسا رسالہ آپ کے ہاتھ میں ہے کہنے لگے اسی مہینے کا ماہنامہ جام نور دہلی ہے پھر خود ہی اس میں چھپے ایک مضمون کو یہ کہتے ہوئے دکھانے لگے کہ دیکھئے اس میں مولانا غلام جابر شمس نے ہم لوگوں کے بارے میں کیا لکھ دیا انداز کچھ رنجیدگی اور غمگینی کا تھا۔ میں نے یہ کہتے ہوئے رسالہ اپنے ہاتھوں میں لے لیا کہ دیکھوں کیا لکھا ہے بڑی تیزی سے ایک دوصفحہ پڑھ کر ان کی طرف میں متوجہ ہوا۔ پھر میں نے ان سے کہنا شروع کیا کہ مولانا نے تو اپنے مضمون میں باتیں تو سچی ہی لکھی ہیں اور آپ لوگوں کی سستی اور کاہلی، بے توجہی اور بے اعتنائی کو للکارا ہے۔ انہوں نے کچھ غلط تو نہیں کہا اگر آپ لوگ خانوادے کا ہونے کا دم بھرتے ہیں تو ان کے سارے کارنامے جو عام لوگوں کے لئے مشعل راہ ہو سکتے ہیں اسے کسی تحریری یا کتابی شکل میں منظر عام پر آنا چاہئے۔ بتایئے اس کوردہ علاقہ میں ایک ایسی علمی بافیض شخصیت گزری ہے اور دور والے تو کجا خود علاقے والے بھی پوری طرح سے نہ واقف ہیں نہ فیضیاب ہیں۔ اگر مولانا نے حقیقت کی عکاسی کرتے ہوئے دعا تعویذ کے سہارے کمائی کا ذریعہ بنانے کی بات کہی ہے تو یہ ان کی حق گوئی کے ساتھ تلخ نوائی بعد مشاہدہ ہے۔ آپ لوگ وہی تو کر رہے ہیں جو انہوں نے بعد مشاہدہ تحریر کیا ہے۔ بہر کیف خواجہ ساجد عالم اس مضمون سے بڑے متاثر نظر آرہے تھے مگر اس مضمون نے ان کے لئے مہمیز کا کام کیا۔ ان کے اندر کی خفتہ

صلاحیتیں بیدار ہوئیں۔ رگ حمیت پھڑک اٹھی اور پھر انہوں نے اپنے قلم کا رخ اس جانب پوری طرح موڑ دیا۔ جلد ہی حضرت لطیفی سے متعلق کچھ تعارفی کتابچے اور کچھ ان کی تالیفات سے نئے مطبوعہ رسالے بھی احقر کے پاس بھیجے، میں نے محسوس کیا کہ اس جہت میں خواجہ صاحب کی توجہات مبذول ہو چکی ہیں اور پھر جلد ہی حفیظ ملت اکیڈمی کی یادگار پیشکش کے طور پر حضرت لطیفی مجلہ سے روشناس ہوئی۔ مجلّہ میں خواجہ صاحب کا خاص کام یہ نظر آیا کہ حضرت مولانا شاہ حفیظ الدین صاحب لطیفی قدس سرہ کے حالات زندگی ایک مربوط شکل میں بہ عنوان تذکرہ ترتیب پا چکا ہے۔ اب انہیں مواد جمع کرنے کی فکر لاحق ہوئی۔ کتابوں کو کھنگالنا شروع کیا۔ لائبریریوں کا چکر لگانا شروع کیا۔ نالندہ بہار کے فضلا و مشائخ طریقت کی سیرت وسوانح بنام 'حیات اصدق' سے حضرت لطیفی کے متعلق کئی اچھوتی اور قیمتی باتیں اخذ کیں۔ بعض دریافتوں کے لئے انہوں نے طویل چکر لگایا وہ لکھتے ہیں: بعض دریافتوں اور باتوں کے زیر اثر یہاں فرنگی محل کے مدرسہ میں جو رفقائے درس تھے اور بعد میں چل کر وہ خود یگانہ روزگار بن گئے ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) حضرت علامہ عبدالعلیم آسی غازی پور، عارف باللہ عاشق رسول اور خانقاہ رشیدیہ جونپور کے سجادہ نشین ہوئے۔

(۲) حضرت علامہ سید شہود الحق اصدقی، آپ سند المشائخ، تاج الاصفیاء کے لقب سے یاد کئے گئے خانقاہ اصدقیہ بہار شریف کے سجادہ نشین ہوئے۔

(۳) علامہ قاضی فاروق چریاکوٹی اعظمی عالم عصر، محقق دوراں، یگانہ روزگار ہوئے

'تجلیات شرف' نامی تالیف سے انہیں کچھ مواد حاصل ہوا وہ لکھتے ہیں:

''اس طرح دیکھا جائے تو گزشتہ دس سالوں کے درمیان کی 'حیات اصدق' اور 'تجلیات شرف' میں تعارف وتذکرہ کی یہ کڑیاں حضرت لطیفی کی داستان زندگی کے چمن میں جہاں موسم بہار کے ایک جھونکے کے طور پر ہیں وہیں ہمیں خواب غفلت سے بیدار کرنے کی خاطر ایک دستک اور تازیانہ عبرت بھی ہیں۔'' ان کی کوششوں کی ایک مضبوط کڑی کے طور پر مندرجہ ذیل پیراگراف اس جانب کافی روشنی ڈالتا ہے اور آئندہ کی کوششوں کی

جانب اشارہ کرتا ہے وہ لکھتے ہیں:

''حیات حفیظی'' کے بعد ''حضرت لطیفی مجلّہ'' آپ احباب و مخلصین کی بارگاہ میں حاضر ہے۔ قبول فرمائیں اور دعاؤں و نیک خواہشات سے نوازیں۔ مجلّہ کی زبان سہل وسادہ رکھی گئی ہے اور اس میں سفر حیات کے تمام ضروری گوشوں کو سمیٹنے کی پوری سعی انجام دی گئی ہے۔ ''حیات حفیظی'' کے نام سے انہوں نے نقش اول تیار کیا اور حضرت لطیفی مجلّہ غالباً ان کی کوششوں کا نقش دوم ہے۔ اس طرح سے کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے کچھ حق نمک ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے جو سوانحی خاکہ پیش کیا ہے اس کی رو سے حضرت لطیفی قدس سرہ کی جائے پیدائش چشتی نگر کنہر یا ضلع کٹیہار اور سال ولادت ۱۲۴۵ء ہے یہاں شاید کمپوزنگ کی غلطی ہے۔ یہ ۱۲۴۵ھ ہونا چاہئے۔

پہلا نام آپ کا سید محمد تھا بعد میں ''حفیظ الدین'' ہوا۔ اس کی تحقیق اور صراحت کہیں دستیاب نہیں ہوسکی کہ یہ نام آپ کا کب رکھا گیا۔ ہاں ان کی بعض قدیم تصنیف پر یہ نام مکتوب ملا۔

آپ کے والد شیخ تھے گاؤں کے شریف، دیندار آدمی تھے۔ خواجہ صاحب لکھتے ہیں:

''والد ماجد کا نام شیخ حسین علی تھا۔ عالی جانب شیخ صاحب گاؤں کنہر یا کے ایک دیندار انسان تھے۔ علاقے کے دولت مندوں اور معززوں میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔''

بچپن ہی میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ چکا تھا۔ سن شعور کو پہنچے تو اکیلی ماں کو پایا جن کے کاندھوں پر آپ کی پرورش و پرداخت اور تعلیم و تربیت کا بوجھ تھا۔ ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں سے کچھ دور رسول پور نامی گاؤں کے مدرسے میں حاصل کی۔ اسی مدرسے میں حصول تعلیم کے دوران آپ کا نام حفیظ الدین رکھا گیا ہوگا اور گھر گاؤں میں بھی متعارف ہو چکا ہوگا۔ قرینہ یہ ہے کہ یہاں کی تعلیم کے بعد آپ بڑی خاموشی سے کسی سے کچھ بتائے بغیر اعلیٰ تعلیم کے لئے کہیں چلے گئے اور تیس پینتیس سال کے بعد واپس لوٹے اور بے دھڑک زنان خانے میں پہنچ گئے۔ موجود عورتیں وہاں سے ہٹ گئیں کسی نے آکر آپ کا نام و پتہ پوچھا تو آپ نے اپنا نام حفیظ الدین بتایا اور معاسب نے جان پہچان لیا گھر والے

عجیب کیف وسرور سے سرشار ہوئے۔ آپ کو دیکھ کر غم کی ماری ماں سے تو خوشی کے آنسو تھم نہیں رہے تھے۔ آپ سے لپٹ کر اتھاہ خوشی کا رونا رو رہی تھی اور آپ سے جدائی وفراق پر پھوٹ پھوٹ کر اپنے درد وغم کا اظہار کر رہی تھی۔ رسول پور نامی گاؤں کے مدرسہ میں داخلہ لیا؟ کیا نام تھا؟ کیا معیار تھا؟ کون مدرسین تھے؟ اس کی صراحت کہیں نظر سے نہ گزری۔ البتہ مدرسہ نظامیہ فرنگی محل لکھنؤ میں حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب فرنگی محلی وغیرہ سے تعلیم حاصل کی۔ یہاں فرنگی محل کے مدرسہ میں جو رفقائے درس تھے اور بعد میں چل کر وہ خود یگانہ روزگار بن گئے ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) حضرت علامہ عبدالعلیم آسی غازی پوری، عارف باللہ، عاشق رسول اور خانقاہ رشیدیہ جونپور کے سجادہ نشین ہوئے۔

(۲) حضرت علامہ سید شہود الحق اصدقی، آپ سند المشائخ تاج الاصفیاء کے لقب سے یاد کئے گئے۔ خانقاہ اصدقیہ بہار شریف کے سجادہ نشین بنے۔

(۳) علامہ قاضی فاروق چریا کوٹی اعظمی عالم عصر محقق دوراں، یگانہ روزگار ہوئے۔ فرنگی محل کے مدرسہ میں حضرت لطیفی نے منتہی جماعت تک تعلیم حاصل کی۔ پھر یہاں سے دہلی کی راہ لی اور خانوادۂ ولی اللہی کے چشم وچراغ حضرت مولانا شاہ مخصوص اللہ حضرت شاہ موسیٰ کی درس گاہوں سے فیض اٹھایا اور تعلیم کی تکمیل فرمائی۔

تدریسی ذمہ داریاں

ملک کے مختلف مدرسوں میں آپ نے یہ فرائض انجام دئے۔

پٹنہ، مجگاؤں، بھاگلپور، شاہجہاں پور یوپی کے نامور اداروں میں یہ فرائض انجام دئے یہاں کے مدرسوں میں خاص طور سے شمال مشرقی ہندوستان کا قدیم ترین ادارہ 'مدرسہ وخانقاہ کبیریہ سہسرام' میں صدر مدرس اور مہتمم مدرسہ کے بلند منصب پر بارہ سال رہے۔ یہاں سے آپ کے شاگرد بڑے باکمال اور اعلیٰ استعداد ولیاقت کے مالک کثیر تعداد میں پیدا ہوئے جن میں دو کے نام درج ذیل ہیں۔

اعلیٰ قابلیت کے دو قابل ذکر شاگرد

(۱) حضرت مولانا شاہ عثمان شاہ آبادی (۲) حضرت مولانا فرخند علی فرحت سہرامی (متوفی ۱۳۵۳ھ) مذکورہ الصدر مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کے سابق مدرس۔ عظیم منطقی، فلسفی، زبردست مفسر و محدث، مصنف، محقق ہوئے۔ درجنوں کتابوں کے مصنف ہیں جبکہ مولانا فرخند علی علم فقہ وحدیث میں حیرت انگیز قابلیت رکھتے تھے۔ آپ نے اپنے وطن سہسرام میں 'مدرسہ خیریہ نظامیہ' کے نام سے ادارہ قائم فرمایا جواب تک اپنی خدمات میں مصروف عمل ہے۔

آپ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے مخلصین میں سے تھے۔ الدلائل القاھرۃ علی الکفرۃ النیاشرۃ' پر جن انیاسی اکابر اسلام کی تائیدی دستخط اور تصدیقی کلمات ہیں ان میں ایک آپ بھی ہیں۔ آپ کے فرزند گرامی مرتبت حضرت مولانا کامل سہرامی جماعت اہل سنت کی قد آور شخصیت تھے آپ نے اپنے وطن سہسرام میں ایک مدرسہ بنام مدرسہ خیریہ نظامیہ قائم فرمایا اور موجودہ دور میں معروف صحافی مولانا ملک الظفر سہرامی، مدیر سہ ماہی 'الکوثر' اور مدرسہ خیریہ نظامیہ بارہ دری کے نائب مہتمم حضرت کامل ہی کے نور نظر ہیں۔

حزم واحتیاط زہد وورع کی ایک مثال

بتایا جاتا ہے کہ حضرت لطیفی جب مدرسہ خانقاہ کبیریہ میں مدرس تھے تو مدرسے کے مطبخ سے کھانا نہیں منگواتے تھے بلکہ اپنی جیب خاص سے آٹا، چاول، دال اور سبزی وغیرہ خرید کر اپنے شاگرد و مرید خلیفہ حضرت مولانا خواجہ میر نظام علی سہرامی (متوفی ۱۳۶۰ھ) کے گھر بھجوا دیتے انہیں کے یہاں سے ہر وقت کھانا آتا تھا۔ خواجہ صاحب نے یہ بات حسن نظامی صاحب پرنسپل مسلم انٹر کالج بی این داس روڈ پٹنہ کے حوالے سے بتائی ہے۔

بیعت وخلافت

ملک کے مختلف مدرسوں اور درس گاہوں میں ایک عرصہ گزارنے کے بعد اصلاح باطن کی طرف متوجہ ہوئے۔ پیر کامل کی تلاش میں سرگرداں بارگاہ منعم پاک متن گھاٹ پٹنہ سٹی کے مزار پر انوار پر مراقب ہوئے وہاں سے باشارہ غیبی مخدوم الاصفیاء سند العارفین حضرت سیدنا مولانا شاہ خواجہ لطیف علی عرف شاہ میاں جان صاحب کے خم خانہ ولایت سے وابستگی اختیار کی۔ پیر کامل کی بارگاہ عشق کی جاروب کشی پر انہیں ناز تھا۔ ذکر، اشغال اور ریاضت ومجاہدہ کے ذریعہ منازل سلوک وطریقت طے کرتے رہے۔ مسلسل بارہ سال آپ پیر کامل کی صحبت بابرکت میں رہ کر صفائے باطن اور جلائے قلب کا سامان کرتے رہے یہاں تک کہ اجازت وخلافت سے نوازے گئے۔

اپنے مرشد کی بارگاہ میں حضرت لطیفی نے ایسی غلامانہ ادائیں اور نیازمندی واطاعت شعاری کی کئی مثالیں قائم فرمائیں کہ جن کے طفیل آپ درۂ ناچیز سے آفتاب جہاں تاب بن گئے اور بارہ برس کے بعد بحکم مرشد عالی مخلوق خدا میں تبلیغ وارشاد اور دعوت واصلاح کے فرائض انجام دینے کی راہ میں نکل پڑے۔ اور باقی ماندہ زندگی اسی راہ میں گزار دی (بارہ سال سہسرام میں رہے اور اس سے پہلے بارہ ہی سال پیر کامل کی بارگاہ میں رہ چکے تھے) پیر کا آستانہ کہاں ہے مضمون سے ظاہر نہیں ہوتا مگر تکیہ عشق تو متن گھاٹ پٹنہ سٹی میں ہے لیکن ۱۳۱۷ھ میں سہسرام چھوڑ چکے تھے کیونکہ مجموعہ رسالہ کی تصنیف ۱۳۱۷ھ میں ہے اور اس پر لکھا ہے کہ ”سابقاً کم وبیش دوازدہ سال در مدرسہ وخانقاہ سہسرام ناصر الحکام مدرس اول وناظم مدرسہ بودند۔“

سہسرام سے واپسی

۱۳۱۲ھ/۱۸۹۲ء میں آپ سہسرام سے اپنے وطن چشتی نگر کنھریا واپس آئے۔ کنھریا واپسی کے بعد آپ نے یہاں ایک مدرسہ قائم کیا جس میں علاقائی بچے تعلیم پاتے

تھے۔ آپ خود بھی مدرسہ میں تعلیم دیتے اور فرصت کے اوقات خانگی ضرورتوں اور اوراد و وظائف میں مشغول رہتے (یہیں آپ نے مجموعہ رسائل ۱۳۱۷ھ میں تصنیف کیا ہوگا اور اس سنہ تک رحمٰن پور نہ پہنچے ہوں گے) پھر کچھ خانگی اختلافات اور تعلقاتی ماحول کی کربناک کشیدگی کے سبب دلبرداشتہ ہوکر کنہریا کو خیرباد کہہ دیا اور رحمٰن پور چلے آئے۔

رحمٰن پور میں ان کی آمد

رحمٰن پور کی کچھ سربرآوردہ شخصیتوں اور مخلصین کی گزارش پر رحمٰن پور میں مستقل سکونت منظور فرمائی اور یہیں تشریف لائے۔ بود و باش اختیار کی۔ انہیں مخلصین اور عقیدتمندوں نے ایک قطعہ اراضی حضرت لطفیؔ کے لئے نذر کی جس پر چھپر اور پھوس کے مکانات تیار ہوئے۔ آپ اپنے اہل خانہ کے ساتھ ان ہی مکانات میں رہنے لگے۔ کچھ دنوں بعد سینڈھ لگانے کا حادثہ پیش آیا جس سے آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا امام مظفر صاحب کو پختہ مکانات بنانے کا خیال ہوا اور حضرت لطفیؔ قدس سرہ کے غائبانہ میں ایک عالیشان خوش قطع عمارت تعمیر کی۔ حضرت لطفیؔ اپنے لمبے اور طویل مدتی سفر سے واپسی پر صاحبزادے کا یہ کارنامہ دیکھ کر شاداں ہوئے۔ فرحت و انبساط سے چور خوش طبعی سے فرمانے لگے۔ ''یہ امام مظفر ہم کو چین سے بیٹھنے نہیں دے گا۔''

رحمٰن پور میں مسجد و مدرسہ کا قیام

حضرت لطفیؔ اپنے مخلصین اور نیازمندوں سے حاصل شدہ قطعہ اراضی میں مسجد مدرسہ کے قیام اور ان کی تعمیر کے لئے کافی کوشاں اور فکرمند تھے۔ اس لے یہاں کی سکونت اختیار کرنے کے کچھ ہی عرصہ بعد یہ کام شروع ہوگیا۔ پہلے مسجد کی داغ بیل ڈالی جو کچھ ہی مدت میں بن کر تیار ہوگئی لیکن سخت بارش اور تیز و تند طوفان کی وجہ سے ڈھہ بھی گئی پھر دوبارہ تعمیر کا آغاز ہوا اور ۱۳۲۴ھ میں یہ تعمیر مکمل ہوئی۔

(۱) مسجد کی تعمیر کے بعد مدرسے کی تعمیر کا کام شروع ہوا جو مخیر اور دیندار حضرات

کے تعاون سے تاہنوز بحسن وخوبی چل رہا ہے۔ (۲) رحمٰن پور کے مدرسہ ومسجد کی تعمیر کے بعد آپ محمد یہ اسٹیٹ ضلع پورنیہ پہنچے اور اسٹیٹ کے متولی سے خاصی زمینیں وقف کرا کر وہاں بھی ایک مدرسہ بنام 'اساقت رحمت' قائم فرمایا۔ جو اب بھی اسی نام سے موجود ہے۔ چھ ماہ رہ کر وہاں سے رخصت ہو گئے۔ رخصت ہونے سے قبل آپ نے وہاں ایک پنجابی عالم فاضل مولانا علاء الدین کو منتخب کیا۔ تدریس اور دیگر متعلقہ امور کی باگ ڈوران کے ہاتھوں سپرد کی اور خود رحمٰن پور واپس ہو گئے۔ (تاریخ پورنیہ ص ۱۵۴۔۱۱۱ از قمر شاداں)

تبلیغی دورے اور کارنامے

رحمٰن پور واپس آکر آپ نے مدرسے کا نام 'مدرسہ خانقاہ لطیفیہ' رکھا اور تدریس و اہتمام کی ذمہ داریاں مولانا عابد حسین اور مولانا شرف الھدیٰ کو سپرد کر کے خود کارہائے تبلیغ و اشاعت دین ومذہب میں مصروف ہو گئے۔ مولانا خواجہ ساجد عالم صاحب کے الفاظ میں تفصیل یوں ہے:

جب مدرسہ وخانقاہ اور مسجد کا قیام وتعمیر پائے تکمیل کو پہنچی تو آپ تبلیغ دین اور اشاعت علوم دینیہ کا قافلہ لئے پوری سرگرمی وخلوص کے ساتھ میدان عمل میں اترے اور مشرقی بہار وبنگال کے ہر گاؤں اور ہر شہر تک اسلام وسنت کا پیغام پہنچانے لگے اور اپنی تقریر اور میٹھی گفتگو اور نصیحت وہدایت بھرے کلمات سے لوگوں کو راہ راست پر لانے کا تاریخی کارنامہ انجام دیا۔

تصنیف وتالیف

رحمٰن پور آنے کے بعد حضرت لطیفی نے تصنیف وتالیف کا کام بھی اچھا خاصا کیا۔ (۱) لطائف حفظ السالکین (۲) مکتوبات لطیفی (باقی حصہ) (۳) مجالہ نافعہ (۴) تحفہ عشرۂ کاملہ اور ان کے علاوہ مزید تصنیفات وتالیفات بیٹیں زیور تحریر سے آراستہ ہوئیں۔

کچھ تصنیفات اور تالیفات کے بارے میں

خواجہ صاحب لکھتے ہیں: ''حضرت لطیفی کی تصنیفات میں سب سے مشہور و مقبول (۱) دیوان لطیفی ہے جو مدرسہ خانقاہ کبریہ کے دوران قیام سے لے کر رحمٰن پور تکیہ شریف کے ورود تک زیر تصنیف رہی۔ اس میں حمد و مناجات بارگاہ خداوندی اور نعت و مدح رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اولیائے کرام و بزرگان دین کی شان میں بھی منقبت و قصیدوں کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ زیادہ تر کلام فارسی زبان میں ہیں۔ فصیح و بلیغ عربی میں بھی بعض کلام ملتے ہیں۔ اردو میں چند ہی کلام ہیں۔ کتاب کے اخیر میں دو صفحے پر حالات مصنف درج ہیں جس میں مصنف کی پوری پھیلی ہوئی ستاسی سالہ زندگی کے متعلق فقط دو تین باتیں ہی اشارہ و کنایہ میں لکھی گئی ہیں۔ یہ تصنیف لطیف سائز کے لحاظ سے بوستاں جیسی ہے۔ کل ۱۶۵ صفحات ہیں۔ ماہ صفر المظفر ۱۳۳۸ھ میں مطبع رحمانیہ مخصوص پور مونگیر بہار میں طبع ہوئی۔

(۲) لطائف حفظ السالکین اس کی زبان فارسی ہے لیکن اردو میں ترجمہ بھی ہے۔ یہ آپ کی دوسری مشہور و زبردست تصنیف ہے۔ نام تاریخی ہے اس لئے کہ سنہ تصنیف ۱۳۱۱ھ نکلتا ہے۔ اس میں لطیفہ عنوان کے تحت تصوف و سلوک کے اسرار و نکات سے متعلق بڑی شاندار معلوماتی گفتگو کی گئی ہے۔ یہ بھی ضخامت و سائز میں بوستاں جیسی ہے۔ کل ۱۹۲ صفحات ہیں اور ۱۳۴۷ھ کو مطبع رحمانی مہندرو پٹنہ میں چھپی ہے۔ (۳) مکتوبات لطیفی یہ آپ کی تیسری معروف و عظیم تصنیف ہے۔ اس کی زبان فارسی ہے لیکن کسی زبان میں مترجم نہیں۔ اس میں چالیس مکتوبات ہیں جنہیں آپ نے اپنے شاگرد و خلفاء و مریدین و وابستگان کو لکھا ہے۔''

خواجہ صاحب نے اپنے مضمون میں حضرت لطیفی کی کچھ کرامتوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ یوں تو بزرگوں سے کرامتوں اور خرق عادات کاموں کا صدور برحق ہے جن کے دلائل کتب عقائد و کلام میں مذکور ہیں مگر کسی کرامت کو کسی کی جانب منسوب کرنے کے لئے کچھ ثقہ روایات چاہئیں صرف 'منقول ہے' 'مسموع ہے' کے مجہول الفاظ سے کسی روایت کی

ثقاہت نہیں بیان کی جاسکتی ہے۔ ویسے بھی کرامتوں کے صدور کو ہی معیار بزرگی نہیں بنایا جاسکتا۔ بزرگانہ فضائل وکمالات بہت ہوتے ہیں جن کو بیان کرنے سے کسی کی بزرگی کا اظہار ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں ہم نے ثقہ روایت نہ ہونے کے سبب اس کے ذکر سے گریز کیا۔ طریقہ وہ ہونا چاہئے جو علامہ نورالدین شطنوفی علیہ الرحمہ نے بہجۃ الاسرار میں حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی کرامتوں کے بیان میں اختیار فرمایا کہ بطرز محدثین راویان کرامت کو درجہ بدرجہ بیان فرمایا اور متصل سندوں کے ساتھ ان کا ذکر کیا۔ یہی وجہ ہے کہ شمس الدین ذہبی جیسا نقاد بھی اس کتاب کی عظمت کا معترف ہوگیا۔

وصال مبارک

جب زندگی کے ایام پورے ہو چکے اور آپ تدریسی وتبلیغی فرائض انجام دے کر علاقے کی تقدیر بدل چکے تو آپ نے سفر آخرت اختیار فرمایا اور ۳۰؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۵ء کی شام بعد نماز عصر وصال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس طرح آپ اس دار فانی میں لگ بھگ اٹھاسی سال گزار کر دار بقاء کو کوچ کر گئے۔

ایک آفتاب علم فراموشی کے ابر میں

حضرت مولانا سید شاہ رکن الدین اصدق چشتی، نالندہ بہار

بڑے بڑے اصحاب علم وفن اور عظیم المرتبت صوفیاء و اولیا طریقت آج آسودۂ خواب ہیں اور کوئی ان کے مدفن کا نشان تک نہیں جانتا۔ کتاب ہستی کے اوراق پارینہ کی طرح انہیں بھلا دیا گیا ہے اور کوئی نہیں ہے کہ ان بوسیدہ اوراق کو تاریخ کے خاکستر سے ڈھونڈ نکالے کیونکہ کسی بھی ہستی کو اجاگر کرنے کے لئے اہل تحقیق بھی ایک معتد بہ مواد کے متلاشی ہوتے ہیں۔ اس کے بغیر ان کی کوششیں بارآور نہیں ہوسکتی ہیں۔ ایسی فراموش ہستیوں میں کچھ نام تو ثبت قرطاس ہوکر محفوظ ہو چکے ہیں۔ جو ہمارے علم میں آگئے ہیں اور نہ جانے کتنی نادر ہستیاں ایسی ہیں جن کے ناموں سے بھی دنیا بے خبر ہے۔

دوسری جانب عہد نو میں بے شمار نام ایسے مل جائیں گے جن کا علمی وعملی کوئی کارنامہ نہیں۔ جن کی دینی خدمات عہد ساز نہیں اور ذاتی معاملات بھی ممتاز نہیں۔ لیکن ان کے گرد وپیش ایسے چست وچالاک لوگ جمع ہیں جنہوں نے میڈیا اور اخباری پروپیگنڈوں کے ذریعہ ان کے ناموں کو چہار دانگ عالم میں پھیلا دیا اور مرتے ہی ضخیم ضخیم کتابیں شائع کرکے چرخ ہفت افلاک تک پہنچا دیا گیا۔ قبروں اور مزاروں پر بھی اونچے اونچے قبہ ومینار تعمیر کرکے زمانے کی گردنیں ان کی دہلیز پر عقیدت سے خم کرانے کی مسلسل کوششیں کی جاتی رہیں۔

حیرت اور بالائے حیرت تو یہ ہے کہ اب حیات ہی میں کرائے کے قلم کاروں سے اپنی سوانح حیات مرتب کرائی جارہی ہے اور کتاب آب وتاب سے چھپ جانے کے بعد خود جناب ممدوح ہی جشن اجرا منعقد کرا کے اجرا کے لئے شخصیت کا انتخاب فرماتے ہیں۔ اور ستم بالائے ستم تو یہ ہے کہ زندگی ہی میں قصر ومحل تعمیر کرا کر اس میں اپنے لئے قبر کی جگہ کی مریدوں کو نشاندہی فرما دیتے ہیں۔ معاذ اللہ اور قبر میں کیا ہوگا اس کی فکر نہیں۔ بس

ہوس یہ ہے کہ دنیا نے جس سج دھج کی میری زندگی دیکھی ہے رنگ وروغن بھری قبر بھی دیکھتی رہے اور چادروگاگر چڑھانے ولوں کی بھیڑ لگی رہے۔

اگر اس طرح مینہ برستا رہے گا
تو کاہے کو جانے کا رستہ رہے گا

حالیہ گجرات وکرناٹک کے دوروں میں مذکورہ دونوں طرح کے مناظر میرے سامنے آئے۔ اسلاف و اہل اللہ کی بے رنگ وروغن قبروں پر کھڑے ہوتے ہی آنکھیں پرآب ہوگئیں اور دل خشیت الٰہی کی جلوہ گاہ بن گیا۔ دوسری طرف بناؤ سنوار کا منظر آنکھوں کی کشش کا سامان ضرور بنا مگر انوار وبرکات کی خوشبو دور دور تک دیکھنے میں نہ آئی۔

وہ عالم مطاع ایک عالم جن سے نفع ندوز ہوا اور وہ صوفی باصفا جن کی ہدایت کی روشنی اقصائے عالم تک پہنچی۔ وقت موعود آیا تو توشہ آخرت سمیٹ کر تشریف لے گئے اور قریب وپاس بیٹھنے والے ان کی صبح وشام دیکھنے والے بے ریائی کی چادر میں لپٹے بیٹھے رہے۔ انہوں نے استاذ ومرشد کی پرنور زندگی کا جلوہ آنے والی نسل کو دکھانے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی کیونکہ نام ونمود سے ان کی زندگی پاک تھی جس کا انجام کار یہ ہوا کہ آج ان کے وارثین اپنے مورث اعلیٰ کے احوال وآثار معلوم کرنے کے لئے دربدر کی خاک چھانتے پھر رہے ہیں اور دنیا کو ان کی روشن زندگی کے آثار دکھانے کی کوشش میں ناکام نظر آرہے ہیں۔

فراموش کردی جانے والی ان ہستیوں میں ایک قیمتی نام حضرت مولانا شاہ حفیظ الدین لطیفی رحمٰن پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا آتا ہے۔ آپ کی زندگی کے آثار کس قدر بے نام ونشان ہیں، اس کا اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ عزیز گرامی مولانا خواجہ ساجد عالم مصباحی نے جب مجھ سے حضرت والا کی حیات وخدمات پر مقالہ لکھنے کا مطالبہ کیا اور پے درپے تقاضے شروع کردئے تو میں تذکرہ علماء اہل سنت میں سیکڑوں علماء کے حالات قلم بند کرنے والے مشہور عالم دین حضرت مولانا شاہ محمود احمد قادری رفاقتی دامت برکاتہم سے حضرت لطیفی علیہ الرحمہ کے متعلق دریافت کیا۔

میرا مقصود یہ تھا کہ آپ کی زبان سے حضرت کی زندگی کے کچھ قیمتی گوشے معلوم ہو جائیں گے تو وہ میرے مقالہ کی شہ سرخی قرار پا جائیں گے اور پھر میرا خامہ چل پڑے گا۔ مگر آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا ''بس اتنا سنا ہے کہ حضرت مولانا حفیظ الدین رحمٰن پوری بڑے عالم تھے، علم و فضل میں آپ کا مرتبہ تھا اس کے علاوہ کچھ نہیں معلوم'' اس جواب پر مجھے تعجب اس لئے ہوا کہ علمائے سلف کے احوال شاید فی زمانہ آپ سے زیادہ کسی کو نہیں معلوم۔ اس کا اندازہ مجھے تذکرہ علماء اہل سنت اور آپ کی مجلسی گفتگو سے تو تھا ہی خاص کر آپ کی تازہ ترین کتاب 'سوانح رفاقتی' کے مطالعہ سے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں جس میں اسلاف کے گم گشتہ و قیمتی خدوخال آپ نے واضح کئے ہیں۔

سواد اعظم اہل سنت کی ایک عبقری شخصیت کے احوال کس قدر پردہ خفا میں ہیں اسے معلوم کرنے کے لئے یہی کافی ہے کہ آپ ہی کے خانوادہ کے ایک نئے فاضل مولانا خواجہ ساجد عالم مصباحی نئی امنگوں کے ساتھ آپ کی شخصیت کا تعارف کرانے کے لئے میدان عمل میں اترے تو انہیں جن ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑا اس کا شکوہ وہ ان لفظوں میں کرتے ہیں۔

''میں گزشتہ سال فرنگی محل اور شبلی نعمانی لائبریری لکھنؤ کا طویل چکر کاٹ بھی آیا ہوں۔ ہاتھوں ہاتھ مواد اور معلومات تو تسخیر میں نہ آئے البتہ کچھ چیزوں کی ممکنہ بازیابی کے لئے راہیں سہل و ہموار کر کے ضرور آیا ہوں۔ تجلیات شرف، نامی کتاب بھی چند سال پہلے منصۂ شہود پر آئی ہے۔ اس میں بھی حضرت لطیفی کا ذکر بار بار ملتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ حضرت لطیفی ہی کے ایک صاحب اختصاص یعنی محبوب شاگرد اور تسکیں جان مرید و خلیفہ حضرت مولانا شاہ شرف الدین چشتی حفیظی، گانگی کشن گنج بانی دارالنور شرفیہ خانقاہ لطیفیہ کی مستند سوانح عمری ہے۔ اے کاش! اگر اس کے مولف محترم ایک استاذ اور مرشد طریقت کی حیثیت سے حضرت لطیفی کے شخصیاتی خدوخال پر اس میں کچھ ضروری معلومات رکھ چھوڑتے تو یہ لطیفی شناسی کی راہ میں ضرور ایک معاون عنصر ثابت ہوتی۔''

(حضرت لطیفی مجلہ ص ۳)

سچی بات کہی ہے خواجہ ساجد نے سوانح نگاری کا اصول بھی یہی ہے۔ استاذ و مرشد ہونے کے ناطے حضرت علامہ لطیفی علیہ الرحمہ کا ایک جامع تعارف تو اس کتاب میں ہونا ہی چاہئے تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ کتاب کے مرتب نے اس ضرورت کی جانب سے صرف نظر کیوں فرمائی۔ میرے خیال میں حضرت مرتب کے سامنے بھی کوائف و احوال کے عدم دستیابی کا مسئلہ رہا ہوگا۔

مقام علم وفضل

عالم اجل فاضل اکمل حضرت مولانا شاہ محمد حفیظ الدین لطیفی رحمٰن پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اعلیٰ صلاحیت اور غیر معمولی قابلیت کی نظیریں اور مثالیں اگرچہ ہمارے پیش نظر نہیں ہیں مگر آپ کے علمی استحضار اور فقہی بصیرتوں کا سراغ اس طرح ملتا ہے کہ حضرت مولانا حافظ سید شاہ انوار الحق شہودی علیہ الرحمہ استاذ حدیث دار العلوم خانقاہ کبیریہ سہسرام کی ایک کتاب سند المحدثین، قطب الارشاد حضرت مولانا سید شاہ شہود الحق الاصدقی الچشتی رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ میں ہے۔ اس میں آپ تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کے ہمدرسوں میں دو ذی علم و ذی وقار بزرگ حضرت مولانا محمد فاروق چریاکوٹی اور حضرت مولانا شاہ حفیظ الدین کٹیہاری دار العلوم خانقاہ کبیریہ میں فیضان درس جاری کئے ہوئے تھے۔ جب جب آپ سہسرام جلوہ افروز ہوتے یہ دونوں بزرگ بعد نماز عشاء آپ کی قیام گاہ پر حاضر ہوتے اور علمی مذاکرہ چل پڑتا تو کھانا رکھا رکھا ٹھنڈا ہو جاتا۔ سہسرام کے دوسرے اہل علم شمالاً اور جنوباً بیٹھے ہوئے ان بزرگوں کی گفتگو سنتے اور حیرت سے سر دھنتے۔

ملک العلماء حضرت مولانا شاہ محمد ظفر الدین بہاری اور سند العلماء حضرت مولانا سید شاہ غیاث الدین اصدقی رحمہم اللہ بھی دار العلوم خانقاہ کبیریہ کی درسیات سے متعلق رہے تھے۔ مگر ان مجلسوں میں ان لوگوں کا تذکرہ تک نہیں ملتا۔ شاید اس لئے کہ ان دونوں کا زمانہ بعد کا تھا کیونکہ یہ دونوں اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں تھے اور مذکورہ بالا تینوں بزرگ آپ کے معاصرین میں تھے۔

شہر مالیر کوٹلہ صوبہ پنجاب کے رہنے والے نہایت تبحر عالم حضرت شاہ محمد عظیم اصدقی الچشتی رحمۃ اللہ علیہ درسیات پر ملکہ تامہ رکھتے تھے۔ دور دور تک آپ کا کوئی مقابل وبدل نہیں تھا۔ شیخ العلماء حضرت مولانا شاہ غلام فرید الدین الصدقی الچشتی استاذ حدیث دارالعلوم خانقاہ کبیریہ سہسرام نے اپنی کتاب 'کرامات اصدقیہ' میں جس طور آپ کے دبدبہ علمی کا ذکر فرمایا ہے کسی اور کا ذکر نہیں کیا ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں:

''آپ ایسے بزرگ عالم تھے کہ سیکڑوں کو اپنے فیضان درس وتدریس سے علامہ عصر بنا دیا تھا۔''

ان علامہ روزگار شخصیتوں میں جو آپ کے تبحر علمی کے مظہر تھے، یہ چند نام بھی ملتے ہیں (۱) یگانہ عصر حضرت مولانا محمد فاروق چریا کوٹی (۲) سندالمحدثین حضرت مولانا حافظ سید شاہ شہود الحق اصدقی الچشتی (۳) فقیہ اجل حضرت مولانا شاہ حفیظ الدین لطیفی کٹیہاری۔ علم وفضل کی ایسی بلند پایہ شخصیت سے شرف تلمذ رکھنے والے اور برسوں آپ کے فیض صحبت میں رہ کر کسب کمال کرنے والے حضرت لطیفی کی علمی پایہ گاہ میں کس کو کلام ہوسکتا ہے۔ صرف آپ کا نام سننے والے بھی اتنا ضرور جانتے ہیں کہ علم وفضل کی دنیا میں بلند مقام رکھنے والی شخصیت کا نام 'مولانا حفیظ الدین کٹیہاری ہے اور کیوں نہ ہو آپ نے دہلی پہنچ کر شاہ ولی اللہ خاندان کی شہرۂ آفاق شخصیت حضرت شاہ مخصوص اللہ اور حضرت شاہ محمد موسیٰ علیہما الرحمہ سے بھی اکتساب علم فرمایا تھا۔

خدمات دینیہ

مولانا لطیفی اس دور کے علماء تھے جس دور کے علمائے اسلام کو نفس کا عفریت زیر نہیں کر سکتا تھا اور خود غرضی کا دیوان کے در تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ یہ لوگ رضائے الٰہی کے لئے حصول علم کرتے تھے۔ اور اشاعت دین محمدی کے لئے ہمہ دم کوشاں رہتے تھے۔ دہلی، خیرآباد، بدایوں، بریلی، رام پور اور حیدرآباد ان تمام مراکز اہل سنت میں گھوم جائیے۔ اس دور کے علمائے حق کہیں بھی نفسانیت کے شکار اور خود غرضی کے اسیر نہیں ملیں گے۔ وہ دور پاکان

امت کا دور تھا اور علماء آیت کریمہ 'انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء' کی تفسیر تھے۔ وہ خدا ترسی کے کمبل پر بیٹھ کر اور بے ریائی کی ردا اوڑھ کر کار آخرت سے شغف رکھتے تھے۔
ان ہی خدا ترس علماء کی کوششوں کا ثمرہ اور ان کی شبانہ روز کی محنتوں کا نتیجہ کہئے کہ آج سنیت کی کھیتی ہر طرف ہری نظر آرہی ہے۔ جس علاقے اور جس نواح میں ایک عالم دین پیدا ہو جاتا وہ خدا کا عطیہ اور انعام تصور کیا جاتا۔ ان کی بے لوث خدمات وہاں نقشہ بدل دیتیں۔ علم کا چراغ روشن ہو جاتا اور ہدایت کی شاہراہ پر چہل پہل نظر آنے لگتی لوگوں کے دلوں کے دروازے کھل جاتے اور کشت راز قلب پر ایمان ویقین کا پودا اگ آتا۔
اس انقلاب کی اصل وجہ یہ تھی کہ ہمارے اسلاف واکابر دلق اویس اور گلیم بوذر پہ نازاں رہتے۔ بوریہ اور چٹائی کو تخت طاؤس تصور کرتے اور کبھی دنیاداروں کے شاہانہ کروفر سے مرعوب نہ ہوتے۔ وہ نان شبینہ پر ہمیشہ شاد نظر آتے اور کبھی حرام لقمہ تر کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتے۔ اور آج ہمارے زوال کے اسباب یہ ہیں کہ علماء کا دنیاداروں کے ہمدوش آنے کا مزاج بن گیا ہے۔ کوٹھی اور بنگلہ پر ان کی نگاہیں جمی ہوئی ہیں۔ حرام وحلال کی سرحد پار کر کے لقمہ تر کی جستجو میں سرگرداں ہیں۔ قناعت کا دامن ہاتھوں سے چھوٹ چکا ہے اور حرص پابہ زنجیر ہو چکی ہے۔ اب خال خال ہی علماء دیکھے جاتے ہیں جن کے قدم رضائے الٰہی کی راہ پر جمے ہوئے ہیں اور طمع سے ان کا دامن پاک ہے۔ ڈاکٹر اقبال نے سچ کہا ہے:۔

سبب کچھ اور ہے جسے تو خود سمجھتا ہے
زوال بندۂ مومن کا بے نوری سے نہیں

فاضل اجل حضرت مولانا شاہ حفیظ الدین کٹیہاری روشنی کا مینار بن کر وطن وارد ہوئے اور پورا علاقہ آپ سے مُسْتَنِیر ہوا۔ محراب ومنبر آباد ہوئے۔ دینی درس گاہ روشن ہوئی۔ قلوب واذہان منور ہوئے اور اطراف وجوانب میں فیضان کے چشمے جاری ہو گئے اور لوگ جوق در جوق حلقہ ارادت میں در آئے۔ کیوں؟ اس لئے کہ خدا ترسی آپ کا مزاج تھا۔ اتباع نبوی آپ کی عادت کریمہ تھی۔ للّٰہیت کی راہ پر آپ کا قدم تھا۔ اخلاص عمل پر آپ

کی نظر تھی۔ اللہ رب العزت اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا وخوشنودی آپ کے ہر بڑھتے قدم کا مقصود تھی۔ حضرت امید فاضلی نے سچ کہا ہے:

ہر عمل منسوب ہو جس کا خدا کے نام سے
کوئی اس انسان کو، تسخیر کرسکتا نہیں

حیات حفیظی کے مرتب نے پورنیہ کٹیہار کے دینی علاقوں کو دینی بے راہ روی اور اسلامی آداب ورسوم سے دوری کی تصویر کشی کی ہے اور یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ مسلم گھرانا بھی مشرکانہ رسوم میں مبتلا تھا۔ دولت مند اور تعلیم یافتہ گھرانے ان عیوب سے پاک تھے تو ان کے یہاں بھی رقص وسرور کا چلن عام تھا۔ زندگی کی ساٹھ منزلیں گزار دینے کے بعد حضرت لطیفی نے ایسے پراگندہ ماحول میں ۱۳۱۲ھ میں قدم رکھا تو عزم جواں کے ساتھ ان کے اصلاح حال کا بیڑا اٹھایا۔ ''حیات حفیظی'' کے مرتب ص ۷ پر اس طرح رقمطراز ہیں:

''آپ نے پوری تندہی اور فعالیت کے ساتھ یہاں کے مسلمانوں میں رچے بسے غیر اسلامی افکار وافعال کی بیخ کنی کی۔ خلاف شرع عادات واطوار کا استیصال کیا۔ اسلام کے ان نام لیواؤں کو خود اسلامی عقائد واعمال بتائے۔ مذہبی اصول وفروع سکھائے۔ اخلاص وآداب سنت سے روشناس کرایا۔ اس اصلاحی تحریک کو موثر ومستقل بنانے کے لئے ''مدرسہ خانقاہ لطیفیہ'' منصۂ شہود پر لایا۔

اس سے بڑا فائدہ حاصل ہوا۔ چند برسوں میں ہی باصلاحیت شاگردوں کے کئی ایسے گروہ نکلے جو آپ کے مخصوص دینی کام میں ممد ومعاون ثابت ہوئے۔ آپ نے ان کی معیت میں قصبہ قصبہ، قریہ قریہ تقاریر وخطبات کے ذریعہ رشد وہدایت اصلاح وتذکیر کا عمل انجام دینا شروع کیا۔ ان مسموم حالات ومریض ماحول کے لئے یہ لائحہ عمل تریاق واکسیر ثابت ہوا کہ جس نے پورے بھیا تک منظر نامے کی کایا پلٹ دی۔''

آج پورنیہ کٹیہار کے مسلم علاقوں میں سیکڑوں اسلامی ادارے مصروف کار ہیں جن کی خدمات دینیہ کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اولین خدمت گاروں اور ان کاوشوں کو بھلایا بھی نہیں جاسکتا ہے کیونکہ سنگلاخ زمینوں میں پہلی کاشت کرنے والا مشقتوں سے

گزرا کرتا ہے۔ یہ اہل نظر پر مخفی نہیں ہے۔

حضرت لطیفی علیہ الرحمہ والرضوان نے جس زمانے میں وطن مراجعت فرمائی تھی اور گم گشتگان راہ کی رہنمائی کا بیڑا اٹھایا تھا ذرائع ابلاغ نہیں رہے ہوں گے۔ رسل ورسائل کی سہولتیں نہیں رہی ہوں گی۔ سڑکیں ناہموار اور سواریوں کا مرحلہ دشوار رہا ہوگا۔ طباعت اور اشاعت کا مسئلہ کٹھن رہا ہوگا۔ لوگوں تک پہنچنا، انہیں اکٹھا کرنا، ان تک اپنا پیغام پہنچانا یہ سارے مسائل مشکل ترین رہے ہوں گے۔

بایں ہمہ خدمت خلق کے لئے کمربستہ ہونا، مشکلات کا سامنا کر کے بندگان خدا تک پہنچنا اور ان تک اپنی آواز پہنچانا، چراغ ہدایت کے لئے قریہ قریہ پھر کر مسلم گھرانوں میں روشنی پہنچانا، جان جوکھم میں ڈال کر مسجد و مدرسہ تعمیر کرنا، فرزندان اسلام کا مستقبل سنوارنے کے لئے ہر جتن گوارا کرنا۔ ایسے کام نہیں ہیں جو نظر انداز کر دئے جائیں اور یہ جہد مسلسل بھلا دیئے جانے کے قابل نہیں ہیں۔ گوشہ چلہ کی ہزار صعوبتیں ان خدمات جلیلہ پر قربان کی جاسکتی ہیں۔ مخدوم سعدی شیرازی قدس سرہ نے ایسی خدمات کو اصل طریقت کا نام دیا ہے۔

طریقت بہ جز خدمت خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ ودلق نیست

عزیز گرامی مولانا خواجہ ساجد عالم مصباحی لائق مبارک باد ہیں "جنہوں نے فاضل اجل حضرت مولانا شاہ حفیظ الدین لطیفی علیہ الرحمہ کی کتاب زندگی کے منتشر اوراق کو جمع کر کے ارباب فکر و نظر تک پہنچانے کا عزم کیا ہے اور اپنی بساط بھر اس کے لئے کوشاں ہیں۔ اپنے اسلاف کی گراں قدر خدمات سے اہل زمانہ کو متعارف کرانا دستور زمانہ بھی ہے اور لائق جانشینوں کا منصبی فریضہ بھی۔ مولائے کریم بکرم حبیبہ النبی الکریم علیہ التحیۃ والتسلیم آپ کی کوششیں بارآور فرمائے۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں امین باد

حضرت لطیفی کا ہر لمحہ عشق مصطفیٰ سے سرشار تھا

حضرت علامہ ڈاکٹر مفتی ارشاد احمد ساحلؔ سہسرامی
سابق استاذ و مفتی جامعہ اشرفیہ مبارک پور، ریسرچ اسکالر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

ملک العلماء حضرت علامہ شاہ محمد ظفر الدین قادری رضویہ علیہ الرحمہ خلیفہ و مسترشد و تلمیذ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے قیام سہسرام کے دورانئے کی معلومات جب فراہم کر رہا تھا۔ اس وقت حضرت شاہ حفیظ الدین علیہ الرحمہ (متوفی ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۵ء) کے اسم گرامی سے متعارف ہوئے کیونکہ آپ کے وصال کے بعد ہی خانقاہ کبیریہ کو نئے صدر المدرسین کی ضرورت محسوس ہوئی اور صاحب سجادہ شاہ ملیح الدین کبیری کی طلب پر اعلیٰ حضرت نے ملک العلماء کو سہسرام روانہ فرمایا تھا۔ پھر عزیز القدر مولانا خواجہ ساجد عالم مصباحی جو حضرت شاہ حفیظ کے فرد خاندان ہیں، نے جامعہ اشرفیہ کے دوران ملازمت مجھ سے سہسرامی ہونے کی نسبت سے اپنے جد کریم کے سلسلے میں ماخذ کی نشاندہی چاہی تو دوسری بار یہ مقدس نام ذہن و دماغ کے پردے پر چمک اٹھا اور اب ۱۹ مارچ ۲۰۰۹ء بروز جمعرات دربار حفیظی میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی تو ایسا لگا کہ جیسے کسی خیابان سعادت میں پہنچ گئے ہوں۔

حضرت شاہ حفیظ ایک صاحب ثروت اور دیندار گھرانے کے فرد، بحر العلوم علامہ عبد الحلیم فرنگی محلی، شاہ مخصوص اللہ اور شاہ موسیٰ دہلوی کے فیض یافتہ اور بارگاہ عشق متن گھاٹ پٹنہ کے دست گرفتہ اور خلیفہ صاحب حال بزرگ تھے۔ درس و افادہ، تصنیف و تالیف، شعر و سخن اور اصلاح و تربیت آپ کے مشاغل حیات تھے، آپ کے تلامذہ اور مسترشدین کی خاصی تعداد رہی ہے جو خود بھی بہت با فیض گزرے ہیں۔ ناچیز سلطان شیر شاہ سوری کا ہم وطن ہے جہاں حضرت حفیظ الدین علیہ الرحمہ نے اپنی زندگی کے قیمتی بارہ

سال گزارے ہیں۔ اس لئے آپ کی سہسرامی نسبت فیض کا احقر بہت قدرداں ہے۔ خانقاہ عالیہ کبیریہ سہسرام جہاں آپ نے فیوض و نور پائے بھی اور تقسیم بھی کئے اپنے وقت کا ممتاز ترین ادارہ تھا۔ اس کا اپنا بہت قیمتی اور وسیع کتب خانہ تھا انیسویں صدی میں جب کہ پریس کا رواج نہیں تھا اس کا کبیری پریس تھا۔ اجلہ علماء اس ادارے کے اراکین میں شامل تھے۔ ایسے عظیم اور مرکزی ادارے کی علمی بزم کا صدر نشین ہونا خود اپنے آپ میں حضرت شاہ حفیظ الدین علیہ الرحمہ کی عظمت کا اعلامیہ ہے۔ یہی خانقاہ کبیریہ ہے جہاں آپ کی نسلیں رواں ہوئیں، جہاں آپ کی کئی تصانیف مکمل ہوئیں۔ جہاں آپ کے ممتاز اور قابل فخر تلامذہ کی صفیں تیار ہوئیں۔ ان میں حضرت مولانا شاہ محمد عثمان سہسرامی مہاجر مکّی استاذ جامعہ صولتیہ مکہ مکرمہ بہت تقدس مآب، صاحب وجاہت اور علمی و روحانی سطح پر بافیض شخصیت گزری ہے۔ حضرت علامہ شاہ حفیظ الدین علیہ الرحمہ کی دوسری خصوصیت تصلب فی الدین ہے، جس نے ناچیز کو خصوصیت کے ساتھ متوجہ کیا۔ ردندوہ کے اجلاس میں شرکت اپنے تلامذہ کو وہابیوں کی سرکوبی کے لئے آمادہ کرنا اور اپنے فرزند بدل بند کو دارالعلوم دیوبند کے سائے سے دور رکھنا آپ کے مذہبی تصلب کی دلیل ہے اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ آپ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ کے ذیشان خاندان کے دو جلیل القدر فرزند حضرت شاہ مخصوص اللہ دہلوی اور حضرت شاہ موسیٰ دہلوی کے فیض یافتہ شاگرد تھے۔ یہی پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے ہندوستان میں ردوہابیت میں پہل کی اور نمایاں کردار ادا کیا، امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ سے شاہ حفیظ کو خصوصی ربط تھا۔

تصنیفی سطح پر آپ کی بیس سے زائد یادگاریں ہیں، بیشتر یا تو تصوف سے متعلق ہیں یا درسیاتی کتب کی شرح وتحشیہ سے۔ مزاج صوفیانہ اور اصلاحی تھا، اس لئے تصنیف میں بھی وہی رنگ نمایاں ہے۔ فارسی زبان پر خاص دسترس تھی، اس لئے تصنیف اور شعروسخن کی زمین زیادہ تر فارسی رہی۔ اسلوب متوسط طرز کے فارسی ادب کی نمائندگی کرتا ہے۔ کیا ہی بہتر ہوتا کسی مرکزی یونیورسٹی کے شعبہ فارسی سے حضرت شاہ حفیظ الدین علیہ الرحمہ پر کوئی صاحب ذوق پی ایچ ڈی کر لیتے۔

غرض ہر سطح پر حضرت شاہ حفیظ الدین علیہ الرحمہ نے اپنے مقصد تخلیق بہترین طریقے سے پورا کیا۔ شان عبدیت برقرار رکھی، ہر سطح پر فیض رساں رہے، خداترس خدا شناس، خدا جو اور خدا پرست رہے۔ پیشانی کسی دنیادار کے سامنے خم نہ ہوئی۔ ہر سانس ذکر خدا، یاد مصطفیٰ سے آباد تھی، ہر لمحہ عشق مصطفیٰ سے سرشار تھا، ہر پل امت مصطفوی کی خدمت میں مصروف اس لئے آپ کے حصار کرم میں جن وانس دونوں نیازمند گروہ سمٹے ہوئے تھے اور زمانے کی گردش آپ کی نگاہ کرامت کی گرفت میں تھی اور کیوں نہ ہو ؎

کی محمد سے وفا تونے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں

تعارف حضرت شاہ حفیظ الدین لطیفی برہانی قدس سرہ النورانی

حضرت علامہ مولانا مفتی نورالزماں مصباحی
سابق شیخ الحدیث دارالعلوم شاہ عالم احمد آباد گجرات

مشرقی بہار کی شہرۂ آفاق ندی 'مہانندا' کے کنارے بہت ساری علمی وادبی اور تہذیبی وسماجی ہستیاں محو خواب ابدی ہیں۔ کافی زیادہ دنوں کی بات نہیں صرف ڈیڑھ دو سو سال کی مدت ہی میں یہاں بڑے قدآور اور صاحب کمال وجمال حضرات کی ایک ایسی قابل ذکر ولائق فخر جماعت گزری ہے کہ آج جن کی علمی وقلمی کاوشات اور دیگر مذہبی خدمات وکارناموں کے اجلے اجلے نقوش وآثار بتارہے ہیں کہ یہ کیسے کیسے لوگ تھے اور ان کی قدرومنزلت وزن وقیمت کیا درجۂ اعتبار رکھتی ہے......؟ تاریخ ومرور ایام کی عجب ستم ظریفی ہے کہ ان حضرات کے واقف کاروں نے ان کی تحریرات وتصنیفات اور ملی وسماجی خدمات وکارگزاریوں کے نشانات وحالات کو کاغذ وقلم کی امانت میں نہ دیا اور نہ ہی غیروں کو اس عمل کے لئے آمادہ کیا یا کم از کم توجہ ہی دلا کر خلوص وخیر خواہی کے باب میں نام درج کرانے کی زحمت گوارہ فرمائی۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ علم وادب فکر وفن اور محاسن وفضائل کی کائنات کے ان بلند میناروں سے خود اس دیار کے خواص وعوام انصاف کی حد تک آگاہ نہیں ہیں۔ آج اگر ان شخصیات کی حیات وخدمات پر کوئی ریسرچ وتحقیق کے شوق کو آسودہ کرنا چاہے گا تو اس راہ میں اسے جوئے شیر لانے سے بھی گراں سودا کرنا پڑے گا۔

قدوۃ العلماء، زبدۃ الفضلاء مولانا حفیظ الدین لطیفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسی مشرقی بہار کے مردم خیز خطہ رحمٰن پور بارسوئی کٹیہار بہار سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کی بھی شخصیت لوگوں کی قدر ناشناسی وعدم توجہی اور مجرمانہ غفلت وفراموشی کا شکار ہوئی۔ یہی سبب ہے کہ ایک صدی قبل کی یہ مایہ ناز عبقری ہستی آج دیار غیر تو چھوڑئے خود اپنے وطن میں اجنبیت کی

المنا کی سے دوچار ہے۔ حالانکہ حضرت مولانا لطفی کی ذات اپنے علمی و قلمی قد اور بے پناہ ملی اور جماعتی کاوشوں ومساعی کے تناظر میں حد درجہ جذب وکشش کا مادہ رکھتی ہے۔

آپ ۱۲۴۵ھ میں کتم عدم سے عالم وجود میں آئے۔ والد ماجد کا نام شیخ حسین علی تھا۔ شیخ موصوف ایک دیندار رئیس اور بہت اثر ورسوخ کے حامل معزز انسان تھے۔ حضرت لطفی جب سن شعور کو پہنچے تو گھریلو مکتب میں تعلیم ودرس کا آغاز کیا پھر جب ابتدائی فارسی وعربی درجات کی تکمیل ہوگئی اور پھر اعلیٰ تعلیم کی طرف رجحان پیدا ہوا تو اس مقصد کی حصولیابی کی خاطر لکھنؤ کی راہ لی کہ جہاں فرنگی محل کی عظمت وشہرت ہفت افلاک کو چھورہی تھی حضرت لطفی وہاں پہنچے تو حضرت مولانا فاروق چریاکوٹی، حضرت مولانا عبدالعلیم آسی غازی پوری، حضرت مولانا سید شاہ شہود الحق بہاری قدست اسرارہم جیسے نہایت ذہین وذی استعداد اور شریف ومخلص ہم درس ملے۔ آپ نے فرنگی محلی کے اساتذہ کے پاس ایک عرصہ دراز تک زانوئے ادب تہہ کیا۔ بعدہ تکمیل علم کے لئے دہلی کا سفر فرمایا اور یہاں حضرت مولانا شاہ مخصوص اللہ وحضرت مولانا شاہ موسیٰ علیہما الرحمہ والرضوان سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ اور دستار وسند سے سرفراز ہوئے۔ اس کے بعد تدریس وتصنیف کے میدان میں قدم رکھا۔ مدرسہ شاہ جہاں پور یوپی مدرسہ مجگواں بھاگلپور بہار، مدرسہ وخانقاہ کبیریہ سہسرام، مدرسہ اساقت رحمت محمدیہ اسٹیٹ پورنیہ میں برسہا برس تعلیم دی اور سیکڑوں وہزاروں طالبان علوم نبویہ کے قلوب وجگر کو دولت علم ومعرفت سے مالا مال فرمایا۔ مدرسہ وخانقاہ کبیریہ سہسرام آپ کی تدریسی زندگی کے اہم پڑاؤ کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہاں آپ نے کم وبیش بارہ سال تک بطور صدر المدرسین ومہتمم قیام فرمایا۔ اور اپنے علمی وقلمی، اخلاقی وباطنی محاسن اور اوصاف کے لازوال اثرات ونقوش ثبت کئے۔ درس وتدریس کے علاوہ یہاں آپ نے کار افتا اور تصنیف وتالیف نیز تبلیغ وارشاد کا بیش بہا کارنامہ بھی انجام دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہیں آپ کی علمی شخصیت وبوقلمونی وجود نے اپنے حیرت انگیز کمالات وحسن استعداد کے جلوے دکھائے۔ یہاں آپ کی درس گاہ فیض بخش میں جس نے بھی خوشہ چینی کی وہ بڑے صاحب فضل وکمال بن کر نکلے اور دین ودنیا میں عظیم مراتب پر فائز ہوئے۔

ان حضرات کی لمبی فہرست ہے خوف طوالت کی وجہ سے صرف دو نامور و بلند اقبال ہستی کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ایک ہیں جامع معقول و منقول حضرت مولانا محمد عثمان شاہ آبادی سابق مدرس اول مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ جو اپنی تصنیفات و تالیفات و تدریسی تجربہ کے سبب عرب و عجم میں متعارف ہوئے اور علمی و فکری دنیا میں بہت نام کمایا۔ مولانا موصوف منطق و فلسفہ میں قابل رشک عبور رکھتے تھے۔ ان فنون میں آپ نے ایک درجن سے زائد کتابیں بھی تصنیف فرمائی ہیں۔ اہل حجاز کے اصرار پر جب آپ مدرسہ صولتیہ وارد ہوئے تو وہاں جی کھول کر تصنیفی کام کیا۔ ایک قلیل مدت میں 'حمد اللہ' صدرا اور ان جیسی دیگر کئی اونچی اونچی کتابوں کی شرح وحاشیہ اپنے قلم خوش خرام سے رقم فرمائی۔ دوسرے ہیں فخر العلماء والمحدثین حضرت مولانا فرخند علی فرحت سہسرام (والد ماجد مولانا کامل سہسرامی) بانی دار العلوم خیریہ نظامیہ سہسرام، جو فقہ و افتا اور تفسیر وحدیث میں بے نظیر بصیرت و دسترس کے حامل تھے۔ شمال مشرقی ہند کے معاصر ارباب فقہ و افتا آپ کو قدر و وقار کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور بروقت ضرورت آپ سے استفادہ و مراجعت بھی کیا کرتے تھے۔ مدرسہ خیریہ نظامیہ سہسرام کی درس گاہ سے آپ نے کثیر نابغہ روزگار علماء فضلا پیدا کئے ہیں۔

حضرت لطفی نے تصنیف و تالیف کا مشغلہ بھی یہاں خوب زور و شور سے جاری رکھا۔ فارسی و عربی شعر و ادب پر ایک ضخیم دیوان 'دیوان لطفی'، تصوف کے اسرار و رموز پر مشتمل 'لطائف حفظ السالکین' درس نظامیہ کی معروف و نصابی کتاب ''میزان منطق'' کی نہایت عمدہ و محققانہ اور مبسوط شرح 'فوائد نوریہ' یہیں زیور تحریر سے آراستہ ہوئی۔

شادی اور اولاد امجاد

تحصیل علم سے فراغت کے بعد آپ پٹنہ سٹی متصل بہ تکیہ عشق میں مقیم رہے۔ اسی دوران وہاں کے کسی قریبی شخص کے ذریعہ مگھواواں بہار شریف میں جناب سید عبد الکریم صاحب مرحوم کی لڑکی سے آپ کی رسم شادی خانہ آبادی طے پائی۔ جناب سید صاحب ایک دیندار اور پاکیزہ اوصاف و خصائل کے مالک، لیکن مالی لحاظ سے کمزور انسان تھے۔ مگر

چونکہ حضرت لطیفی کو انتخاب میں دین پرور و مذہب پسند خاندان مطلوب تھا۔ سو وہ سادات گھرانے کی صورت میں موجود تھا۔ اس لئے بصد رضا و رغبت اس رشتے کو قبول فرمایا اور پھر بہر نوع اس کے حقوق و فرائض کی ادائیگی میں تادم آخر اسوۂ رسول کی پیروی کی، آپ کی چھ اولادیں ہوئیں۔ تین صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں، صاحبزادوں کے نام حسب ترتیب یوں ہیں (۱) حضرت مولانا امام مظفر حسین (۲) حضرت مولانا مخدوم شرف الھدی (۳) حضرت مولانا خواجہ وحید اصغر علیہم الرحمۃ والرضوان۔

بیعت وخلافت

دستیاب شدہ معلومات واطلاعات کے مطابق تدریسی دور میں ہی آپ بیعت وخلافت کی سعادت سے سرخرو ہوئے۔ پٹنہ سٹی میں دریائے گنگا کے ساحل پر پرسکون محلہ 'متن گھاٹ' آباد ہے یہاں اڑھائی صدی قبل ایک مرد درویش وصاحب دل صوفی اور ممتاز ترین اہل دیوان شاعر حضرت سیدنا مولانا شاہ رکن الدین عشق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۲۰۳ھ) نے ایک خانقاہ بنام 'خانقاہ عشق' کی بنیاد رکھی اور سجادۂ فقر وتصوف بچھا کر باطنی امراض کا مداوا شروع فرمایا۔ ن کے بعد وصال ان ہی کی نسل اور حسب ونسب کے لائق وفائق افراد ورجال اس مبارک سلسلے کو آگے بڑھاتے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت مولانا شاہ خواجہ لطیف علی قدس سرہ کا مقدس زمانہ آیا۔ حضرت لطیفی ان ہی بلند پایہ بزرگ سے وابستہ ہوئے اور ان کی صحبت میں بارہ سال رہ کر منازل سلوک وجادۂ طریقت سے آشنائی حاصل کی۔

وطن واپسی اور دینی قلمی خدمات

طلب علم اور پھر درس وتدریس میں آپ نے اپنی زندگی کی چھ دہائی بیرون وطن بسر فرمائی۔ ساتویں دہائی کے اوائل میں وطن مالوف تشریف لائے۔ یہاں آ کر "مدرسہ وخانقاہ لطیفیہ" قائم فرمایا اور ایک عالیشان مسجد بھی تعمیر فرمائی۔ ان دنوں اس خطہ میں مدرسہ اساقت رحمت محمدیہ اسٹیٹ پورنیہ کے علاوہ کہیں بھی کوئی تعلیمی ادارہ نہیں تھا۔ اس لئے فطری طور پر مدرسہ وخانقاہ لطیفیہ کے قیام کی خوب پذیرائی ہوئی اور اس کا والہانہ استقبال کیا گیا۔

کچھ ہی مدت میں علاقائی سطح پر طالبان علوم نبویہ کی ایک قابل ذکر تعداد اس ادارے سے فیضیاب ہوئی اور پھر جنہوں نے اپنے اپنے علاقے میں مدرسہ اور دینی مکاتب کی صفیں کھڑی کیں۔ جامعہ لطیفیہ بحرالعلوم، دارالعلوم لطیفی اور دارالنور شرفیہ لطیفیہ جیسے فعال وبا وقار ادارے اور تعلیمی وتربیتی مراکز اسی مدرسہ وخانقاہ لطیفیہ کی تعلیمی تحریک اور جدوجہد عمل کے آثار وعلامات ہیں۔ صحیح معنوں میں ایک چراغ کیا جلا کہ اس سے ان گنت چراغ جل اٹھے۔ یہاں بھی آپ نے قلمی کام کیا اور متعدد علوم وفنون پر درجن بھر سے زائد کتابیں تحریر فرمائیں۔ **مکتوبات لطیفی رقعات لطیفی، جبریس الغیب خذبجد، بماغنی من الکلام، تسھیل التصریف اور عجالعہ نافعہ** وغیرہ وکتب ورسائل جو عربی وفارسی اور اردو زبانوں میں ہیں۔ یہیں تحریر کی لڑی میں پروئے گئے۔ مذکورہ بالا تصنیفات اورتالیفات میں مکتوبات لطیفی شاہ کار کا درجہ رکھتی ہے۔

اس میں حضرت نے فقہ وکلام اور تصوف وسلوک کے ڈھیروں مسائل واحکام کو موضوع سخن بنایا ہے اور اپنی نادر تحقیقات ونفیس نکات کا ایک عجیب سماں باندھ دیا ہے۔ مسئلہ امتناع کذب باری کہ جسے حریفان اہلسنّت وجماعت نے چھیڑ کر مسلم الثبوت اسلامی عقائد میں ایک نزاع کھڑا کر دیا تھا۔ آپ نے اپنی علمی شوکت اور خاراشگاف قلم سے اس مسئلے پر ان لوگوں کی اچھی خبر لی ہے اور انہیں چوطرفہ طریقے سے گھیر کر خوب منہ توڑ دندان شکن جواب دیا ہے۔ بعض مکاتیب خصوصیت کے ساتھ باطل فرقوں کی ردوابطال ہی لکھے گئے ہیں کہ جن میں احقاق حق پر پختہ دلائل وبراہین کا انبار ہے۔ اکثر مکاتیب تصوف وسلوک کے موضوع کا احاطہ کئے ہوئے ہیں جو درحقیقت بنیادی موضوع سے حق وانصاف کا ناگزیر تقاضا بھی ہے۔ ان مکاتیب میں اس فن کے دقائق واسرار بڑے دلنشیں اسلوب میں واضح کئے گئے ہیں۔ مختصر یہ ہے کہ ''مکتوبات لطیفی'' پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

بعض مشہور رفقاء

تحریک جدوہ در دتحریک ندوہ کے حوالے سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی،

تاج الفحول حضرت علامہ عبد القادر بدایونی اور حافظ بخاری حضرت علامہ عبد الصمد سہسوانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ساتھ آپ کی قربت ورفاقت اور ہم مجلسی کا ثبوت ملتا ہے۔
واقعہ یہ ہے کہ جب تحریک ندوہ کی شرانگیزی وفتنہ سامانی حد سے فزوں میں ہوئی تو ان مذکورہ الصدر حضرات نے اس کے بالمقابل تحریک جدوہ کی داغ بیل ڈالی اوراس کے پلیٹ فارم سے اصلاح امت وفروغ دین کا کام شروع فرمایا۔اس مہم کی بھرپور کامیابی کے لئے چونکہ ہم فکر وخیال افراد ورجال کی ضرورت تھی اس لئے ان بزرگوں نے ملک بھر کے طول وعرض سے اکابر اعاظم علماء ومشائخ اہلسنّت کواس تحریک سے جوڑنا چاہا۔حضرت لطفیؔ اسی موقع پر ان حضرات سے قریب ہوئے اور پھر رفتہ رفتہ اِن بزرگوں کے درمیان باہمی وابستگی استوار ہوئی۔ان جلیل القدر ہستیوں کے علاوہ یہ حضرات قدسیہ بھی آپ کے احباب وہم مجلسوں میں تھے۔حضرت مولانا شاہ امین احمد،حضرت مولانا قاضی عبدالوحید فردوسی،حضرت مولانا قادر بخش سہسرامی اور حضرت مولانا شاہ ملیح الدین کبیری سہسرامی علیہم الرحمہ والرضوان۔

عقیدہ ومسلک

جیسا کہ ابھی ابھی آپ نے پڑھا کہ دیوبندیوں، وہابیوں اور رافضیوں اور دیگر باطل ٹولیوں نے اتحادویکجہتی کے ساتھ اجتماعی طور پر جب اپنے کھچڑانما غیراسلامی عقائد ونظریات کی ترویج واشاعت کی خاطر 'تحریک ندوہ' قائم کی تو بروقت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی، تاج الفحول حضرت علامہ عبدالقادر بدایونی، حافظ بخاری حضرت علامہ عبدالصمد سہسوانی اور تاج المحدثین حضرت مولانا شاہ وصی احمد محدث سورتی وغیرہم سربرآوردگان اہل سنت والجماعت نے بھی ایک دوسری تحریک بنام 'تحریک جدوہ' کی بنیاد رکھی تاکہ باطل ٹولیوں وگمراہ فرقوں کی سازشوں وکوششوں کوموت کے گھاٹ اتارا جاسکے۔
تحریک جدوہ میں حضرت لطفیؔ نے بھرپور حصہ لیااور مشرقی بہار کی نمائندگی کا حق ادا کردیا۔
حضرت لطفیؔ کے اعتقادی ومسلکی خطوط کوواضح ومتعین کرنے کے لئے صرف اورصرف یہی ایک ہمالہ پہاڑ جیسی مثال کافی ووافی وشافی ہے۔تاہم کچھ مدت سے چونکہ بعض کرم

فرما حضرات کتابیں چھاپ کر مضامین لکھ کر حضرت لطیفی کے عقیدہ و مسلک کے تعلق سے غلط فہمی پھیلانے اور غلط بھرم باندھنے میں خون پسینہ ایک کر رہے ہیں اور خوش فہمی میں مبتلا ہو کر خوب بغلیں بجا رہے ہیں کہ صاحب ہم نے نشانے پر تیر مار دیا اس لئے اب سخت ضرورت پڑ گئی ہے کہ اس حوالے سے ان یار لوگوں کی کتاب و قلم کا بھانڈا پھوڑا جائے اور ان کے گمراہ کن پروپیگنڈوں کا باضابطہ آپریشن کیا جائے۔ واضح رہے کہ مخالفین و معاندین اور حاسدین کی یہ حرکت جو حضرت لطیفی کے ساتھ ہو رہی ہے کوئی نئی و اچنبھے کی بات نہیں ہے۔ اس طرح کی حرکت کا سلسلہ بہت دراز ہے اور اس کی تاریخ بھی بہت پرانی ہے۔

صدیوں پیچھے مت جائے اور کہیں دور کے لئے رخت سفر بھی نہ باندھئے۔ یہ لیجئے شہیر عرب و عجم حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے ملاقات کیجئے۔ آپ سُلطانُ السلاطین حضرت شاہ اورنگ زیب عالمگیر علیہا الرحمہ والرضوان کے دور سلطنت کے ٹھیک بعد کے ایک شہرہ آفاق بزرگ اور عالمی شہرت یافتہ مفکر و دانشور ہیں۔ آپ اہلسنّت والجماعت کے متفقہ مقتدیٰ و پیشوا تھے اور آپ نے پوری مشقت کے ساتھ سنی تعلیمات و ارشادات کو زبان و تحریر کے ذریعے پھیلانے میں ساری عمر عزیز لگا دی تھی۔ یہاں تک کہ اہلسنّت والجماعت کے عقائد و نظریات معاشرے میں خوب پھلے پھولے لیکن المیہ یہ ہے کہ آپ کے وصال مبارک کا زیادہ زمانہ نہیں گزرا کہ مخالفین اہلسنّت یعنی انہی دیوبندیوں وہابیوں نے انہیں دیوبندی و وہابی عقائد کا پیامبر اور علمبردار بتانے کے چکر میں ہر وہ ہتھکنڈہ اپنایا اور ہر وہ اوچھی حرکت انجام دی کہ کسی شریف و صحتمند آدمی سے جس کی امید نہیں کی جا سکتی تھی۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتابوں میں فرضی عبارتیں گھسیڑی گئیں، نقلی پیراگرافس تحریر کئے گئے، سوانحی کتابوں و مضامین میں مطلب برآری کے لئے جعلی حکایات و واقعات کا فسانہ گڑھا گیا۔ حد تو اس وقت ہو گئی کہ جب (ا) قرۃ العین فی ابطال شہادۃ الحسین (ب) بلاغ المبین (ج) تحفۃ الموحدین جیسی کئی اور نقلی و جعلی اور فرضی کتابیں حضرت محدث دہلوی کی جانب منسوب کی گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بالکل ٹھیک اسی طرح کی کچھ گھٹیا حرکت و شرمناک سازش ایک زمانے سے حضرت لطیفی کے عقیدہ و مسلک کے ساتھ رچی جا رہی

ہے۔اس مختصر تحریر میں گنجائش نہیں ورنہ اس سلسلے میں دل کھول کر بھرپور گفتگو کی جاتی۔

اب اس عنوان کے تحت اخیر میں یہی چند کلمات کہہ کر گزر جانا چاہتا ہوں کہ حضرت مولانا شاہ حفیظ الدین لطیفی برہانی ابوالعلائی علیہ الرحمہ والرضوان اہلسنت والجماعت جسے آج کی اصطلاح میں 'بریلویت' کہا جاتا ہے کے صراط مستقیم پر نہ صرف گامزن بلکہ اس کے بہادر سپاہی اور سرفروش مرد مجاہد تھے۔ چودھریں صدی ہجری میں اعلیٰ حضرت بریلوی محدث سورتی، تاج الفحول بدایونی، حضور اشرفی کچھوچھوی، حضرت آسی غازیپوری، شیخ الاسلام حیدرآباد وغیرہم کے ذوات قدسیہ سے عالمی سطح پر اہلسنت والجماعت کی جو پہچان بنی حضرت لطیفی اسی نورانی قطار کے ایک فرد اور اس زریں سلسلے کی ایک اٹوٹ کڑی ہیں۔ اس مشرقی بہار دیار پر بہار میں آپ ہی کی ہستی باکمال اہلسنت والجماعت کی علامت وشناخت سمجھی گئی ہے اور گم گشتگان منزل نے آپ ہی کے نقش قدم پر چل کر نشان منزل مقصود کو پایا ہے۔ علم عقائد کے مسائل وامور میں مثلاً امتناع کذب باری تعالیٰ، عظمت رسالت، علم غیب نبی، حیات نبی، تصرفات واختیارات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ندائے یارسول اللہ، استعانت بغیر اللہ تعالیٰ، مسئلہ حاضر وناظر وغیرہ وغیرہ متنازع فیہا میں جو کچھ امام احمد رضا بریلوی نے اپنی تصنیفات وتالیفات میں لکھا اور فرمایا ہے جس نظریے وعقیدے کی وضاحت وصراحت کی ہے۔ بالکل اسی طرح حضرت لطیفی نے بھی ڈنکے کی چوٹ پر بعینہ وبجنسہ انہیں عقائد امور کو اپنی تصنیفات وتالیفات میں ثابت وحق فرمایا اور لکھا ہے۔ یقین نہ آئے تو شعر وشاعری کی شاہکار تصنیف 'دیوان لطیفی' عقائد تصوف پر مبنی کتابیں 'مکتوبات لطیفی'، 'رقعات لطیفی' وغیرہ کو دیکھ لیں۔ دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ ہو جائے گا اور جھوٹ وفریب اور دھوکہ وفراڈ کن جراثیم کا نام ہے پتہ چل جائے گا۔ اللہ تعالیٰ مریض عقلوں کو صحت وتندرستی اور جھوٹ کی عادی زبانوں کو حق گوئی کی توفیق رفیق بخشے۔ آمین ثم آمین

ہاں یہاں فرق صرف اتنا ہے کہ اسلاف کرام کے ان متوارث عقائد اسلامی کے ثبوت وتحقیق میں امام احمد رضا بریلوی کے قلم برق بار نے قرآنی اسلوب ان المنافقین فی الدرک الاسفل کو اختیار کیا ہے اور حضرت لطیفی کے قلم گل فشاں نے قرآن مقدس ہی

کے دوسرے اسلوب و من الناس من یقول کواپنایا ہے۔اب اگرکوئی اپنی عادت سے مجبور ہوکر اوراپنے مسلکی آبا واجداد کی روش کے زیراثر تاویل وتحریف، قطع وبرید اور ہیرا پھیری سے کام لے اور حضرت لطیفی کو دیو بندیت وہابیت کا چولا پہنانا چاہے تو ایسے شخص کی اس ناکام ومضحکہ خیز شرارت پر خدا سے اس کے حق میں دعائے صحت ہی مانگی جاسکتی ہے اور بس!

وصال

پوری حیات مستعار وطن و بیرون وطن میں دینی وملی خدمات اور تبلیغی واشاعتی کاوشوں نیز علمی وقلمی کارناموں کوانجام دینے کے بعد ۳۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۳ھ کو پیام اجل آیا اور آپ جان جان آفریں کو سپرد کر گئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔ہر سال مذکورہ بالا تاریخ میں بڑے تزک واحتشام کے ساتھ آپ کا عرس پاک منعقد ہوتا ہے جس میں بہار و بنگال اور بنگلہ دیش و نیپال سے کثیر تعداد میں ارادتمندوں کی بھیڑ اکٹھا ہوتی ہے۔

امام احمد رضا محدث بریلوی کے ایک گمنام معاصر

حضرت مولانا ڈاکٹر محمد اعجاز انجم لطیفی
ایم اے، پی ایچ ڈی، استاذ جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف

حضرت مولانا شاہ حفیظ الدین رحمٰن پوری ایک خدارسیدہ بزرگ اور ولی کامل شخصیت کا نام ہے۔ ان کی ولایت اور بزرگی کا علم مجھے بچپن میں ہی اپنے گھر والوں سے ہو گیا تھا۔ میرے والد گرامی جناب محمد جمیل اختر اشرفی مرحوم اکثر بیان کرتے تھے کہ جدامجد جناب عبداللطیف سرکار پر ان کا سایہ اور ان کی نظر کرم ہمیشہ رہا کرتی تھی۔ یہ ان کی نظر کرم اور خصوصی نگاہ ولایت ہی کی بات تھی کہ جدامجد نے بحسن وخوبی مدت دراز تک بائیس بستیوں کی سرداری اور پنچایتی کی خدمت انجام دی۔ اس لئے جدامجد بھی ان سے بے پناہ عقیدت ومحبت رکھا کرتے تھے۔ غالباً دونوں کے مابین پیری مریدی کا بھی رشتہ تھا۔ اس لئے جب کبھی بھی حضرت مولانا شاہ حفیظ الدین رحمٰن پوری مادھے پور کے قرب وجوار میں تشریف لاتے تو جدامجد جناب عبداللطیف سرکار کے یہاں ضرور تشریف لاتے تھے۔

یہ تو میرے بچپن کی بات تھی لیکن اب وجدان کی بات ہے کیونکہ جب سے میں نے میدان علم میں قدم رکھا ہے تب سے اب تک مولانا حفیظ الدین علیہ الرحمہ کی ولایت و بزرگی کی شہرت سنتا ہی رہتا ہوں۔ یہی نہیں بلکہ میری عربی فارسی کی ابتدائی تعلیم بھی رحمٰن پور تکیہ شریف سے ہی شروع ہوئی۔ ایک سال تک مجھے ان کے جوار کرم میں رہنے کا شرف حاصل رہا اور صبح وشام مزار اقدس کی زیارت سے اپنے آپ کو میں مشرف کرتا رہا۔ گاہ بگاہ خانقاہ شریف میں ولایت وکرامت کا واقعہ بھی سنتا رہا لیکن آپ کی یہ شہرت مشرقی بہار کے چند مخصوص ضلع تک بحیثیت پیر وفقیر عوام وخواص کی زبان ہی تک محدود ہے۔ اخبار ورسائل، میگزین و ماہناموں میں کہیں دور تک آپ کا تذکرہ نہیں ملتا۔ حتیٰ کہ عرس کی رپورٹ تک

شائع نہیں ہوتی۔

۱۹۷۸ء سے میں یوپی کی سرزمین پر ہوں ادھر کہیں بھی اور کبھی بھی آپ کا تذکرہ کسی سے نہ سنا اور نہ ہی اخباروں ورسائل میں کوئی مضمون پڑھا۔ اس کمی کی نشاندہی کراتے ہوئے اور ان کے خاندان والوں کو احساس دلاتے ہوئے حساس طبیعت مفکر حضرت مولانا ڈاکٹر غلام جابر شمس پورنوی رقمطراز ہیں:

''ان (مولانا حفیظ الدین رحمٰن پوری) کے وصال کو اب سو سال ہونے والے ہیں۔ اس طویل مدت میں ان کی اولاد واحفاد نے ان کے لئے کچھ نہیں کیا نہ کسی اور کو اس طرف توجہ دلائی۔ ان کی کتب ورسائل کو دیکھ کر وہ ایک خالص علمی وفکری شخصیت معلوم ہوتے ہیں مگر ان کے اہل خاندان ان کو محض ایک صوفی پیر کی حیثیت سے مقامی طور پر ہی متعارف کرایا ہے۔''

تکیہ رحمٰن پور میں ایسا نہیں کہ علمی شخصیات موجود نہیں۔ موجود تو ہیں مگر علمی ذوق بیدار نہیں اور جو بیدار ہے وہ ہرگز اپنا نہیں، راکھ کے ڈھیر سے اب ایک چنگاری سلگنے لگی ہے۔ وہ ہے صاحبزادہ والا تبار خواجہ ساجد عالم مصباحی ذی العلم والافکار۔'' (کاملان پورنیہ ص ۱۳۲)

یہ اسی مولانا خواجہ ساجد عالم مصباحی کی جدوجہد اور کوششوں کا نتیجہ اور ثمرہ ہے کہ آج ہم اور آپ مولانا حفیظ الدین علیہ الرحمہ کے جشن صد سالہ میں شرکت کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ موصوف چند سال سے عرس حفیظی کی رپورٹ وغیرہ کو ماہنامے وغیرہ میں شائع کرا رہے ہیں اور چند کتابچہ بھی شائع کرا چکے ہیں۔ جو آج ماخذ مراجع کے کام آرہے ہیں۔ خواجہ صاحب نے ہی مجھے بذریعہ فون جشن صد سالہ میں شرکت کی دعوت پیش کی اور حضرت مولانا شاہ حفیظ الدین رحمٰن پوری پر مقالہ لکھنے کی فرمائش کی۔ موصوف کی دعوت اور فرمائش پر میں حاضر ہوں اور مقالہ حاضر خدمت ہے۔ گر قبول افتد زہے عز وشرف۔

میرے مقالے کا عنوان ہے ''امام احمد رضا محدث بریلوی کے ایک گمنام معاصر'' عنوان کی مناسبت سے ضروری ہے کہ پہلے میں امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کی شخصیت پر کچھ روشنی ڈالوں۔ پھر مولانا حفیظ الدین رحمٰن پوری کی ذات والاصفات پر خامہ فرسائی کروں۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی

امام عشق ومحبت، مجدد دین وملت امام احمد رضا خان قادری علیہ الرحمہ ۱۰ رشوال المکرم ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ رجون ۱۸۵۶ء کو محلّہ جسولی موجودہ نام ذخیرہ بریلی شریف میں پیدا ہوئے۔ آپ کا پیدائشی نام محمد اور تاریخی نام المختار ہے۔ جد امجد مولانا رضا علی خاں قدس سرہ نے آپ کا اسم گرامی احمد رضا رکھا۔ آپ کی ذہانت وفطانت کا عالم یہ تھا کہ آپ نے چار سال کی عمر میں قرآن پاک کا ناظرہ ختم کرلیا، چھ سال کی عمر میں مجمع عام کے سامنے برسر منبر میلاد پاک کے موضوع پر تقریر کی، آٹھ سال کی عمر میں درس نظامی کی مشہور ومعروف کتاب ہدایۃ النحو کی عربی زبان میں شرح لکھی، تیرہ سال دس ماہ کی عمر میں علوم عقلیہ ونقلیہ کی تکمیل کر کے دستار فضیلت حاصل کی۔ اسی دن آپ نے رضاعت کا پہلا فتویٰ لکھا۔ اسی فتویٰ کا ذکر کرتے ہوئے امام احمد رضا خود ارشاد فرماتے ہیں:

''یہ وہی فتویٰ ہے جو چودہ شعبان ۱۲۸۶ھ کو سب سے پہلے اس فقیر نے لکھا اور اسی ۱۴ شعبان ۱۲۸۶ھ کو منصب افتا عطا ہوا اور اسی تاریخ سے بحمدہ تعالیٰ نماز فرض ہوئی۔ اور ولادت دس شوال المکرم ۱۲۷۲ھ روز شنبہ وقت ظہر مطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ء ۱۱ جیٹھ سدی ۱۹۱۳ء سمبت کو ہوئی تو منصب افتا ملنے کے وقت فقیر کی عمر ۱۳ سال دس مہینہ چار دن کی تھی۔ جب سے اب تک برابر یہی خدمت دین لی جارہی ہے۔ والحمد للہ (حیات اعلیٰ حضرت ص ۳۲۳-۳۲۴)

امام احمد رضا قدس سرہ نے چودہ سال کی عمر سے دینی، ملی، مذہبی، ادبی خدمات انجام دینا شروع کردیا تھا۔ ۷۰ سے زائد علوم وفنون کا یہ بحر ذخار کفر والحاد کی تیز وتند آندھیوں اور ضلالت وگمرہی کی باد سموم کو دیکھ کر پوری تندہی کے ساتھ اس کے خلاف سینہ سپر ہوگیا۔ آپ خود فرماتے ہیں۔

''دفع گمراہاں میں جو کچھ اس حقیر ہیچ مداں سے بن پڑتا ہے الحمد للہ ۱۴ برس کی عمر سے اس میں مشغول ہے اور یہ میرے رب کریم کے وجہ کرم کو حمد کہ اس نے میری بساط میرے حوصلے میرے کارناموں سے ہزاروں درجہ زائد اس سے نفع بخشا۔'' (فتاویٰ رضویہ

مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی)

رسم بسم اللہ خوانی کی محفل میں ہونے والے حیرت انگیز انکشافات نے امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے علمی وقعت کی وضاحت کردی تھی۔ اشارہ مل گیا تھا کہ یہ بچہ آگے چل کر اقلیم علم وفن کا تاجدار بننے والا ہے اور علم وادب کے افق پر ایسا درخشندہ آفتاب چمکنے والا ہے کہ جس کی تابناک کرنوں سے ہر خاص وعام فیضیاب ہوگا۔ آخر کار وہ مقولہ سچ ہوا، دنیا نے اپنے ماتھے کی نگاہوں سے دیکھا کہ امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کا نام جس طرح دنیائے فکر وتحقیق میں مشتہر ہے۔ بزم شعر وسخن اور علم وادب میں بھی ان کا نام روشن اور تابندہ ہے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے یوں تو قریباً ستر علوم وفنون پر مشتمل بارہ سو کتب ورسائل تصنیف فرمائیں لیکن ان تصنیفات وتالیفات میں ترجمہ قرآن کنز الایمان آپ کا ایک ایسا کارنامہ ہے جس کی مثال تاریخ اردو ادب پیش کرنے سے قاصر ہے۔ یہ ترجمہ ایسا شاہکار ہے جو اعلیٰ حضرت کی رموز قرآن سے واقفیت اور شان الوہیت کی معرفت اور تعظیم رسالت کی شہادت پر روشن دلیل ہے۔ ساتھ ہی ساتھ فرقہائے باطلہ کے مترجمین کے ترجمے پر ایک ضرب کاری ہے نیز عقائد حقہ کی پہچان اور علامتی نشان بن گیا۔ اعلیٰ حضرت کی ہمہ جہت شخصیت کا تعارف کراتے ہوئے کسی شاعر نے کیا ہی خوب کہا ہے

وادی رضا کی کوہ ہمالہ رضا کا ہے　　جس سمت دیکھئے وہ علاقہ رضا کا ہے
اگلوں نے تو لکھا ہے بہت علم دین پر　　جو کچھ اس صدی میں ہے وہ تنہا رضا کا ہے

ایک گمنام معاصر

اسی اعلیٰ حضرت کا رفیق کار، ہمنوا اور ہم خیال، ہم عصر مولانا شاہ حفیظ الدین رحمٰن پوری علیہ الرحمہ کی ذات ستودہ صفات بھی ہے جو اپنے آپ میں بہت کچھ ہونے کے بعد بھی گمنامی کی وادی میں محو استراحت ہے۔ ان کی حیات وخدمات کو لوگوں نے ایسا فراموش کردیا ہے کہ آج وہ ایسے گمنام ہیں کہ شاید دنیائے علم وادب میں کبھی ان کا وجود ہی نہیں تھا۔ امام احمد

رضا خاں فاضل بریلوی سے عقیدت ومحبت رکھنے والے اوران کے رفقائے کار حضرات کی گمنامی کا ذکر کرتے ہوئے مولانا ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری صاحب رقمطراز ہیں:

''ماضی قریب کی ہماری ان شخصیتوں میں جنھیں امام احمد رضا کا قرب میسر آیا۔ بڑے قیمتی آبگینے مستور ہیں۔ان آبگینوں کی شعاع ریزی سے ہر قافلہ حیات اپنی کامیاب سمت متعین کرسکتا ہے۔مگر غفلت شعار قوم نے ایسے لعلوں کو طاق نسیاں کی نذر کردیا ہے کہ جنہیں ترازو کے جس پلڑے پر رکھ دیا جائے وزن کے بوجھ سے ہیرا جھک جائے۔'' (معارف محسن ملت ص ۲۹۵)

لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کی حیات وخدمات کے اہم گوشوں کو اجاگر کیا جائے اور قرطاس قلم کے سپرد کرکے دنیائے علم ودانش کی معلومات میں اضافہ کیا جائے نیز تاریخ کے اوراق میں ایک نیا باب قائم کیا جائے۔

تلخ حقیقت

حضرت مولانا شاہ حفاظ الدین رحمٰن پوری علیہ الرحمہ کا تعلق ایسے صوبہ سے تھا اور ہے جس صوبے کے باشندوں کو دوسرے صوبے کے لوگ نہ جانے کیوں تذلیل وتحقیر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں؟ اسی پر بس نہیں بلکہ نوبت بایں جارسید کہ اس صوبے سے منسوب لفظ بہاری کو گالی پر محمول کیا جارہا ہے۔لوگ آج کل اسی معنی پر اس کو استعمال کررہے ہیں جیسے دیکھو یعنی ہرایرے غیرے یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ دیکھو وہ بہاری جارہا ہے، وہ بہاری آرہا ہے، تم بہاری ہوجاؤ وغیرہ وغیرہ۔اس کا احساس تو مجھے کافی دنوں سے تھا لیکن گزشتہ بہار کے ودھان سبھا الیکشن کے بعد روزنامہ اخبار میں کھلا خط کے کالم میں ایک مضمون چھپا تھا جس میں مضمون نگار نے موجودہ وزیراعلیٰ نتیش کمار سے اپیل کی تھی کہ آپ وزارت اعلیٰ کا قلمدان سنبھالتے ہی پہلا کام یہ کریں کہ بہار کا نام بدل دیں تاکہ بہار میں بسنے والے لوگوں کو دوسرے صوبوں کے لوگ بہاری کہہ کر نہ پکاریں۔ذلت ورسوائی کی حد ہوگئی اور لفظ بہاری سنتے سنتے کان پک گئے ہیں۔نہ جانے اس کے ساتھ کیسی ٹریجڈی ہوئی

ہوگی کہ انہوں نے وزیر اعلیٰ بہار کو اس طرح کا خط لکھا۔ اس طرح کا حادثہ اب اکثر و بیشتر ہوتا رہتا ہے۔ بہار کے باشندوں کے ساتھ آخر ایسا برتاؤ کس جذبے کے تحت کیا جارہا ہے؟ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ بہار کے لوگ کسی بھی میدان میں کسی دوسرے صوبہ کے لوگوں سے پیچھے نہیں ہیں۔ علم و حکمت ہو خواہ میدان سیاست، صنعت و حرفت ہو خواہ میدان تعلیم و تربیت کسی بھی معاملے میں پیچھے نہیں ہیں۔ پھر بھی انہیں تذلیل و تحقیر کی نگاہوں سے آخر کیوں دیکھا جاتا ہے۔ جبکہ قرآن کریم کا فرمان ہے ''ان اکرمکم عنداللہ اتقکم'' حدیث پاک میں بھی مروی ہے کہ کسی گورے کو کالے پر فوقیت نہیں کسی عربی کو عجمی پر فوقیت نہیں اس کے باوجود صوبائی عصبیت کیوں؟ تذلیل و تحقیر کیوں؟

لہٰذا اہل علم و دانش اور ارباب فکر و نظر کو اس پہلو پر غور کرنا ہوگا اور یہ سوچ بدلنی ہوگی۔ کیونکہ کسی کی تذلیل و تحقیر شرعاً منع ہے۔ بہر کیف میں یہ عرض کر رہا تھا کہ مولانا حفیظ الدین رحمٰن پوری کا تعلق ایک ایسے علاقے اور صوبے سے تھا اور ہے کہ اس علاقے کو سیاسی، اقتصادی، معاشرتی طور پر مرکزی حکومت نے بھی نظر انداز کیا ہے۔ اتنا بڑا صوبہ ہونے کے باوجود وہاں کوئی بڑی دانش گاہ نہیں، کوئی مرکزی ادارہ نہیں، کوئی بڑی فیکٹری نہیں، کوئی میل نہیں، حد تو یہ ہے کہ گاؤں سے شہر جانے کے لئے کوئی مناسب ذریعہ نہیں، پکی سڑک نہیں۔ اب چند سالوں سے پردھان منتری یوجنا کے تحت پکی سڑک بن رہی ہے جس سے یوما فیوما ترقی اور خوشحالی تیزی پکڑ رہی ہے اور پروان چڑھ رہی ہے۔ اب مہینوں کا کام ہفتوں اور ہفتوں کا کام گھنٹوں میں ہونے لگا ہے۔ اسی حرکت و سرعت کا نتیجہ یہ جشن صد سالہ کا عظیم الشان پروگرام ہے۔ اب ضرورت یہ ہے کہ اپنے اندر بیداری پیدا کی جائے۔ تحریک و تنظیم کی صورت اختیار کر کے معدن علم و حکمت کے چھپے ہوئے لعل و گوہر کو علم و عمل کے بازار میں لایا جائے۔ میرے خیال سے اس کی پہلی کڑی مولانا حفیظ الدین رحمٰن پوری کا جشن صد سالہ ہے۔ اب اس طرح کا پروگرام ہونا چاہئے تاکہ گم گشتہ اور گمنام حضرات کی تاریخ سے ہماری موجودہ نسل باخبر ہو سکے۔

مولانا شاہ حفیظ الدین رحمٰن پوری کا تعارف

آپ کا نام نامی اسم گرامی حفیظ الدین اور تخلص لطیفی تھا۔ آپ کی پیدائش شیخ حسین علی موضع چشتی نگر کنہر یا ضلع پورنیہ (بہار) کے ایک صاحب ثروت زمیندار کے گھر میں تقریباً ۱۲۴۵ھ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گھر سے قریب رسول پور گاؤں کے ایک مدرسہ میں ہوئی۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے آپ پٹنہ اور دہلی بھی تشریف لے گئے۔ آپ کی اعلیٰ تعلیم اور درس وتدریس کا ذکر کرتے ہوئے مولانا خواجہ ساجد عالم مصباحی رقمطراز ہیں:

''آپ نے دہلی میں شہریار علم حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے خانوادہ کے چشم و چراغ حضرت مولانا شاہ مخصوص اللہ وحضرت مولانا شاہ موسیٰ علیہم الرحمۃ والرضوان کی درس گاہوں میں کسب علم کیا اور اخذ علوم وعرفان میں خاطر خواہ حصہ اٹھایا۔ اٹھارہ سال کی عمر میں علوم ظاہری سے فراغت حاصل کی۔ بعد اساتذہ نے مسند درس وتدریس آراستہ کرنے کا حکم دیا۔ تعمیل ارشاد میں مدرسہ فیض الغرباء آرا بہار تشریف لائے جہاں مدرس اول کے منصب پر فائز رہ کر چار سال تک تدریسی خدمات انجام دیں۔ علاوہ ازیں شاہجہاں پور یوپی، بھاگل پور بہار کے کئی دار العلوم میں بھی سالہا سال یہ مشغلہ جاری رکھا۔ (حیات حفیظی ص ۱۲)

تحریک جدوہ

ندوۃ العلماء کے خلاف جب تحریک جدوہ کی بنیاد پڑی تو ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں جلسے اور کانفرنس ہوئیں اور کافی زور وشور سے اس کی مخالفت ہوئی۔ اس مخالفت میں مولانا شاہ حفیظ الدین رحمٰن پوری بھی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے دوش بدوش شریک سفر اور رفیق کار رہے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اس تحریک میں شامل ہونے کے لئے آپ کو خصوصی دعوت نامہ پیش کیا جس کا ذکر حضرت علامہ قاضی عبد الوحید فردوسی عظیم آبادی نے اپنی کتاب دربار حق وہدایت میں کیا ہے۔ اس کا اقتباس پیش کرتے ہوئے مولانا خواجہ ساجد عالم مصباحی حیات حفیظی میں رقمطراز ہیں:

''ملک گیر سطح پر بڑے بڑے مرکزی شہروں پٹنہ، کلکتہ، بنگلور، مدراس وغیرہ میں عظیم الشان وتاریخ ساز جلسے وکانفرنس ہوئیں۔ پٹنہ میں ہفت روزہ اجلاس منعقد ہوا جو ۵/تا ۱۱ رجب المرجب ۱۳۱۸ھ کی تاریخوں میں تھا۔ اس میں ملک بھر کے ۳۱۳ چیدہ چیدہ اعاظم علماء ومشائخ کرام مدعو کیئے گئے۔ مشرقی بہار کی نمائندگی کے لئے محبّ الرسول تاج الفحول حضرت مولانا عبدالقادر بدایونی اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے حضرت لطفیؔ کا انتخاب فرمایا اور دعوت شمولیت وشرکت دی۔ حضرت لطفیؔ شرکت کے لئے پٹنہ تشریف لے گئے اور اجلاس کی ساری کارروائیوں اور سرگرمیوں میں نمایاں حیثیت سے اختتام تک شریک رہے۔ پھر آپ یہاں سے کارواں جدوہ کا مستقل حصہ بن گئے اور مدراس کے آخری اجلاس تحریک منعقدہ ۱۹۲۰ء تک متحرک وفعال ہوکر شریک رہے۔ (حیات حفیظیؔ ص ۲۳)

مذکورہ بالا اقتباس سے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی نظر میں مولانا شاہ حفیظ الدین کی عظمت واہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

تصنیفات وتالیفات

مولانا حفیظ الدین رحمٰن پوری صرف پیر فقیر یا صرف مدرس ومقرر ہی نہیں تھے بلکہ آپ میدان تصنیف وتالیف میں بھی کافی دسترس رکھتے تھے۔ آپ کی مطبوعہ کتابوں کی تعداد چودہ ہیں۔ اس کے علاوہ غیر مطبوعہ بھی ہیں۔ تصنیفات وتالیفات کا ذکر کرتے ہوئے حیات حفیظیؔ کے مولف رقمطراز ہیں۔

آپ نے تقریباً تمام علوم وفنون حدیث وفقہ، کلام وتصوف، صرف ونحو، منطق و فلسفہ، عربی وفارسی، شعر وادب وغیرہ پر دو درجن سے زائد بیش بہا وقیع کتب ورسائل تصنیف فرمائی۔ ویسے آپ ایک صاحب دل صوفی اور ذہن رسا شاعر تھے۔ اس لئے علم تصوف اور شعر وادب کو زیادہ تر اپنا موضوع سخن بنایا۔ لطائف حفظ السالکن اور مکتوبات لطفیؔ میں اگر آپ نے طریقت کے آداب واصول تصوف کے اسرار ورموز کو واشگاف فرمایا تو دیوان لطفیؔ میں حمد ونعت غزل ومنقبت کے توسط سے معیاری ومثالی فارسی وعربی شاعری کا

وافر حصہ چھوڑا ہے۔ دیوان لطیفی ومکتوبات لطیفی اور لطائف حفظ السالکین کے علاوہ دیگر تصنیفات بہت کمیاب اور بعض نایاب بھی ہیں۔ (حیات حفیظی ص ۲۷)

تصلب فی الدین

تصلُّب فی الدین میں بھی آپ کا کوئی جواب نہیں تھا۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ تصلب فی الدین آپ کا معیار فکر وعمل، شعار بندگی وزندگی تھا۔ کبھی کسی دریدہ دہن وگستاخ رسول وہابی دیوبندی کو آپ نے اپنے پاس پھٹکنے نہ دیا۔

تصلب فی الدین اور دیوبندی وہابی سے نفرت وعداوت کا ذکر کرتے ہوئے مولانا خواجہ ساجد عالم مصباحی رقمطراز ہیں:

''حضرت مولانا امام مظفر حسین صاحب آپ کے صاحبزادۂ اول تھے۔ آپ نے معقولات وطب کی تعلیم کے لئے موصوف کو رام پور بھیجا۔ رام پور میں جناب والا اپنے بعض شناساؤں کے مکر وفریب کے شکار ہو گئے اور حصول تعلیم کے لئے وہاں سے دار العلوم دیوبند چلے گئے۔ آپ کو جب اس حادثے کی خبر ملی بے پناہ برفروختہ ورنجیدہ ہوئے۔ دوسرے روز ہی ایک خادم کی معیت میں رخت سفر باندھا اور دیوبند کے لئے نکل پڑے۔ کئی روز سفر کی صعوبتوں ومشقتوں کو برداشت کرنے کے بعد دیوبند پہنچے اور سیدھے دار العلوم گئے۔ پہلے صاحبزادے کی خوب گوش مالی کی اور سرزنش کی پھر فی الفور سامان سفر کی تیاری کا حکم دیا۔ کئی گھڑی یہاں ٹھہرے اور بعجلت واپس ہو گئے۔ براہ راست دہلی آکر دم لیا اور یہاں اطمینان سے پڑاؤ ڈالا۔ وقت مراجعت کئی اساتذہ دار العلوم بغرض ملاقات خدمت میں آئے اور صاحبزادہ کو ہمراہ لے جانے کی وجہ دریافت کی۔ آپ پورے جاہ وجلال کے ساتھ فرمانے لگے ''مظفر میاں کا تمہارے یہاں آنے پر مجھے جتنا رنج وملال ہوا کہ اس کے مرجانے پر اتنا رنج وملال نہ ہوتا''۔ پھر ان لوگوں نے آپ کے حضور تاثراتی رجسٹر پیش کیا۔ آپ نے کچھ تحریر کرنے سے اجتناب کرنا چاہا لیکن جب اصرار ہوا تو برجستہ لکھا ''ماوجدت فیکم خیرا'' اور اسے باآواز بلند پڑھ کر بھی سنایا۔ (حیات حفیظی ص ۲۴)

تلامذہ

آپ نے یوپی، بہار کے مختلف مدارس میں سالہا سال تک درس وتدریس کی خدمات انجام دیں۔ سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں شاگرد پیدا کئے۔ کاش ان میں سے مخصوص حضرات کا نام ہی اگر محفوظ کرلیا جاتا تو آج ان کی ایک لمبی فہرست ہوتی۔ آپ کا ایک مخصوص اور معروف شاگرد جنھوں نے قیام پٹنہ کے دوران آپ کے ساتھ تقریباً آٹھ سال تک خدمت انجام دی ان کا ذکر مقالے میں کرنا انسب ہوگا۔

حضرت مولانا تصدق حسین مشتاق دلشاد پوری: مولانا تصدق حسین ایک جید عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے اسلاف کے سچے امین اور علمبردار تھے۔ آپ نے ابتدائی فارسی وعربی کی کتابیں اپنے برادر کبیر حضرت مولانا کرامت حسین تمنا سے پڑھیں۔ پھر معقولات ومنقولات کی تعلیم حضرت مولانا حفیظ الدین رحمٰن پوری سے حاصل کی۔ بیعت وخلافت کا شرف بھی آپ کو اپنے استاذ سے حاصل تھا۔ آپ کی اعلیٰ قابلیت اور شخصیت کا ذکر کرتے ہوئے حیات حفیظی کے مولف رقمطراز ہیں:

"اگر آپ کی شخصیت کا مطالعہ کیا جائے تو برملا یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ آپ کا شمار مشرقی بہار کی ان ممتاز وواجب القدر ہستیوں میں ہوتا ہے جن کی بدولت اس سرزمین کو نہ صرف دوام واستمرار بلکہ عظمت ووقار میسر آیا ہے۔ آپ کے چشمہ علم وآگہی نے جس فراخی و فیاضی سے سوا سو سالہ قدیم مرکزی ادارہ اساقت رحمت محمدیہ اسٹیٹ پورنیہ سے لے کر قریہ دلشاد پور کے مکتب تک جن سیکڑوں تشنگان علم وادب کی آتش شوق کو بجھایا ہے اور جن حضرات کے دم قدم سے اس دیار میں فکر وعمل اور رشد وہدایت کی فصل خوشگوار چلی ہے۔ یقیناً یہ تاریخی کاوش اس خطہ کے لئے عہد ماضی کا سنہرا باب ہے۔ (حیات حفیظی ص ۴۵/۴۴)

خلفا:

تلامذہ کی طرح آپ کے خلفا کی بھی اچھی خاصی تعداد تھی لیکن کوئی باقاعدہ رجسٹر نہ ہونے کی وجہ سے صحیح تعداد کا علم اب کسی کو نہیں ہے۔ اگر اب بھی تلاش وجستجو کی جائے

تو مشہور و معروف حضرات کے حالات زندگی کا پتہ چل سکتا ہے۔ اس سلسلے میں مولانا خواجہ ساجد عالم مصباحی نے پہل کی ہے۔ جیسا کہ انہوں نے ماہنامہ 'جام شہود' کے شمارہ ۶-۷ ۲۰۰۷ء کے حوالے سے اپنی کتاب میں ایک مشہور و معروف خلیفہ حضرت مولانا صادق علی غازی پوری صوبہ اتر پردیش کا ذکر کیا ہے۔

آپ قطب الاقطاب حضرت مولانا حفیظ الدین علیہ الرحمہ کے مرید تھے ایک مدت تک شیخ کی خدمت میں رہے۔ پھر خلوت نشینی اختیار کی اور بارہ سال تک جنگل میں محو عبادت رہے حتیٰ کہ سر کے بال پیروں تک آگئے تھے۔ پھر شیخ کی توجہ خاص ہوئی تو علوم باطنی سے نواز کر خرقہ خلافت سے سرفراز کیا اور سلسلہ نقشبندیہ ابوالعلائیہ کی اشاعت کی اجازت دی۔ (حیات حفیظی ص ۳۹)

حضرت شاہ حفیظ الدین لطیفی: حیات وخدمات

حضرت مولانا محمد ذاکر حسین اشرفی جامعی
استاذ و مفتی مخدوم اشرف مشن پنڈوہ شریف، مالدہ بنگال

دنیائے سنیت کے عظیم شاہکار، علم وحکمت کے تاجدار، خانقاہی و درس گاہی علوم وفنون کے عظیم علمبردار حضرت علامہ حفیظ الدین لطیفی علیہ الرحمہ ان پاکباز اور عظیم ہستیوں میں سے تھے جو اپنی علمی خدمات، ملی اور سماجی کاموں کے سبب ملک کے طول وعرض میں اپنی شناخت رکھتے تھے۔

ولادت باسعادت

آپ کی ولادت باسعادت ۱۲۴۵ھ میں شیخ حسین علی کے گھر چشتی نگر کٹیہار میں ہوئی۔

تعلیم وتربیت

آپ کی ابتدائی تعلیم کٹیہار کے ایک مشہور ومعروف گاؤں رسول پور کے مدرسہ میں ہوئی۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے آپ پٹنہ تشریف لے گئے اور کچھ عرصہ تک وہاں کے گہوارۂ علم وفن میں اپنی علمی تشنگی بجھائی۔ اس زمانے میں مدرسہ نظامیہ فرنگی محل لکھنؤ کی علمی شہرت چہاردانگ عالم میں چھائی ہوئی تھی اور ہندوستان میں علمی مرکزیت کا حامل تھا۔

حضرت لطیفی نے اس کی تعلیمی شہرت اور مرکزی شان وشوکت سن کر پٹنہ سے لکھنؤ کا سفر کیا اور مدرسہ نظامیہ فرنگی محل لکھنؤ جا پہنچے یہاں آپ نے استاذ العلماء ماہر علوم عقلیہ ونقلیہ حضرت علامہ عبدالحلیم فرنگی محلی اور دیگر ارباب علم وفن اساتذہ کے زیر سایہ متوسطات سے لے کر منتہی درجہ تک کی تعلیم حاصل کی۔

آپ کی تربیت و شخصیت سازی: حضرت لطفیؔ شریعت وطریقت کے ایک درخشندہ آفتاب اور اسلامی اقدار و علمی روایات کے محافظ و امین تھے۔ اس لئے کہ آپ کی تربیت و شخصیت سازی استاذ العلماء والعرفاء حضرت مولانا عبد الحلیم فرنگی محلی اور خانوادۂ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ک کے علمی جانشیں اور عظیم چشم و چراغ حضرت مولانا شاہ مخصوص اللہ دہلوی اور حضرت مولانا شاہ موسیٰ دہلوی علیہم الرحمہ کے زیر سایہ ہوئی۔ ان حضرات کی تربیت اور علمی نوازش نے آپ کو علم و حکمت کا بحر ذخار بنا دیا اور آپ آسمان علم و ادب پر نیر درخشاں بن کر چمکنے لگے۔

بیعت وخلافت

معرفت و سلوک اور روحانی تربیت کے لئے باشارۂ غیبی خانقاہ عشق متن گھاٹ پٹنہ تشریف لے گئے۔ اس مئے خانہ میں تاجدار ولایت بادشاہ عشق و محبت حضرت شاہ رکن الدین کے سچے جانشیں مخدوم الاصفیاء، سند العارفین حضرت سید شاہ خواجہ لطیف علی اور معدن شریعت، بحر غواص معرفت حضرت مولانا سید شاہ خواجہ امجد حسین علیہما الرحمہ معرفت وسلوک اور شراب ارغوانی کے جام سے اپنے مئے خواروں کو سیراب کر رہے تھے۔ آپ نے بھی ان نورانی و عرفانی ہاتھوں سے شراب عشق و محبت نوش کرنا اپنے لئے باعث افتخار اور سرمایہ نجات جانا، ان کی نگاہ ناز نین جب آپ پر پڑی تو آپ کے دل کی دنیا بدل گئی اور آپ ان کی زلف عنبری کے اسیر ہو گئے۔ اب کیا تھا ہمہ دم آپ پر نوازش و عنایت کی بارش ہونے لگی اور آپ نے مسلسل بارہ سال تک اس نورانی و عرفانی بارش میں خوب نہایا، مجلیٰ و مصفیٰ ہوئے اور معرفت و سلوک، ریاضت و مجاہدہ کے پر خطر منازل طے کئے۔ ان نورانی و عرفانی ہستیوں نے آپ کو شریعت وطریقت اور عشق و محبت کی بھٹی میں سلگا کر کندن بنا دیا۔ پھر بارگاہ خواجہ لطیف علی علیہ الرحمہ سے اجازت و خلافت کی نعمت عظمیٰ عطا ہوئی۔ ارشاد و تبلیغ اور طالبان حق و صداقت کی رہنمائی کا حکم ملا اور شریعت و طریقت کا میر کارواں فکر جنید و شبلی لے کر خلق خدا کی اصلاح اور شریعت محمدیہ کی ترویج و اشاعت میں ہمہ دم

مصروف ہو گئے۔

حضرت لطیفی کا شماران نابغۂ روزگار ہستیوں میں ہوتا ہے جنہوں نے زندگی بھر طالبان شریعت وطریقت کوعلم وعرفان اور عشق ومحبت کا جام پلایا اور بے شمار تاریک دلوں کو نورایمان وعشق رسول سے سرشار کیا۔ حضرت لطیفی ظاہری علوم کی تکمیل کے بعد ملک کی مختلف درس گاہوں اور دانش کدوں کا رخ کیا جیسے پٹنہ، مجگاؤں، بھاگلپور، شاہجہاں پور، سہسرام، رحمٰن پور، پورنیہ وغیرہ۔ آپ نے ملک کے ان عظیم اداروں اور نامور تربیت گاہوں میں ہزاروں طالبان علوم نبویہ کو زیور علم سے آراستہ کیا اور آپ کے حلقہ درس سے ایسے کاملان روزگار پیدا ہوئے جنہوں نے ملک وبیرون ملک میں علم وفضل کی مجلس آراستہ کی اور ہر ایک کی درسگاہ سے علماء فضلاء کی ایک ٹیم تیار ہو کر نکلی۔ اس سلسلے کی اہم کڑی شمالی ہندوستان کا شہرہ آفاق دینی تعلیمی مرکز مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام ہے جو ممتاز حیثیت نمایاں اہمیت اور گونا گوں خصوصیات کے سبب ملک وبیرون ملک میں اپنی شناخت رکھتا ہے۔ اس مرکزی ادارہ میں آپ اپنے پیرومرشد حضرت شاہ خواجہ لطیف علی کی ایما اور برادر طریقت مشہور صافی شاعر حضرت مولانا حسن جان خان سہسرامی کے اصرار پر ۱۳۰۱ھ میں تشریف لے گئے۔ مسلسل بارہ سال تک نظامت اور تدریسی صدارت کے عظیم عہدے پر فائز رہے، جہاں سے سیکڑوں یکتائے روزگار طلبہ نکلے اور اپنے وقت کے امام تسلیم کیے گئے۔ آپ نے یہاں کی علمی دنیا میں کیسا انقلاب برپا کیا تھا۔ مفتی ارشاد احمد سال سہسرامی کی زبانی ملاحظہ ہو۔ ''یہی خانقاہ کبیریہ ہے جہاں آپ کی (حضرت لطیفی) نسلیں رواں ہوئیں، جہاں آپ کی کئی تصانیف مکمل ہوئیں۔ جہاں آپ کے ممتاز اور قابل فخر تلامذہ کی صفیں تیار ہوئیں۔'' (شاہ حفیظ الدین اور جہان علم ودانش ص:۳۹) اس کی نشاندہی خود حضرت لطیفی کے ایک مجموعہ رسائل تصنیف کردہ ۱۳۱۷ھ کے سرورق پر یہ تحریر کر رہی ہے۔ (مصنفہ مولانا مولوی صوفی شاہ محمد حفیظ الدین صاحب حنفی نقشبندی ابوالعلائی متوطن قصبہ چشتی نگر، کنھریا ضلع پورنیہ کہ سابقاً کم وبیش دوازدہ سال درمدرسہ خانقاہ سہسرام ناصرالحکام مدرس وناظم مدرسہ بودند اینک از ہمہ بے تعلق بودہ محض توکل اختیار فرمودند۔'')

دریں اثناء آپ نے یہاں کے اطراف و جوانب مثلاً رجہت، گیا، آرہ، بالخصوص شاہ آباد وغیرہ کے علاقوں میں تبلیغی و اصلاحی دورے بھی کیے، جس سے مسلمانوں کے عقائد کی اصلاح، دین کی تبلیغ، باطل رسم و رواج کی بیخ کنی اور مذہب اسلام کا منور چہرہ مطلق ظاہر و عیاں ہوا اور ذرے ذرے، نفس نفس، گوشے گوشے سے یہ آواز آنے لگی کہ آپ ہیں صاحب شریعت و طریقت، آپ ہیں ممتاز فکر و حق، آپ ہیں خانقاہ عشق کے وفادار غلام، آپ ہیں پیر ہدی اور روشن ضمیر۔

”آپ کے نامور و مشہور تلامذہ: آپ کی درس گاہ سے نہ جانے کتنے لعل و گوہر پیدا ہوئے جس کی تعداد کے لئے ایک دفتر درکار ہے تاہم آپ کے چند نامور و مشاہیر تلامذہ کا مختصر تعارف ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

شہسوار میدان تحقیقات علمیہ، محرر تدقیقات حکمیہ

حضرت علامہ محمد عثمان سہسرامی مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ

آپ مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کے مدرس، تقدس مآب، صاحب تصنیف و تالیف اور پرفیض شخصیت کے مالک تھے۔ معقولات و منقولات میں آپ کو کافی عبور حاصل تھا۔ آپ کے رشحات قلم سے درجنوں کتب و رسائل منصۂ شہود پر آئے۔ آپ نے صرف معقولات کے مطول کتابوں کی نوادق اور معرکۃ الآرا شرح عربی زبان میں تصنیف فرمائی۔ آپ نے دو عربی تصنیف مسمیٰ ’الکتاب المستبین فی شرح الفق المبین“ اور ’الجزء الاول فی وجود الرابطی من الافادات المنیقۃ فی المباحث اللطیفۃ“ اپنے استاذ گرامی وقار حضرت لطیفی کی خدمت میں ارسال کیا تھا۔ ایک صدی گزرنے کے باوجود یہ خانقاہ رحمٰن پور میں موجود ہیں اور اس کی پشت پر آپ کی یہ تحریر ’بخدمت فیض درجت مخدومی واستاذی مولانا حفیظ الدین لطیفی رحمان پور تکیہ شریف محمد عثمان شاہ آبادی مدرس مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ بارگاہ لطیفی سے آپ کی خوشہ چینی پر تاریخی ثبوت فراہم کر رہی ہے۔

حضرت مولانا سید تصدق حسین مشتاق (متوفی ۱۹۲۳ء) کٹیہار

آپ منشی مراد حسین یتیم اور منشی کرامت حسین دلشاد پوری کٹیہار کے ہم عصر تھے۔ آپ ایسے باکمال فارسی داں اور صاحب دیوان شاعر تھے کہ فارسی کی تمام تر کتابیں زبان زد تھیں۔ تحدیث نعمت کے طور پر کبھی آپ اس کا اظہار بھی کرتے تھے۔ آپ نے نظم ونثر دونوں میں طبع آزمائی کی ہے۔ دیوان مشتاق آپ ہی کی فکری وقلمی کاوش ہے۔ جو علم کو بلندی اور فکر کو توانائی عطا کرتی ہے۔ اس دیوان کے چند اشعار بطور نمونہ ملاحظہ ہوں:

دلا دائم بہار گلشن دوراں نمی ماند
کہ در فصل خزاں گل در چمن خنداں نمی ماند

ہمیشہ حال مردم در جہاں یکساں نمی ماند
بشب خورشید مہ در روز نور افشاں نمی ماند

اگر خواہی کہ نقد دل نہاں ماند زباں مکشا
چوں غنچہ لب کشاید بوئے گل پنہاں نمی ماند

(پورنیہ نمبر ص ۴۲)

ان اشعار میں حضرت مشتاق نے کس قدر سادہ اور سستہ الفاظ میں تشبیہات و تلمیحات کے ذریعے زمانے کی منظر کشی اور مخلوق خدا کی تقدیر کی نیرنگی کو بیان کیا ہے جو فارسی زبان میں آپ کے امام ہونے کا منہ بولتا ثبوت فراہم کررہا ہے۔

حضرت مشتاق کی فارسی صلاحیت اور علمی لیاقت کے متعلق ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی کی زبانی ملاحظہ ہو: ''یہاں (قدیم پورنیہ) ایک فارسی صاحب دیوان شاعر ایسا گزرا جس سے متاثر ہوکر رابندر ناتھ ٹیگور نے گیتانجلی لکھی۔ مولانا سید تصدق حسین دلشاد پوری صاحب دیوان شاعر کا کہنا تھا فارسی کی ساری کتابیں گلستاں، بوستاں، سکندر نامہ، بہار دانش، انوار سہیلی انشاء خلیفہ، انشاء تمیز، دیوان بلالی، دیوان حافظ وغیرہ سب آج جلادو، کل تک سب لکھ دوں گا۔ (جام نور، شمارہ جنوری ۲۰۰۹ء)

حضرت مولانا مراد حسین یتیم کھیرا، امور، پورنیہ

آپ صاحب تصنیف وتالیف عالم اور صاحب دیوان شاعر تھے۔ آپ نے

پرورش لوح وقلم کے لئے مختلف موضوعات پر ایک درجن سے زائد قلمی کاوش چھوڑی ہے جس کی نشاندہی آپ ہی کے نوشتہ سے ملی۔ ذیل میں ان کتب ورسائل کا نام درج کیا جارہا ہے۔
(۱) انتخاب الف لیلہ منظوم (۲) حیات شیخ عرف گلزار لطیفی (۳) سفینۂ مقصود عملیات (۴) نوبہار یتیمی (۵) مناقض شاعریہ (٦) التانامہ (۷) بوستاں مسدس وغیرہ۔

حضرت مولانا کرامت حسین دلشاد پوری کٹیہار

آپ علم وحکمت کے ایک درخشندہ آفتاب اور علمی صلاحیت وقلمی لیاقت کے بادشاہ تھے۔ آپ کی علمی صلاحیت پر آپ کے ایک ہم عصر ماہر علم وفن حضرت مولانا مراد حسین کا تاثر پیش کیا جارہا ہے۔ جس سے آپ کی علمی وادبی صلاحیت اجاگر ہوتی ہے:
مثنوی طبع زاد، بلاغت نہاد، صورت طراز معانی، سخن پرداز لاثانی فخر شعراء زماں، ناظم مقدس بوستاں، دبیر معجز نگار شاعر، عرفان شعار صوفی بادلا جناب منشی محمد کرامت حسین تمنا دلشاد پوری، بوستاں مسدس پر مطلع تقریظ منشی مراد حسین یتیم نے اس طرح لکھا ہے:

تمنا کہ ذاتش کرامت نماست ‏ زغم ہارا آزاد چوں سرو بن
دریں باغ دہرست فکر رساش ‏ بہار مضامین نو و کہن
خوش آراست نظم مسدس کہ بس ‏ سراپاست جاں بخش دلشاد کن
سنش بلبل خامہ خواند یتیم ‏ چہ زیبا گل و بوستاں سخن
‏ ۱۳۱۳ھ

(ملخص پورنیہ نمبر)

منشی مراد حسین کے القاب وتقریظ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت تمنا علم وحکمت کی کیسی قدآور شخصیت تھی، جس پر اہل زمانہ کو ناز تھا۔

حضرت لطیفی کی تصنیفات کا اجمالی تعارف

تحریر کی اہمیت اور قلم کی زبردست طاقت ہمیشہ مسلم رہی ہے اس لئے کہ زبان سے نکلے ہوئے جملے ہوا میں تحلیل ہوجاتے ہیں مگر قلم کے شہ پارے آب حیات سے سیراب ہوکر ہمیشہ کے لئے زندہ وجاوید ہوجاتے ہیں۔ اس لئے حضرت لطیفی نے تقریر

سے زیادہ تحریر پر زور دیا اور درجنوں گراں قدر تصنیفات اور علمی و قلمی شہ پارے مذہب وملت کے فروغ میں لکھ کر نمایاں کارنامہ انجام دیا جسے رہتی دنیا تک فراموش نہیں کیا جاسکتا ہے اور خاص طور سے قدیم پورنیہ میں ایک انقلاب بر پا کئے ہیں۔ہم ذیل میں آپ کے رشحات قلم کا اجمالی تعارف پیش کر رہے ہیں۔

(۱) دیوان لطفیؔ (۲) رقعات لطفیؔ (۳) مکتوبات لطفیؔ (۴) لطائف حفظ السالکین (۵) تلک عشرۃ کاملۃ (۶) جسیر علی الغیب (۷) فوائد نوریہ (۸) تسہیل التصریف (۹) عجالہ نافعہ (۱۰) بما اغنیٰ من الکلام (۱۱) خذ بجد وغیرہ۔

حضرت لطفیؔ کے مذکورہ معرکۃ الآرا کتب ورسائل مذہب کو فروغ، علم کو بلندی، فکر کو تازگی، عقل کو روشنی، ایمان کو پختگی اور قلب کو فرحت وسرور عطا کرتی ہیں۔آپ ان دینی وملی عظیم خدمات کے سبب قدیم پورنیہ کی تاریخ کا جز ولاینفک بن گئے ہیں۔یقیناً آپ کی یہ تحریری خدمت مشائخ طریقت کے درمیان آپ کو ایک امتیازی شان عطا کرتی ہے۔

مساجد و مدارس کا قیام

حضرت لطفیؔ نہایت متحرک اور فعال انسان تھے۔آپ کا طرۂ امتیاز یہ تھا کہ ہر چیلنج کا جواب آپ دعوتی واصلاحی کاموں سے دیتے اس کے لئے آپ نے درجنوں کتب ورسائل تصنیف کیں، مدارس ومساجد، خانقاہوں اور تربیت گاہوں کا ملک وبیرون ملک میں جال بچھا دیا ہم ذیل میں آپ کی دعوتی وتبلیغی مراکز کا اجمالی تعارف پیش کرتے ہیں۔

۱۸۹۲ء میں حضرت لطفیؔ سہسرام سے اپنے دولت خانہ چشتی نگر کنہر یا تشریف لائے۔کنہر یا میں تعلیم وتربیت کے لئے آپ نے ایک مدرسہ قائم کیا۔اس مدرسہ میں حضرت لطفیؔ نے نونہالان قوم وملت کو زیور علم سے خوب آراستہ کیا۔

لطفی جامع مسجد کا قیام: حضرت لطفیؔ جب کسی وجہ سے کنہر یا سے ہجرت کر کے رحمٰن پور تشریف لے گئے تو آپ کو وہاں پر عبادت وریاضت کی ادائیگی کے لئے ایک مسجد کے قیام کی فکر دامن گیر ہوئی۔اللہ کے فضل سے آپ نے ایک مسجد کی بنیاد رکھی جو قلیل مدت

میں تیار ہوگئی لیکن یہ پھونس کی مسجد سخت بارش اور طوفان کی وجہ سے ڈھہ گئی لہٰذا پھر دوبارہ تعمیر کا آغاز ہوا اور ۱۳۲۸ھ میں مسجد تیار ہوگئی۔ اس کی تعمیر دوم پر یہ تاریخی قطعہ مسجد کے اندر ایک دیوار کے بیچ کندہ ہے۔

ز لطف لطیفی برہان پور — بنا گشت مسجد بفیضان عشق
زوجہ الہ و طفیل حبیب — بپاشد ز برکات و احسان عشق
چوں تاریخ تعمیر جستم زدل — رسید از سر حق فرمان عشق
کہ رہبر و عشق جوید ہمیں — رہ مسجد رکن وبرہان عشق

مدرسہ خانقاہ لطیفیہ کا قیام

مسجد کی تعمیر سے آپ کی ایک دیرینہ تمنا پوری ہوئی اور قلب وجگر کو قدرے سکون ملا، مگر قیام مدرسہ کی فکر پھر آپ کو ستانے لگی۔ اس کے لئے آپ نے بہت تگ ودو کیا اللہ کے فضل سے کچھ مخیّر اور دیندار حضرات آپ کو مل گئے جن کے تعاون سے مدرسہ کی تعمیر کا کام شروع ہوگیا۔ اسی دوران آپ محمدیہ اسٹیٹ ضلع پورنیہ تشریف لے گئے۔ اسٹیٹ کا مالک محمود الٰہی بخش ایک دیندار اور راہ خدا میں مال وزر نچھاور کرنے والا انسان تھا۔ آپ نے اس کو دعوتی واصلاحی مرکز کی اہمیت وافادیت سمجھایا تو اس نے مدرسہ کے قیام کے لئے ایک وسیع وعریض زمین وقف کردی۔ حضرت لطیفی نے وہاں مدرسہ اساقت رحمت کی بنیاد رکھی اور بہت جلد دیگر اساتذہ کا انتظام کر کے تعلیم شروع کردی۔ اس ادارہ کا سارا انتظام و انصرام اسی مرد جانباز وسخی دل انسان کے کاندھے پر تھا۔ حضرت لطیفی اس مدرسہ میں تقریباً چھ مہینہ بحیثیت صدر مدرس رہے اور قوم وملت کے بچوں کو تعلیم سے آراستہ کئے۔ پھر آپ پورنیہ سے اپنا دولت کدہ رحمٰن پور تشریف لائے اور مدرسہ خانقاہ لطیفیہ رحمٰن پور کو آخری شکل دے کر درس وتدریس کی ذمہ داری اپنے فرزند حضرت مولانا مخدوم شرف الہدیٰ اور مولانا عابد حسین چنڈی پور کو سونپ دی۔ مدرسہ خانقاہ لطیفیہ کے قیام کے بعد اس کی تعمیری وتعلیمی ترقی کے لئے آپ نے شب وروز پیہم جدوجہد کی اور اس کی ترقی کی راہ میں درپیش

مصائب وآلام کو برداشت کرتے ہوئے آسمان کی بلندی کو پہنچایا۔ اس ادارہ کے فروغ کے لئے آپ نے صرف اپنا پسینہ نہ بہایا بلکہ خون جگر سے سینچا اور اس کی تعلیمی وتعمیری منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے مجاہدانہ کردار ادا کیا۔ مدرسہ خانقاہ لطیفیہ رحمٰن پور اپنے قیام کے روز اول سے اب تک یعنی سوا سو برس سے تعلیم وتربیت اور دعوت وتبلیغ کے کاموں میں مصروف ہے، جہاں سے ہزاروں علماء وفضلا، حفاظ اور قراء زیور علم سے آراستہ ہوچکے ہیں جو ملک وبیرون ملک میں علم وحکمت اور تبلیغ وارشاد کا فریضہ انجام دیکر حضرت لطیفی کے مشن کو فروغ واستحکام بخش رہے ہیں۔ مدرسہ خانقاہ لطیفیہ کے بڑھتے ہوئے ہر قدم کے ساتھ فرزندان لطیفی حضرت مولانا شاہ امام مظفر، مولانا شاہ مخدوم شرف الہدیٰ، حضرت مولانا شاہ خواجہ وحید اصغر اور حضرت لطیفی کے تلامذہ اور خانوادہ کی عظیم کدوکاوش کو فراموش نہیں کیا جاسکتا ہے۔ مشرقی بہار کی اس عظیم الشان مرکزی درس گاہ میں آج بھی مسلمانوں کے عقائد کی اصلاح، دین کی تبلیغ واشاعت، سنت نبوی کی تنفیذ واحیاء اور حضرت لطیفی کے اسلامی وآفاقی نظریوں کو فروغ دینے کے لئے علماء وفضلاء کی ایک فعال ومتحرک ٹیم بزم تدریس سجا رکھی ہے اور شب وروز قال اللہ وقال الرسول کی صدائے دلنواز سے طالبان علوم نبویہ کے قلب وجگر کو معطر کر رہی ہے۔ مشرقی بہار کے اس منفرد اور مثالی درس گاہ نے برصغیر میں اور خصوصاً بہار وبنگال ونیپال میں علم وعرفاں کی روشنی پھیلانے میں جو عظیم کارنامہ انجام دیا ہے، تاریخ اسے کبھی فراموش نہیں کرسکتی ہے۔ اور جب بھی قدیم پورنیہ کی تاریخ رقم کی جائے گی اس مرکزی درس گاہ کی زریں خدمات کے بغیر پورنیہ کی تاریخ ناقص رہے گی۔

حضرت لطیفی کا قیام کردہ یہ چمن اپنی گوناگوں خصوصیات اور سوا سو سالہ عظیم خدمات کے سبب مشرقی بہار کا ایک عظیم الشان دانش کدہ اور اسلامی واخلاقی اقدار کی تربیت گاہ کی حیثیت سے ملک وبیرون ملک میں جانا جاتا ہے۔

ردوہابیت ونجدیت

حضرت لطیفی کے یہاں علم کی گیرائی وگہرائی، قوت تفکر، مسلمانوں کے عقائد کی

اصلاح، دیوبندی افکار ونظریات کی تردید اور مذہب وملت کے فروغ کا جذبہ موجزن تھا۔ اس کے لئے آپ نے تقریریں کیں، مناظرے کئے اور وہابیت و دیوبندیت کی رد میں کتب ورسائل تصنیف فرما کر قوم کے حوالے کئے۔ ۱۳۱۸ھ میں جب ہندوستان میں تحریک ندوہ کا آغاز ہوا اور بڑی تیزی سے اس کے گمراہ کن عقائد اور باطل نظریات کی اشاعت ہونے لگی تو پاسبان شریعت وطریقت، محافظ ناموس رسالت، ماحی بدعت وضلالت، مجدد اسلام حضرت مولانا شاہ امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی نے تحریک ندوہ کی تردید وابطال کے لئے تحریک جدوہ کی بنیاد رکھی۔ اس تحریک اسلامی نے احقاق حق اور ابطال باطل میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ ملکی سطح پر بڑے بڑے شہروں جیسے پٹنہ، کلکتہ اور مدراس وغیرہ میں عظیم الشان وانقلاب آفریں کانفرنسیں ہوئیں۔ پٹنہ شہر میں ہفت روزہ اجلاس بڑے تزک واحتشام کے ساتھ ۵ رجب تا ۱۱ر رجب المرجب ۱۳۱۸ھ میں منعقد ہوا۔ اس عظیم الشان اجلاس میں ملک کے اکناف واطراف سے ۳۱۳ مقتدر علمائے کرام اور مشائخ عظام مدعو کئے گئے۔ مشرقی بہار کی قیادت ونمائندگی کے لئے محبّ رسول تاج الفحول حضرت مولانا عبدالقادر بدایونی اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہما الرحمہ نے بہار کی ایک قد آور اور ہمہ گیر شخصیت حضرت لطفی کا انتخاب فرمایا اور دعوت شرکت کا پروانہ عطا کیا۔ حضرت لطفی اس اصلاحی اور ملی اجلاس کے لئے پٹنہ تشریف لے گئے اور اجلاس کی تمام تر کارروائی و سرگرمیوں میں نمایاں حیثیت سے اختتام اجلاس تک شریک رہے۔ یہیں سے آپ تحریک جدوہ کا جزو لاینفک بن گئے اور مدراس کے آخری اجلاس منعقدہ ۱۹۲۰ء تک فعال ومتحرک ہوکر شریک رہے۔ تحریک جدوہ کی روداد سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حضرت لطفی علم وعرفاں کے کیسے بحر ذخار اور اسلامی اور اخلاقی روایات کے کس قدر محافظ تھے کہ حضرت مولانا عبدالقادر بدایونی اور مولانا فاضل بریلوی علیہما الرحمہ نے مشرقی بہار کی قیادت ونمائندگی کے لئے آپ کا انتخاب فرمایا اور تاحیات آپ اس تحریک کے رکن رہے۔

حضرت لطفی وہابیت ودیوبندیت کے لئے شمشیر برہنہ اور عقائد اہل سنت و جماعت کے لئے محافظ اعظم تھے۔ اس لئے جب بھی اہل سنت وجماعت کے عقائد و

حفاظت کی حمایت کی بات آئی تو آپ نے بلا کسی رو رعایت کے آگے بڑھ کر اپنے مسلک وعقیدے کی حفاظت کی۔ ۱۳۲۴ھ کی بات ہے ارریہ بہار میں باہر سے کوئی وہابی مولوی آیا اور وہاں کے لوگوں کو وہابیت ودیوبندیت کے دام تزویز میں پھنسانا چاہا تو وہاں کے عوام نے پاسبان شریعت وطریقت، ماحی کفر وضلالت حضرت لطیفی کو اس کی اطلاع دی۔ یہ خبر ملتے ہی حضرت لطیفی اپنے شاگرد رشید مولانا کرامت حسین تمنا کو ساتھ لے کر احقاق حق اور ابطال باطل کے لئے ارریہ روانہ ہوئے۔ آپ کی آمد کی خبر ملتے ہی وہ وہابی مولوی دم دبا کر بھاگ نکلا۔ حضرت لطیفی وہاں کے لوگوں کو وہابیت ودیوبندیت کے گمراہ کن عقائد اور باطل نظریات سے آگاہ کیا اور اہل سنت وجماعت کی حقانیت کو خوب واضح کیا۔ حضرت لطیفی نے صرف اسی پر بس نہ کیا بلکہ اس وہابی مولوی کے پھیلائے ہوئے غلط افکار ونظریات کی بیخ کنی کی اور وہاں کے لوگوں سے اس وہابی مولوی کے دریافت کئے ہوئے سوالات کا دندان شکن جواب دینے کے لئے اپنے شاگرد رشید مولانا کرامت حسین تمنا کو ایک رسالہ تحریر کرنے کا حکم دیا۔ مولانا نے مناظرانہ اسلوب میں شگوفہ تمنا نامی ایک معرکۃ الآرار رسالہ تصنیف کیا۔ (حیات لطیفی ص ۲۴،۲۳)

تبلیغی کارنامے

حضرت لطیفی حصول علم اور اشاعت علم کے بعد ۱۳۱۲ھ میں اپنے وطن مالوف کی طرف لوٹے تو آپ نے مشرقی بہار ومغربی بنگال کے مسلمانوں کو جہالت وضلالت، اوہام پرستی، بعض ہندوانہ رسم ورواج جیسے ست پیر، کالی دیو کی بھینٹ، جنگ نامہ، پیڑ پودوں کی شادیاں رچانا، جگہ جگہ چلہ خانہ وعبادت خانہ بنا کر پھول وہار پیش کرنا اور اس طرح کے بے شمار واہیات وغیر اسلامی رسم ورواج میں مبتلا پایا جس سے آپ بے حد رنجیدہ اور کبیدہ خاطر ہوئے۔ ہم ذیل میں ان غلط رسوم ورواج کی قدرے تفصیل درج کر رہے ہیں۔

ست پیر کا گانا

ست پیر کی کہانی، رام کی کہانی سے کچھ کم نہیں ہے۔ یہاں کے مسلمانوں کا عقیدہ

تھا کہ جس کے یہاں اولاد پیدا نہ ہوئی ہو اگر وہ ۳/۵ یا ۷ دنوں تک ست پیر نام کی مجلس رقص وسرود منعقد کرے گا تو وہ اولاد نرینہ کی دولت سے مالا مال ہو جائے گا اور اس کو صحت وتندرستی، ترقی وخوشحالی نصیب ہوگی۔

کالی دیو کی بھینٹ

ہندوستان میں عموماً سڑکوں کے کنارے کنارے چھوٹی چھوٹی مندریں ہوا کرتی ہیں۔ جب یہاں کے ان پڑھ اور سادہ لوح مسلمان ان سڑکوں سے گزرتے تو ان کے سامنے سرنگوں ہوتے تھے اور اس کو اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے نیک فال تصور کرتے تھے۔

جنگ نامہ

یہ ایک قسم کا مرثیہ ہے جس میں حضرت امام حسین اور دیگر شہدائے کربلا کے بے اصل واقعات پیش کئے جاتے ہیں۔ اس میں سیکڑوں موضوع روایتیں اور غیر اسلامی باتیں ہوا کرتی ہیں۔ یہاں کے مسلمان فرحت وسرور کے ساتھ اپنے گھروں میں ایسے مرثیے کی مجلس منعقد کرتے اور اسے ترقی وخوشحالی کا ذریعہ اور مصائب وآلام کا نجات دہندہ سمجھتے تھے۔ اس زمانے کے مسلمانوں کی غیر اسلامی رسم ورواج کی منظر کشی ایک ہشتادسالہ معمر بزرگ جناب عبدالستار بانس ڈول پورنیہ نے اس طرح کی ہے "ہمارے بڑے بوڑھوں نے بتایا ہے کہ جب حضرت لطیفی تشریف لائے تو انہوں نے بعض دیہات کے اندر دیکھا کہ پسماندہ اور نرے ان پڑھ سادہ لوح مسلمانوں کے گھروں میں یہ تمیز کرنا مشکل ہے کہ کون سا مسلم گھرانہ ہے اور کون سا غیر مسلم؟ کیونکہ ان مسلمان گھروں میں بھی ہندوانہ طرز وطریق پر ایک نوع کا پوجا پاٹھ ہوا کرتا تھا اور کئی رسم ورواج ان کے ڈھب پر انجام دئے جاتے تھے۔ (حیات لطیفی: ص ۱۶)

آپ یہاں کے مسلمانوں کی غیر اسلامی رسم ورواج اور جہالت وضلالت سے بے حد رنجیدہ وکبیدہ خاطر ہوئے اور بڑی ہمت وجواں مردی کے ساتھ مسلمانوں میں

رچ بسے غیر اسلامی افکار ونظریات اور بدعات وخرافات کی اصلاح شروع کردی۔ مشرقی بہار و بنگال کے دیہاتوں اور شہروں میں آپ نے شب روز تقریریں کیں، مناظرے کئے، کتب ورسائل تصنیف کیں، جگہ جگہ مکاتب و مدارس قائم کئے اور کثیر تعداد میں مساجد و خانقاہ کی بنیاد رکھی۔ آپ کو دعوت وتبلیغ اور اصلاحی مراکز کی ضیاباری کرنوں سے جہالت و گمراہی کی گھنگھور گھٹائیں دور ہوئیں، بدعات وخرافات اور وہم پرستی کا خاتمہ ہوا، ایمان وایقان میں پختگی پیدا ہوئی اور چہار جانب مذہب اسلام کا صاف وشفاف چہرہ نظر آنے لگا۔
اس دعوتی واصلاحی تحریک کے فروغ واستحکام کے لئے آپ مدرسہ خانقاہ رحمٰن پور تکیہ شریف کی بنیاد رکھی جہاں سے رشد وہدایت اور دعوت وتبلیغ کا کام اعلیٰ پیمانے پر ہونے لگا اور مختصر عرصہ میں اس دعوتی واصلاحی مرکز سے ایسے کاملان شریعت وطریقت پیدا ہوئے جنہوں نے اپنی فکر وبصیرت اور علم وفضل سے وہ چراغ جلائے جن کی کرنوں سے مشرقی بہار و بنگال کا گوشہ گوشہ منور مجلیٰ ہوگیا۔ آپ کی بیس بائیس سالہ ٹھوس خدمات اور آپ کے تلامذہ اور ارادت مندوں کی پیہم کوششوں نے بہار و بنگال کا نقشہ ہی بدل دیا۔
ماہر علوم عقلیہ حضرت علامہ قاضی شہید عالم رضوی نے اس حقیقت کی منظر کشی اس طرح کی ہے: خطہ مشرقی بہار و بنگال میں آج سے ڈیڑھ سو سال قبل جبکہ اشاعت وتبلیغ کے لحاظ سے میدان خالی تھا اور علم وادب، فکر وفن کی شمعیں گل ہو چکی تھیں۔ ایسے نازک اور پرخطر موقع پر آپ کی وہ ذات تھی کہ جس نے دینی ومسلکی اور اصلاحی وتعمیری سطح پر یہاں ایک خوشگوار انقلاب برپا کیا۔ (شاہ حفیظ الدین اور جہان علم دانش، ص:۳۶)
عصر حاضر میں مغربی بنگال کے اضلاع مثلاً دیناجپور، بنگلہ دیش کے اضلاع جیسے سعید پور، رنگ پور، چاٹ گام اور مشرقی بہار کے اضلاع پورنیہ، کٹیہار، ارریہ اور کشن گنج وغیرہ میں مساجد ومدارس، خانقاہوں اور تربیت گاہوں کا جو جال بچھا ہوا ہے ان میں سے ہر ایک کا رشتہ کڑی در کڑی حضرت لطیفی کی دینی وملی، دعوتی واصلاحی خدمات سے جاملتا ہے۔

ہر طرف جو بج رہا ہے ساز دوستو!
ہے اسی جرس کی آواز دوستو!

حضرت مولانا شاہ حفیظ الدین لطیفیؔ کی حیات وخدمات

حضرت مولانا نواز احمد سعیدی غازی پوری
ریسرچ اسکالر ہندو یونیورسٹی بنارس، یوپی

خالق کائنات نے جو جن وبشر کی تخلیق فرمائی۔ وہ اپنی معرفت کے واسطے۔ خدا کی معرفت کیسے حاصل ہو۔ اس کا طریقہ نبی اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو بتایا۔ صحابۂ کرام نے تابعین کو اور تابعین نے تبع تابعین کو اور تبع تابعین نے صالحین کو صالحین نے سلف صالحین کو اور یہ طریقہ آج بھی تمام سلاسل عالیہ میں رائج ہے۔ صوفیائے کرام کے مطابق علوم معرفت کے واسطے، علوم شریعت و طریقت سے مکمل آگاہی ہونی چاہئے۔ علوم شریعت مسائل ظاہری کے واسطے، علوم طریقت مسائل باطنی کے واسطے اور جب دونوں علوم سے بندہ واقف ہو جاتا ہے تو وہ بندہ عام بندہ نہیں بلکہ خاص بندہ ہو جاتا ہے۔ انہیں بندۂ خاص میں ایک نام آتا ہے۔ امام شریعت وطریقت حضرت علامہ حفیظ الدین لطیفی ابوالعلائی نقشبندی چشتی قادری قدس سرہ کا جو ۱۹ویں صدی عیسوی کے ایک عظیم صوفی عالم بزرگ کے طور پہ جانے جاتے ہیں۔

آپ کے خاندانی حالات اور سن ولادت

آپ ایک زمیندار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام شیخ حسن علی تھا۔ جو موضع چشتی نگر کنہریا ضلع پورنیہ کے ایک بڑے زمیندار تھے۔ وہیں آپ ۱۲۴۵ھ مطابق ۱۸۳۰ء پیدا ہوئے۔

آغاز تعلیم

جب آپ کی عمر شریف چار سال چار ماہ چار دن کی ہوئی تو گھر کے بزرگوار نے

رسم بسم اللہ خوانی کرائی۔ جیسے جیسے تعلیم کا شوق ہوتا گیا آپ متعدد شہروں کے سفر کرتے رہے۔ آپ کی تعلیم جن شہروں میں ہوئی وہ رسول پور پورنیہ، پٹنہ، فرنگی محلی لکھنؤ اور دہلی تعلیم مکمل کرنے کے بعد علوم معرفت کی طرف دل بہت مائل ہونے لگا اور یہ علم بغیر شیخ کے ممکن نہیں تھا۔

بیعت وخلافت

آپ سلسلہ ابوالعلائیہ نقشبندیہ چشتیہ قادریہ کے مشہور بزرگ حضرت سیدنا رکن الدین عشق رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۲۰۳ھ) کے سجادہ نشین قطب وقت خواجہ محمد لطیف رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۲۹۹ھ) اسی طریقہ عالیہ میں بیعت ہوئے۔ عرصہ دراز تک خدمت شیخ میں رہے۔ شیخ کی خاص توجہ سے سلوک کی ساری منزلیں طے کیں۔ پھر شیخ نے سلسلۂ قادریہ سہروردیہ نقشبندیہ چشتیہ فردوسیہ قلندریہ اور ابوالعلائیہ منعمیہ کی خلافت واجازت سے سرفراز کیا۔ خدمت خلق رشد وہدایت درس وتدریس اور سلسلہ عالیہ کی خدمت کی اجازت بھی عطا فرمائی۔

درس وتدریس رشد وہدایت کا سلسلہ

آپ نے مختلف مقامات پہ درس وتدریس کی خدمتیں انجام دیں۔ بالآخر آپ خانقاہ کبیریہ سہسرام تشریف لائے اور مدرس اول کی حیثیت سے ۱۲ سال یہاں قیام کیا۔ دوران قیام جہاں آپ درس وتدریس کی خدمتیں انجام دیتے رہے وہیں رشد وہدایت کا سلسلہ بھی جاری کر رکھا تھا۔

عقد ومناکحت اولاد وامجاد

آپ کی شادی نالندہ ضلع بہار شریف سے متصل ایک گاؤں میں سید عبدالکریم صاحب کی صاحبزادی سے ہوئی۔ جن کے بطن سے تین صاحبزادی اور تین صاحبزادے پیدا ہوئے۔ جن کے نام پاک اس طرح سے ہیں۔ حضرت مولانا امام مظفر حسین، حضرت مولانا مخدوم شرف الہدیٰ، حضرت مولانا خواجہ وحید اصغر علیہم الرحمۃ والرضوان۔

آپ کے خلفاء

آپ کے متعدد خلفاء ہیں جو یکتائے زمانہ ہوئے۔ ان میں بہت سے علماء شعرا صوفیہ کے طور پہ مشہور ہیں۔

(۱) حضرت مولانا صادق علی شاہ: آپ اتر پردیش کے غازی پور ضلع برسڑا قصبہ کے رہنے والے تھے۔ ۱۸۶۰ء/۱۲۹۷ھ میں پیدا ہوئے۔ ۳/صفر ۱۳۵۲ھ مطابق ۸/جون ۱۹۳۳ء کو وصال فرمایا۔ آپ مشہور عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ ایک صوفی منش بزرگ بھی تھے۔ آپ ایک صاحب دیوان شاعر بھی تھے۔ آپ نے عربی، فارسی اردو میں شاعری کی۔ آپ کا مشہور دیوان دیوان صادق زیر طبع ہے۔

(۲) حضرت مولانا عبدالحیٔ نظر رحمۃ اللہ علیہ: آپ کا تعلق سہسرام بہار سے تھا۔ آپ نے علوم عقلیہ ونقلیہ کی مکمل تعلیم خانقاہ کبیریہ سہسرام سے حاصل کی۔ دوران تعلیم حضرت کے حلقہ ارادت میں شامل ہوگئے۔ خلافت واجازت سے سرفراز کئے گئے۔ آپ اپنے وقت کے محدث مفتی، خطیب، مصلح مبلغ، شاعر اور ادیب گزرے ہیں۔ آپ کو عربی، فارسی، اردو تینوں زبانوں پر دسترس حاصل تھی۔ آپ کا دیوان، دیوان نظر، حلقہ علم وادب میں بہت پسند کیا گیا۔

آپ کا وصال ۱۲/ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۹۳۹ء کو ہوا۔

اس کے علاوہ مولانا تصدق دلشاد پوری، جناب مولانا کرامت حسین، تمنا صاحب مولانا شرف الدین حفیظی جیسی نادر ہستیاں آپ کی غلامی میں رہیں۔

آپ کی تصنیفات

آپ کی بے شمار تصنیفیں ہیں ان میں کچھ تو موجود ہیں اور کچھ کی تلاش جاری ہے۔ جو تصنیفیں نظروں کے سامنے ہیں ان میں دیوان لطیفی شعر وادب، رقعات لطیفی (شعر وادب) مکتوبات لطیفی (حصول تصوف)، لطائف حفظ السالکین (پند ونصائح راہ

سلوک)، تلک عشرہ کاملہ (وحدۃ الوجود پہ مدلل بحث) یہ کتابیں میری نظروں سے گزری ہیں۔اس کے علاوہ بہت ساری تصانیف ہیں۔

دیوان لطیفی یہ تصنیف شعروادب پہ ہے زبان فارسی اردو دونوں ہے۔دیوان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعری پہ آپ کو خاص دسترس حاصل تھی کیوں نہ حاصل ہو۔ جب حضرت عشق کو ہی شاعری سے شغف تھا تو پھر آپ کو کیوں نہیں۔

حضرت عشق کے چند اشعار بطور تبرک ملاحظہ ہو:

روز وشب تجھ سے گو ملا کیجئے
چین اس پر نہ ہو تو کیا کیجئے

سبھی دعوے عشق رکھتے ہیں یارو
کوئی عشق سا ہم نے رسوا نہ دیکھا

کعبہ میں بہت خاک اڑائی ہم نے
بت خانہ میں صورت بھی نہ پائی ہم نے

آخر کو کہا عشق نے ہم سے کچھ اور
دیکھا تو یوں ہیں عمر گنوائی ہم نے

حضرت لطیفی دیوان لطیفی میں کہتے ہیں

جان سے خوش تر ہے پیارے آشنائی آپ کی
دل میں ہے آنکھوں میں ایجاں روشنائی آپ کی

جان خوباں ہے لطیفی آپ کا یار لطیف
آپ سے ہو لطف یا ہو بے وفائی آپ کی

آگے آپ بزبان فارسی فرماتے ہیں:

اے جان جہاں شان خدا جلوۂ رحماں مددے
عماں سخا کان وفا مبدائے فیضاں مددے

لطائف حفظ السالکین میں مریدوں کو پندونصائح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔ ان خیر الناس من ینفع الناس و خیر الکلام ماقلّ ودلّ.

ترجمہ: بے شک لوگوں میں سے بہتر وہ ہے جولوگوں کونفع پہنچائے اوراچھا کلام وہ ہے جوکم ہواور بہت معنی رکھے۔

مکتوبات لطیفی میں ایک جگہ اپنے چھوٹے صاجزادے حضرت مولانا وحید اصغر صاحب قدس سرہ کونصیحت فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ جان پدر خواجہ وحید اصغر مدعمرک فی طاعة ربک الاکبر۔ازخیراندیش دعائے خیر بخوانید(ازراہ عقل ودانش نیک بدانید کہ دنیا جائے کشت آخرت است۔

ترجمہ: اے میری جان وحید اصغر تمہاری زندگی گزرے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں۔ تمہاری بہتری کا خواہاں ہوں۔عقلمندی دانش مندی یہ ہے کہ دنیا کوآخرت کی کھیتی جانو۔

رسالہ تلک عشرہ کاملہ میں خطبہ کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ بفرمائش برادرے از برادران عصر کلمہ طیبہ را ترجمہ بامقدمات عشر تسوید کردم وحسب تجویز عزیزے بہ تلک عشرۃ کاملہ موسومش گردانید۔فرمائش کیا بھائیوں سے بھائیوں نے کہ کلمہ طیبہ کا ترجمہ مقدمے کے ساتھ کیا جائے لہٰذا عزیزوں کی تجویز کے مطابق میں نے ویسا ہی کردیا۔اس کو تلک عشرۃ کاملہ سے موسوم کیا۔جواسی نام سے یادکیا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ بھی بہت سی تحریریں آپ کی پائی جاتی ہیں۔جس میں بعض حاصل ہوچکی ہیں اوربعض کی تلاش جاری ہے۔

آپ کے ہم عصر بزرگ اور رفقاء

جس دور میں آپ نے آنکھیں کھولیں اس دور میں بے شمار علماء ومشائخ مدارس

اور خانقاہوں کی عظمت بنے ہوئے تھے۔

شاہ امداد علی بھاگلپوری (متوفی ۱۳۰۲ھ) شاہ قیام اصدق متوفی (۱۳۰۱ھ) شاہ مخلص الرحمٰن جہانگیری متوفی (۱۳۰۱ھ)۔ علاوہ ازیں علامہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی، حاجی وارث علی شاہ جیسی نادر ہستیاں مخلوق خدا کی دلجوئی کر رہی تھیں۔ آپ کے ہم عصروں میں علامہ آسی غازی پوری متوفی (۱۳۳۵ھ) علامہ فاروق چریاکوٹی متوفی ۱۳۲۷ھ، علامہ شہود الحق چشتی (متوفی ۱۳۳۱ھ) علامہ عبدالحئی چاٹگامی متوفی ۱۳۳۹ھ) اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں (متوفی ۱۳۴۰ھ) خاص طور پر قابل ذکر ہیں

وصال شریف اور عرس مبارک

مختصر علالت کے بعد آپ کا وصال شریف ۳۰ رجمادی الاول ۱۳۳۳ھ مطابق اپریل ۱۹۱۵ء رحمٰن پور شریف ضلع کٹیہار بہار میں ہوا اور وہیں جامع مسجد لطیفی کے دکھن جانب آپ کا مزار پاک ہے۔ ہر سال آپ کا عرس مبارک مذکورہ تاریخوں میں ہوتا ہے۔ اس سال کا عرس ۱۰۰واں عرس پاک ہے جو ۲۲ر۲۳ر اپریل کو منعقد ہے۔

آپ پہ پہلا مضمون

بات ۱۹۹۷ء کی ہے میں حضرت مولانا شاہ صادق علی حفیظی علیہ الرحمہ کی سیرت پہ تحقیق کر رہا تھا۔ میں ان دنوں مبارک پور میں ہی تھا۔ میں حضرت لطیفی کے تعلق سے کٹیہار کے رہنے والے سبھی طلباء سے برابر پوچھتا تھا۔ مگر تشفی بخش کوئی جواب نہیں دیتا تھا۔ ایک روز میں مولانا مسعود صاحب مصباحی جالونی سے اس سلسلہ میں ذکر کیا تو انہوں نے فوراً خواجہ ساجد عالم مصباحی صاحب کے بارے میں بتایا۔ میں نے آپ سے ملاقات کی۔ اس وقت تک حضرت لطیفی کے بارے میں عوام کو چھوڑئے خواص تک کو معلوم نہیں تھا۔ میرا ایک مضمون حضرت لطیفی کے خلیفہ مولانا صادق علی کے تعلق سے ماہ جون ۱۹۹۷ء کو ذکر صادق کے عنوان سے جام شہود کلکتہ سے شائع ہوا اس کے بعد سے حضرت لطیفی پہ تحقیق کا

سلسلہ شروع ہوا جو آبھی جاری ہے۔

اس مقالہ کے لئے جن کتابوں سے مواد حاصل کیا گیا مندرجہ ذیل ہیں:

(ا) دیوان لطیفی، لطائف حفظ السالکین، مکتوبات لطیفی، تلک عشرہ کاملہ، حضرت لطیفی۔ تذکرۂ ہندی (از غلام ہمدانی مصحفی) باغی ہندوستان (از علامہ فضل حق خیرآبادی)، خیرآبادیات (از اسید الحق قادری)، جام شہود جون ۱۹۹۷ء (از نواز احمد سعیدی) مشائخ غازی پور (از عبید الرحمٰن صدیقی) حیات حفیظی اور شاہ حفیظ الدین اور جہان علم ودانش حضرت لطیفی مجلّہ (از خواجہ ساجد عالم مصباحی)

حضرت مولانا شاہ حفیظ الدین لطیفی: ایک جہان محاسن وکمالات شخصیت

حضرت مولانا احمد رضا احمد صاحب
نائب مدیر سہ ماہی المختار کلیان، ممبئی

اک رنگ کے پیکر میں سو رنگ جھلکتے ہیں
اک دل جو سنور جائے، ماحول سنور جائے

یوں تو بے شمار عظیم المرتبت مقدس ہستیوں سے سرزمین ہند سرفراز ہے مگر اپنی اس حقیر کاوش کو میں جس عظیم ذات سے معنون کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں وہ اگر آسمان شریعت وطریقت، رشد وہدایت اور جمیع علوم وفنون کا ایک ایسا تلاطم خیز سنگم ہے کہ جس نے تشنگان علم وفن کو نہ صرف چشمۂ صافی عطا کیا بلکہ رشد وہدایت کے گوہر آبدار بھی لٹائے۔ جنہوں نے اپنی بے مثال ہمت اور اخلاق وکردار سے سرزمین بہار خصوصاً مشرقی بہار و مغربی بنگال کو لالہ زار بنا دیا جس نے اپنی بے مثال رشد وہدایات کے ذریعہ گم گشتگان راہ کی کثیر تعداد کو راہِ حق سے آشنا کیا اور جس کی آمد سے سرزمین بہار وبنگال گل وبلبل کا مسکن اور باغ و بہار بن گئی۔

تقریباً ۱۲۴۵ صدی ہجری رہی ہوگی چشتی نگر، کنہریا میں حضرت شاہ حفیظ الدین لطیفی برہانی علیہ الرحمہ والرضوان کی پیدائش ہوئی۔ کنہریا اعظم نگر کے قریب ہے۔ وہی اعظم نگر جو کٹیہار سے جانب شمال ذرا مشرق کی طرف واقع ہے۔ کٹیہار کا پرانا نام 'سیف گنج' ہے نہ معلوم کب کٹیہار ہو گیا۔

حضرت لطیفی علیہ الرحمہ کو بچپن ہی سے پڑھنے لکھنے کا شوق تھا لیکن گاؤں میں تعلیم کا کوئی نظم نہ تھا، تحصیل علم کی خواہش اور ذوق تعلیم نے آپ کو مجبور کیا کہ کہیں جائیں۔ چنانچہ آپ

اپنے گاؤں سے تقریباً ۵ میل دور رسول پور گاؤں پہنچے۔ زمینداروں کا گاؤں تھا۔ اس گاؤں میں بہت سے لوگ وہ تھے جو مظفر نگر، یوپی سے ہجرت کر کے یہاں آئے تھے اور برسوں سے یہاں بود و باش اختیار کر رکھی تھی۔ خیر! رسول پور گاؤں میں مدرسہ تھا جہاں حضرت لطیفی علیہ الرحمہ نے تعلیم پائی جس میں دور دراز کے ماہرین علم و فن آ کر تعلیم دیا کرتے تھے۔ 'لغات کشوری' کے مولف اور معروف شاعر و ادیب جناب فانی جائسی بھی یہاں رہ چکے تھے۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے پٹنہ کا سفر کیا۔ اس کے بعد مدرسہ نظامیہ فرنگی محلی لکھنؤ وارد ہوئے۔ یہاں یگانہ روزگار حضرت علامہ مولانا شاہ عبدالحلیم فرنگی محلی وغیرہ بلند پایہ قابل ذکر اساتذہ درس و تعلیم دیا کرتے تھے۔

حضرت لطیفی علیہ الرحمہ جب داخل مدرسہ ہوئے تو عارف باللہ عاشق رسول حضرت علامہ عبدالعلیم آسی غازی پوری خانقاہ رشیدیہ جونپور، سند المشائخ تاج الاصفیاء حضرت علامہ سید شہودالحق اصدقی صاحب خانقاہ اصدقیہ بہار شریف، عالم عصر و محقق دوراں حضرت علامہ قاضی فاروق چریاکوٹی اعظمی جیسے بلند اقبال و ذہین و بزرگانہ صفت کے حامل ہم درس ملے۔ آپ نے فرنگی محل میں وسطانیہ سے لے کر منتہی جماعت کی تعلیم حاصل فرمائی۔ مگر حدیث پاک کی حصول و تکمیل آپ نے دہلی میں کی۔ حضرت شاہ مخصوص اللہ دہلوی اور شاہ محمد موسیٰ دہلوی سے سند حدیث لے کر مراجعت فرمائی۔ عہد تحصیل تمام ہوا تو تدریس کا دور شروع ہوا۔ آرہ، پٹنہ، بھاگلپور، شاجہاں پور میں مسند تدریس بچھاتے گئے۔ طالبان علوم نبوت کو سیراب کرتے گئے۔ ابھی یہ سلسلہ زروں پہ تھا۔ دل کی دنیا سے آواز آئی۔ لطیفی! یہ قیل وقال کب تک؟ قال سے حال کی طرف آ۔ قالب چھوڑ قلب سنوارنے کی تیاری کر، اب یہ بڑی پرخار وادی تھی۔ پھر بھی لنگر اٹھا دیا۔ طوفان کی زد پہ کشتی چھوڑ دی، اب آپ تھے۔ وقت کے تھپیڑے تھے، نہ ساتھی، نہ ناؤ، نہ پتوار، کشاں کشاں چلتے چلاتے رہے، اگر کوئی مونس و غمخوار تھا، تو وہ خدا کی رحمت تھی۔

بیعت وخلافت

اللہ والوں کے مزارات پریشان حال بندوں کی پناہ گاہیں ہیں۔ حضرت لطیفی علیہ الرحمہ بارگاہ منعم پاک، متن گھاٹ پٹنہ میں مخدوم المشائخ سند الواصلین حضرت شاہ محمد منعم

علیہ الرحمہ کے مزار پر مراقب ہوئے۔ دوران مراقبہ آیت کریمہ "یاایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ المرضیۃ" کی صدائے دلنواز کانوں میں رس گھولنے لگی اور غیبی اشارہ بھی ہوا کہ تمہاری تسکین جان اور روحانی آسودگی کے لئے منزل بارگاہ عشق میں مخدوم الاصفیاء سند العارفین حضرت شاہ خواجہ لطیف علی عرف شاہ جان میاں صاحب کے خم خانہ ولایت سے وابستگی میں ہے۔ آپ نے ایک شعر سے اس جانب اشارہ کیا ہے۔

تا خطاب ارجعی بشنیدہ ام
از وفور وجد رقصانم ہنوز

چنانچہ اس باطنی رہنمائی اور غیبی اشارہ کی وجہ سے آپ بارگاہ عشق کھنچے چلے آئے۔ تکیۂ عشق حضرت شاہ رکن الدین عشق کی خانقاہ میں موجودہ سجادہ نشین شیخ عصر حضرت شاہ خواجہ لطیف علی قدس سرہ سے بیعت ہوئے۔ تو پیرومرشد نے ذکر واشغال اور ریاضت ومجاہدہ کے اصول وضوابط بتا کر منازل سلوک وطریقت کی پرخار وادی میں اتارا۔ ایک زمانہ تک آپ اس راہ کے مسافر رہے۔ جب قلب صیقل، روح روشن، باطن مجلی ومصفی ہوگیا۔ تب مرشد گرامی نے خرقہ خلافت پہنایا اور مجاز وماذون کیا۔

یہ کوئی بارہ سال تک کا مجاہدہ تھا یا ایک نئی زندگی کا آغاز تھا۔ اب آپ دونوں دریا کے تیراک وغواص وملتقی البحرین بن چکے تھے۔ اسی اثناء میں شادی ہوئی، شادی بہار شریف کے سادات گھرانے میں ہوئی۔ اسی دوران مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام سے طلبی ہوئی۔ یہ مدرسہ اس دور کا مانا جانا مدرسہ تھا۔ مدرسہ کے استاذ اور آپ کے برادر طریقت صوفی شاعر حضرت مولانا حسن جان حسن کا اصرار ہوا اور شیخ طریقت خواجہ شاہ لطیف علی قدس سرہ کا اشارہ ابرو پایا۔ آپ وہاں تشریف لئے گئے۔ صدر مدرس کا عہدہ ملا۔ اہتمام وانتظام کی ذمہ داری بھی سپرد ہوئی۔ یہاں آکر آپ کا جوہر کھلا۔ خوابیدہ وخفتہ صلاحیتیں اجاگر ہوئیں۔ صدر مدرس تھے، مہتمم مدرسہ تھے، مگر آپ کھانا مدرسہ سے نہیں کھاتے تھے بلکہ اپنی جیب خاص سے دال چاول، سبزی حضرت خود منگاتے، جو ایک اہل تعلق کے یہاں سے کھانا بن کر آتا آپ اس سے تناول فرماتے۔

حضرت لطیفی علیہ الرحمہ کی ذات عبقری مجاہدہ و ریاضت، شجاعت و کرامت اور زہد و ورع میں نابغہ دہر تھی۔ علوم و فنون کی مہارت، حذاقت و ممارست میں فقید المثال تھی۔ آپ کی علمی و عملی جلالت کا شہرہ سہسرام، شاہ آباد، آرہ، اورنگ آباد، رجہت گیا، بہار شریف تمام مضافات پٹنہ میں پھیلنے لگے گا۔ آپ کی تدریس و تعلیم کا یہ عالم تھا کہ تشنگان علوم و فنون کا ایک جم غفیر سیلاب کے مانند آپ کے در دولت پر امنڈ تا نظر آتا۔ آپ کے قدم مبارک جس سرزمین سے گزرتے موسم ربیع کا سماں بندھ جاتا۔ عقیدت کیشوں کا ایک اژدھام ہوتا، باری تعالیٰ کی عطائے خاص نے آپ کی زبان میں وہ اثر ڈالا تھا کہ اپنے اور بیگانے سبھی حلقہ بگوش اور گرویدہ ہو جاتے۔

آپ کی خدمات و کارنامے

خدائے لم یزل نے آپ کو ظاہری و باطنی سارے علوم کا سرچشمہ اور بے پناہ شجاعت و بسالت کا پیکر بنایا تھا جو ایک عظیم مشن یعنی مشرقی بہار میں دین قویم کے عروج و ارتقاء کا ذریعہ بن گیا۔

طلب و حصول علم اور پھر اس کی اشاعت و ترویج میں آپ کی مقدس حیات کا زیادہ حصہ بیرون وطن گزرا۔ ۱۳۱۲ھ جب آپ نے وطن مراجعت فرمائی۔ اس وقت یہاں کے حالات و ماحول، ایمان و عقیدے کے احترام و تقدس اور مذہب و مسلک کے تحفظ و بقا کے حوالے سے عجب روح فرسا و دلدوز مناظر پیش کر رہے تھے۔

باعتبار بنی آدم کسی کو کوئی تفریق اور ترجیح نہیں لیکن مذہب و ملت ایک ایسا امر ہے جو انسانوں کے درمیان خط امتیاز کی حیثیت رکھتا ہے اور یہی امر ان کے درمیان ترجیح کا باعث ہے۔ ملت ہی کی بنا پر ایک مرد مومن کافر سے ممتاز نظر آتا ہے اور اس پر اپنی فوقیت ظاہر کرتا ہے۔ ایک صاحب ایمان کا اہم فریضہ تحفظ ملت اور ارتقاء مذہب ہے۔ دراصل تقاضائے ایمان ہی یہی ہے کہ مرد مومن کے دم قدم سے مذہب و ملت، ماحول کی تمام آلائشوں اور گندگیوں سے محفوظ و مامون رہے۔

حضرت لطیفی علیہ الرحمہ کا مقصد حیات بھی دین مستقیم کا تحفظ اور اس کی سربلندی

تھی اور اسی عظیم مشن کی تکمیل کے لئے آپ نے سہسرام سے مشرقی بہار و مغربی بنگال کے اطراف واکناف کا دورہ کیا۔

آپ نے پوری تندہی و فعالیت کے ساتھ یہاں کے مسلمانوں میں رچے بسے غیر اسلامی افکار و افعال کی بیخ کنی کی، خلاف شرع عادات و اطوار کا استیصال کیا۔ اسلامی عقائد و اعمال بتائے، مذہبی اصول و فروع سکھائے۔ اخلاص و آداب سنت سے روشناس کرایا۔ جس نے پورے بھیانک منظر نامے کو پلٹ دیا۔

اس اصلاحی تحریک کو موثر و مستقل بنانے کے لئے، 'مدرسہ لطیفیہ خانقاہ رحمٰن پور، تکیہ شریف، منصۂ شہود پر لایا اس سے بڑا فائدہ حاصل ہوا۔

آپ کی ذات بابرکت رشد و ہدایت، اخوت و محبت اور ایمان وایقان کا آفتاب بن کر نکلی جس کی نورانی شعاعوں سے وہ ماحول جو بدعت وضلالت کی دھول میں اٹ چکا تھا ایک صاف وشفاف آئینہ بن کر رشک جہاں ہو گیا۔

احیائے اسلام وسنت، اصلاح قوم کی اس انقلابی تحریک سے عوام الناس کے درمیان آپ کی آمد و رفت میں اضافہ ہوا تو لوگ آپ کے جذبۂ اخلاص وللّٰہیت، اخلاق و محبت، زہد و تقویٰ، خوف و خشیت الٰہی، بے نیازی واستغنا اور توکل وقناعت، صبر و رضا سے کافی متاثر ہوئے۔ امیر و غریب سبھی برضا و رغبت حاضر بارگاہ ہونے لگے اور ادارے کا بھرپور تعاون ہونے لگا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک مختصر مدت میں تربیت یافتہ، ذی صلاحیت علماء کی جماعت تیار ہوگئی۔ جنہوں نے مشرقی بہار تا مغربی بنگال جابجا مدارس و اسلامی پاور ہاؤس قائم کرنے لگے۔ تبلیغ و دعوت کے مراکز کی بناڈالی اور مجالس کا اہتمام وانصرام کیا۔

اک رنگ کے پیکر میں سو رنگ جھلکتے ہیں
اک دل جو سنور جائے ماحول سنور جائے

آپ کی حیات و خدمات پر گو پردہ پڑا ہوا ہے۔ ذات وافکار کے سارے نشانات نظروں سے اوجھل یا تحریر سے باہر ہیں۔ مثلاً تعلیمی دور تا بارگاہ عشق، قیام سہسرام تا قیام رحمٰن پور کی خدمات واثرات، تلامذہ، کتب و رسائل، رقعات و دیوان، ان کارناموں پر بحث کا یہ محل متحمل نہیں۔ اس لئے یہاں ایک اجمالی گفتگو پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

شادی اور اولاد

آپ کی شادی بہار شریف کے قریب کے گاؤں بنام ڈمراواں میں حضرت مولانا سید عبدالکریم مرحوم کی صاحبزادی محترمہ عزیز النساء سے ہوئی۔ جن کے بطن سے تین لڑکے حضرت مولانا شاہ امام مظفر، حضرت مولانا شاہ مخدوم شرف الہدیٰ، حضرت مولانا شاہ خواجہ وحید اصغر علیہ ورالرضوان تولد ہوئے اور چار لڑکی پیدا ہوئی۔

(۱) نام معلوم نہیں (۲) صغری خاتون (۳) خدیجہ بیگم (۴) عمدۃ النساء

آپ کے مشہور تلامذہ یہ ہیں

حضرت مولانا شاہ امام مظفر، حضرت مولانا شاہ شرف الدین، حضرت مولانا شاہ وحید اصغر، حضرت مولانا کرامت حسین تمنا، حضرت مولانا محمد مراد حسین کھیرا، حضرت مولانا شاہ شرف الدین حفیظی گانگی۔

وفات جانکاہ

بتاریخ ۳۰ ر جمادی الاول ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۵ء کی شام بعد نماز عصر پیام اجل آیا اور آپ دار بقا کو رحلت فرما گئے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

حضرت کی تصنیفات وتالیفات مختلف موضوعات پر ہیں کچھ درسی ہیں کچھ غیر درسی بھی ہیں۔

اسمائے کتب

(۱) تسہیل التصریف (۲) وسیلۃ التصریف (۳) فوائد نوریہ شرح میزان منطق (۴) جریس الغیب (۵) جسیر الغیب (۶) تخمین الٰہی نامہ (۷) بما اغنی من الکلام (۸) خذہ بجد (۹) مجالہ نافعہ (۱۰) خطبہ دوازدہ ماہی (۱۱) تلک عشرۃ کاملۃ (۱۲) لطائف حفظ السالکین (۱۳) دیوان لطیفی (۱۴) مکتوبات لطیفی۔

ماخذ ومراجع: کاملان پورنیہ، حیات حفیظی، حضرت لطیفی مجلہ

حضرت شاہ حفیظ الدین لطیفی

ایک مجموعۂ کمالات شخصیت

حضرت مولانا مفتی نوشاد عالم رضوی
بانی وصدر المدرسین دار العلوم مصطفائیہ اعظم نگر کٹیہار بہار

آتی ہیں روز روز کہاں ایسی ہستیاں
دیتی ہیں جو دلوں کو وفاؤں کی مستیاں
بستی ہیں جن کے دم سے محبت کی بستیاں
کرتی ہیں عام دہر میں جو حق پرستیاں
ہوتی ہے ارجمند زمن جن کے نور سے
ملتا ہے زندگی کو یقین جن کے نور سے

رب کائنات کا بے پناہ فضل وکرم ہے کہ جن بندوں پر وہ خیر کا ارادہ فرماتا ہے انہیں علم وفقاہت کی نعمت لازوال سے نوازتا ہے۔ پھر وہ خدا کے نیک بندے خداداد فقاہت اور علم کی روشنی میں دین متین کی عظیم خدمات انجام دیتے ہیں اور دین کی حفاظت و صیانت فرماتے ہیں۔ انہیں سِلسِلۂ الذہب کی ایک حسین کڑی حضرت مولانا شاہ حفیظ الدین لطیفی رحمان پوری پورنوی ثم کٹیہاری کی ہے جو اسم با مسمیٰ ہے۔ نام حفیظ الدین ہے واقعۃً آپ نے دین اسلام اور ناموس رسالت کی صحیح حفاظت وصیانت فرمائی ہے۔

آپ کی علمی شخصیت اور مقبولیت مسلم الثبوت ہے۔ اس کی صداقت یہ ہے کہ جب ندوۃ العلماء کی تحریک سے لوگوں میں گمرہی اور بدعقیدگی پھیل رہی تھی تو اس سے قوم مسلم کو بچانے کے لئے علمائے اہل سنت نے تحریک جدوہ کی بنیاد رکھی تھی اور ملک گیر پیمانے

پر بڑے بڑے شہروں میں جلسے ہوئے تھے۔ پٹنہ میں ہفت روزہ اجلاس منعقد ہوا تھا۔ اس میں ملک بھر کے تین سو تیرہ جید علمائے کرام ومشائخ عظام مدعو کئے گئے تھے تو مشرقی بہار کی نمائندگی کے لئے محب الرسول تاج الفحول حضرت مولانا عبدالقادر بدایونی اور امام اہل سنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہما الرحمۃ والرضوان نے حضرت مولانا شاہ حفیظ الدین رحمن پوری کا انتخاب فرمایا تھا اور شرکت کی دعوت دی تھی اور حضرت لطیفی پٹنہ تشریف لے گئے تھے اور شریک اجلاس ہو کر اجلاس کی ساری کارروائی میں حصہ لیا تھا اور ہر طرح سے تحریک ندوہ کو کامیاب بنایا تھا۔ یہ تھی عندالعلماء والفضلاء آپ کی مقبولیت اور قدر ومنزلت۔

حضرت لطیفی ایک صاحب دل صوفی، ایک سچے نائب رسول ایک خدا رسیدہ بزرگ ایک تقدس مآب شخصیت کے حامل تھے۔ سلف صالحین کی ایک زندہ وتابندہ یادگار تھے۔ آپ پٹنہ اور دہلی کی بلند پایہ درس گاہوں سے مختلف علوم وفنون حدیث وفقہ تفسیر وعلم کلام اور دین کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد مدتوں عظیم درس گاہوں میں منصب اعلیٰ پر فائز ہو کر تدریسی خدمات انجام دیں۔ اور بے شمار تشنگان علوم نبویہ نے آپ کی درس گاہ میں رہ کر بادۂ علم وحکمت کے جام سے اپنی اپنی تشنگی بجھائی ہے۔

آپ جہاں ایک لاجواب مدرس تھے وہیں قادر الکلام عربی، فارسی اور اردو کے شاعر بھی تھے۔ دو درجن سے زائد کتب ورسائل کے مصنف بھی تھے۔ دیوان لطیفی، رقعات لطیفی، مکتوبات لطیفی، لطائف حفظ السالکین، تلک عشرہ کاملہ جَسِیـرُ الْغَیْبِ وغیرہ یہ نادر تصنیفات آپ کی قلمی صلاحیت پر شاہد عدل ہیں۔

آپ اپنے تصنیفی تدریسی، تعمیری، تنظیمی اور جماعتی کارناموں کی بنیاد پر مساجد، مدارس، خانقاہوں اور دینی اداروں میں زندہ وتابندہ ہیں اور صبح قیامت تک زندہ رہیں گے۔

متاع زندگی جس نے لٹا دی جان رحمت پر
خدا کی رحمتوں کے پھول برسیں ان کی تربت پر

بیعت وخلافت

آپ کو سلسلۂ نقشبندیہ ابوالعلائیہ کے روحانی تاجدار حضرت سید خواجہ رکن الدین عشق (تکیہ متین گھاٹ پٹنہ) کے پرنواسے حضرت مولانا خواجہ لطیف علی علیہما الرحمۃ والرضوان سے بیعت پھر خلافت واجازت حاصل تھی۔ شیخ کی نگاہ کیمیا اثر نے آپ کو درجۂ کمال تک پہنچا دیا تھا۔

آپ علوم ظاہری کے ساتھ علوم باطنی سے بھی آراستہ تھے۔ آپ کے خلفاء نے بھی اپنے اپنے دور میں دین کی نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔

آپ نے مریدین کا ایک لامتناہی سلسلہ چھوڑا ہے۔ آپ نے اپنے وطن عزیز رحمٰن پور میں اپنے شیخ طریقت کی طرف منسوب کرتے ہوئے ایک ادارہ بنام مدرسہ خانقاہ لطیفیہ قائم کیا ہے جس کا تعلیمی وخانقاہی فیضان جاری ہے اور انشاء اللہ تا قیامت جاری رہے گا۔ جس پر ہمیں اور ہمارے علاقے کے علماء وفضلاء اور دانشوروں کو بڑا فخر حاصل ہے۔

حضرت لطیفی قدس سرہ کا مزار اقدس رحمٰن پور تکیہ شریف میں مسجد سے قریب جانب جنوب واقع ہے جو زیارت گاہ خاص وعام ہے۔

ان کی شخصیت گرچہ ہماری نگاہوں سے اوجھل ہے مگر ان کی روحانیت آج بھی مریدین، متوسلین اور عقیدت مندوں کی رہنمائی اور دستگیری کر رہی ہے۔

فنا کے بعد بھی باقی ہے شان رہبری تیری
خدا کی رحمتیں ہوں اے امیر کارواں تجھ پر

حیات وخدمات حفیظ پرایک تاثراتی تحریر

حضرت مولانا محمد شمیم راحت برکاتی امانی
مادھے پور، کٹیہار، بہار

زبدۃ العارفین قدوۃ السالکین مسند الکاملین سید الواصلین حصرت مولانا شاہ حفیظ الدین لطیفی برہانی قدس سرہ النورانی (متولد ۱۲۴۵ھ متوفی ۱۳۳۳ھ) معاصر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشرقی بہار کی اس عظیم ترین اور نابغہ روزگار شخصیت کا نام ہے کہ جن کی خدمات جلیلہ سے اسلامستان کا ایک وسیع ترین خطہ عقائد حقہ، احکام شرعیہ، روحانی اسپرٹ اور عرفانی جام سے سرشار ہوا ہے۔ بہار و بنگال کے سنگم پر وہ مسلم خیز علاقہ جسے سرجاپوری کے نام سے موسوم کیا گیا ہے وہاں تو ان کا مسکن ہی ہے۔ اس جگہ کا کیا کہنا بلکہ ہندوستان کی دیگر ریاستوں حتیٰ کہ بنگلہ دیش اور نیپال میں بھی ان کی تبلیغ کی بھینی بھینی خوشبو سے گلیارے مہک رہے ہیں اور ان تمام جگہوں میں ان کے مریدین کی کثیر تعداد کے ساتھ ساتھ محبین ومخلصین کی بھی ایک بڑی جماعت تھی جن پر حضرت لطیفی علیہ الرحمہ سے بے پناہ قلبی لگاؤ اور دلی انسیت کا گاڑھا رنگ چڑھا ہوا تھا۔ اس سلسلہ میں آپ اگر عوام کو چھوڑ کر علماء کی بات کریں گے تو زیادہ اطمینان بخش ہوگا۔ ایک نظر ملاحظہ فرمائیے ”شاہ حفیظ الدین اور جہان علم ودانش“ اور دیکھئے کہ علوم وفنون کے کیسے کیسے نجوم و کواکب کس کس طرح سے ان کی بارگاہ ناز میں خراج عقیدت پیش کررہے ہیں۔ ذیل میں چند تاثراتی جملے پڑھئے:۔

(۱) امام علم وفن مظہر علوم اعلیٰ حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی خلیفہ حضور مفتی اعظم ہند رقمطراز ہیں:

”حضرت علامہ شاہ حفیظ الدین لطیفی رحمٰن پوری راہنمائے شریعت بھی تھے اور

غواص، بحر طریقت بھی۔"

(۲) استاذ الاساتذہ حضرت علامہ مفتی محمد ایوب نعیمی پرنسپل وصدر شعبہ افتاء جامعہ نعیمیہ مرادآباد یوپی لکھتے ہیں:

"آپ ایک متبحر عالم دین اور بلند پایہ وفیض بخش بزرگ تھے۔ بہار وبنگال میں آپ کی مقبولیت اور جاہ وحشمت اس بات کی روشن دلیل ہے کہ آپ بارگاہ الٰہی میں قرب خاص رکھتے ہیں اور اولیاء کبار میں نمایاں مقام پر فائز ہیں۔"

(۳) خطیب اسلام حضرت علامہ مفتی ایوب مظہر پورنوی تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت مولانا حفیظ الدین قدس سرہ اپنے عہد کے علمائے راسخین میں امتیازی شان کے مالک تھے۔ وہ علم وفضل اور سلوک وروحانیت کے بدر تاباں تھے۔ علماء ان کو چراغ پورنیہ سے یاد کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ چراغ پورنیہ نہیں آفتاب پورنیہ تھے۔"

(۴) محقق عصر حضرت علامہ مفتی حسن منظر قدیری فرماتے ہیں:

"انہیں شعور حیات وعرفان ذات دونوں کا ادراک حاصل تھا۔ ان کی ذات علم وعرفان کا سنگم تھی۔ وہ بیک وقت متبحر عالم، معرفت کے رازداں اور ایک خوش فکر شاعر تھے۔"

(۵) حضرت علامہ ومولانا عارف اللہ فیضی مصباحی استاذ مدرسہ عربیہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ عرض گزار ہیں:

"آپ ایک کامیاب مدرس، ژرف نگاہ مصنف، مسحور کن مبلغ اور جادۂ شریعت پر گامزن صوفی تھے۔ چنانچہ آپ نے مختلف دینی اداروں میں تدریسی فرائض انجام دے کر کئی مشہور زمانہ تلامذہ پیدا کئے۔ جنہوں نے علم دین کی نشر واشاعت میں نمایاں کردار ادا کیا۔ کئی وقیع اور مفید کتابیں لکھ کر تشنگان حق وباطل کے درمیان خط امتیاز کھینچ کر حق بینی وباطل شناسی کا بہتر معیار فراہم کیا۔"

(۶) حضرت علامہ ڈاکٹر مفتی ارشاد احمد ساحل سہسرامی سابق استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کاسۂ گدائی لئے یوں مدح کش ہیں:

"غرض ہر سطح پر حضرت شاہ حفیظ الدین الرحمہ الرحمہ نے اپنے مقصد تخلیق کو

بہترین طریقے سے پورا کیا۔ شان عبدیت برقرار رکھی۔ ہر سطح پر فیض رساں رہے، خدا ترس، خدا شناس، خدا جو اور خدا پرست رہے۔ پیشانی کسی دنیادار کے سامنے خم نہ ہوئی۔ ہر سانس ذکر خدا، یاد مصطفیٰ سے آباد تھی۔ ہر لمحہ عشق مصطفیٰ سے سرشار تھا۔ اس لئے آپ کے حصار کرم میں جن وانس دونوں نیازمند گروہ سمٹے ہوئے تھے اور زمانے کی گردش آپ کی نگاہ کرامت کی گرفت میں تھی۔''

(۷) فقیہ عصر حضرت علامہ مفتی آل مصطفیٰ مصباحی استاذ جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی مئو یوپی سوغات قلم اس طرح پیش کر رہے ہیں:

''اپنے بعض کمالات وفضائل کے رخ سے ممتاز و یکتائے روزگار ہیں۔ دیار پورنیہ کی تیرہویں صدی ہجری کا نصف آخر اور چودھویں صدی ہجری کے اوائل عشرے اپنے اسلامی وروحانی انقلاب اور دعوتی واشاعتی تاریخ کے حوالے سے حضرت مولانا لطفی علیہ الرحمہ والرضوان کے تابناک عہد مانے جاتے ہیں۔''

سبحان اللہ! کیسے کیسے کاملان علم وفن اور حسینان فکر وسخن حضرت لطفی علیہ الرحمہ کے مناقب میں رطب اللسان نظر آرہے ہیں اور سلک کلام میں فضائل کے وہ الفاظ پروئے ہیں کہ جنھیں سن کر طائر فکر جانب عرش مائل پرواز نظر آتا ہے۔

تو ہی تو ہے کہ زیبا ہے تجھے یہ وصف
وگرنہ ناقصوں کے حق میں کہاں یہ تعریف

خیال رہے کہ علماء کے یہ تعارفی شواہد اس بات کے گواہ ہیں کہ حضرت لطفی علیہ الرحمہ کی شخصیت ان کمالات کا آئینہ دار تھی۔ وگرنہ علمائے دین اور فقیہان شرع متین کی یہ محتاط جماعت بے بنیاد حقائق پر مبنی کلمات کا ورد نوک قلم پر نہیں لاتے اور کیوں نہ ہو میں کہتا ہوں ان تمام تاثراتی مضامین میں جن نقوش فکر کا وظیفہ پڑھا گیا ہے۔ حضرت لطفی علیہ الرحمہ کی شخصیت ان سے ہزار گنا زیادہ ارفع واعلیٰ اور بلند وبالا ہے۔ یہ تو بدخلقی ہے اس گردش زمانہ کی کہ حضرت موصوف کا حکم ازل کو لبیک کہے ہوئے سو سال پورے ہوگئے۔ مگر اب تک ان کے شعاع بار چہرے کی گرد صبائے قلم نے نہیں جھاڑی۔

بہر کیف ماضی میں جو کچھ بھی ہوا وہ ہوا۔ ''چونکہ صبح کا بھولا اگر شام تک واپس آجائے تو اسے بھولا نہیں کہتے ہیں۔'' اگر آج بھی ہجوم فکر کو سمیٹ کر ان کی حیات وصفات اور علمی و قلمی خدمات و مساعی کا مطالعہ کیا جائے تو منکشف ہوجائے گا کہ حضرت لطیفی علیہ الرحمہ کی شخصیت گمان سے بھی بڑھ کر پر کشش اور جاذب افکار ہے اور ان کی شخصیت پر بہت ہی پر زور اور پر جوش انداز میں کام کرنے کی ضرورت ہے۔ میں نے تو صرف ان کی دو، تین کتابوں کے مطالعہ اور علما کے تاثرات کو پڑھ کر یہ اندازہ لگایا ہے کہ ان کی شخصیت پر جتنا بھی کام کیا جائے اور جتنا بھی زیادہ لکھا جائے وہ کم ہے۔ چونکہ ان کی شخصیت بڑی ہی جامع الصفات ہے۔ وہ اگر بیک وقت اقلیم ولایت کے بادشاہ بھی ہیں تو کشور فقاہت کے شہنشاہ بھی۔ قدوۃ العلماء بھی ہیں تو زبدۃ الفضلاء بھی۔ فنا فی اللہ بھی ہیں تو عارف باللہ بھی۔ صوفی باصفا بھی ہیں تو روحانی پیشوا بھی۔ تخت نشین رشد وہدایت بھی ہیں تو ہست بادۂ عشق رسالت بھی۔ تقویٰ وورع کا پاسدار بھی ہیں تو زہد وعبادت میں شب گزار بھی۔ راہنمائے شریعت بھی ہیں تو غواص بحر طریقت بھی۔ اسلامی مقتدا بھی ہیں تو صاحب تصانیف جلیلہ بھی۔ زبردست عالم دین بھی ہیں تو محقق شرع متین بھی۔ عدیم النظیر منطقی و فلسفی بھی ہیں تو بلند پایہ مناظر و مفتی بھی۔ سحر طراز خطیب بھی ہیں تو بے مثل مولف و ادیب بھی۔ جلیل القدر محدث بھی ہیں تو ماہر مدرس بھی۔ بالغ نظر فقیہ بھی ہیں تو پر سوز داعی و مبلغ بھی۔ گویا دین ودنیا کی ہر ایک بزرگی ان کے خرمن عشق وعرفان کا خوشہ چیں نظر آتی ہے۔

اور میں یہ باتیں صرف وفور عشق یا غلوئے عقیدت کی بنیاد پر نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ اس طرح کا حسن، لطافت، پاکیزگی، شیرینی، چاشنی، ندرت اور مہارت رموز شریعت اور اسرار طریقت کی رعنائیاں و بہاریں ان کی تصنیفات و تالیفات میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ جن سے یہ عیاں ہے کہ حضرت لطیفی علیہ الرحمہ کونین کی تمام خوبیوں میں کامل اور اپنے رب سے واصل ممتاز انسان ہیں۔ ذرا ان کی حیات کے ساتھ ساتھ تصنیفات و تالیفات پر بھی غائرانہ نگاہ ڈال کر دیکھ لیجئے۔ اطمینان قلب اور تسکین روح کا سامان خود ہی فراہم ہوجائے گا۔

آیئے ہم صرف ان کی حیات کا مطالعہ کرتے ہیں اور تین اہم واجمالی تجزیاتی گوشے بچپن، جوانی اور بڑھاپے کو نگاہ نور بخت کا سرمۂ تجلی بخش بناتے ہیں کیونکہ ارباب نقد ونظر نے تو انسانی حیات مستعار کے منازل عمر یہ بہت طے کئے ہیں۔ جیسے شیر خوارگی، صبی، نابالغ، بالغ، نوجوان، جوان، شیخ اور شیخ فانی وغیرہ۔ مگر تذکرۂ عام اور اجمال میں زبان زد صرف یہی تین ہوتے ہیں۔ انہیں کو امام المحققین اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اختیار فرمایا ہے۔ ”تین ہی وقت ہوتے ہیں، بچپن، جوانی، بڑھاپا۔ بچپن گیا جوانی آئی اور جوانی گئی بڑھاپا آیا۔ اب کون سا چوتھا وقت آنے والا ہے جس کا انتظار کیا جائے۔“ (وصایا شریف)

بچپن: حضرت لطیفی علیہ الرحمہ والرضوان زندگی گزارتے ہیں۔ مگر عام انسانوں سے بالکل الگ ان کا بچپن جوانی اور بڑھاپا گزر رہا ہے۔ مگر کسی عامی سے قطعی میل نہیں کھاتا کیونکہ کون ایسا بچہ ہے جو بچپن گزار رہا ہو اور کھیلنا کودنا نہیں چاہتا ہو۔ اسے ایسے ساتھی، سنگت کی تلاش نہیں ہوتی کہ کھیلا کودا جائے۔ گھوما اور پھرا جائے۔ لیکن حضرت لطیفی علیہ الرحمہ کا بچپن دیکھیں گے تو بالکل ہی جداگانہ نظر آئے گا۔ انہیں اگر خواہش ہے تو صرف پڑھنے اور لکھنے کی۔ شوق ہے تو کچھ سننے اور کرنے کا۔ بچپن کا زمانہ ہے چشتی نگر کنہریا ضلع کٹیہار ان کا اپنا وطن مالوف ہے۔ والد ماجد شیخ علی حسین کا سایہ سر سے اٹھ چکا ہے۔ اب ایک اکیلی ماں ہے جس کے کاندھے پر پرورش و پرداخت اور تعلیم و تربیت کا بوجھ پڑا ہے اور ایسے کشمکش کے عالم میں ذوق تحصیل علم آپ کو مجبور کئے ہوئے ہے کہ آپ علم حاصل کریں اور ایک دوسری مجبوری یہ بھی درپیش ہے کہ آپ کے گاؤں میں تعلیم کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ بہرکیف آپ نے کسی دوسرے گاؤں میں جا کر پڑھنے کا عزم فرمالیا اور کشاں کشاں کنہریا سے رسول پور پہنچے۔ جو کنہریا سے جانب شمال ۵ میل کے فاصلہ پر مظفر نگر یوپی کے نوابوں کے ایک مہاجر خاندان کی سکونت کا گاؤں تھا اور کئی سو برس سے یہاں کی باشندگی اختیار کر رکھی تھی۔ انہیں لوگوں کے قائم کئے ہوئے مدرسہ میں زانوئے ادب تہہ کرنے لگ گئے۔ کچھ عرصہ گزرا تو ذوق تعلیم کا لطف اور بڑھ گیا۔ مزید تشنگی علم کی

سیرابی کے لئے آپ نے آگے کا رخت سفر باندھ لیا۔ اور سیدھے رسول پور سے پٹنہ چل پڑے۔ وہاں بھی کچھ سال مسند تدریس پر جلوہ فگن اساتذہ سے کسب فیض کرتے رہے مگر پیاس برقرار رہی تو جام شراب علوم پینے لکھنؤ فرنگی محل پہنچ گئے۔ وہاں والوں نے ایسا پلایا کہ مست مست ہو گئے۔ مگر آخری گھونٹ کی ضرورت رہ ہی گئی تھی۔ تو ولی اللہی خاندان والوں کی بستی میں آگئے اور وہاں والوں نے اس آخری گھونٹ میں وہ نشہ چڑھا کر دیا کہ تادم زیست اور پینے کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ مگر ہاں ایک بات یہاں کہنے کی ضرور رہی ہے کہ آپ نے جو رسول پور سے پٹنہ، پٹنہ سے لکھنؤ اور لکھنؤ سے دہلی تک کا سفر کیا اور جس شان سے قدسی صفات کردار اور انسان ساز تدبر کا اظہار فرمایا وہ قابل فخر بھی ہے اور قابل ذکر بھی۔ آیئے نبیرۂ حضرت لطیفی علیہ الرحمہ مولانا خواجہ ساجد عالم صاحب مصباحی کی زبانی سنتے ہیں۔ حضرت لطیفی علیہ الرحمہ نے مدرسہ رسول پور کے بعد جب اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے بیرون وطن کا رخ فرمایا تو گھر سے چپ چاپ نکلے کسی کو بھی اپنی منزل اور مقصد سے آگاہ نہ کیا۔ لگ بھگ تیس پینتیس برس گھر و علاقہ سے دور ہی رہے۔ اس مدت کے دوران اہل خانہ و اہل خاندان یا پھر دوسرے رشتہ دار و احباب سے آپ کا کوئی ربط و تعلق نہیں رہا۔ (حضرت لطیفی مجلّہ)

یہاں پر یہ نکتہ ملحوظ رہے کہ جب حضرت لطیفی علیہ الرحمہ نے رسول پور سے آگے کا سفر فرمایا تو تقریباً ان کے لڑکپن کا زمانہ تھا اور یہ وقت اکثر گھر والوں کی محبت اور گھریلو آسائش سے حظ اٹھانے کا ہوتا ہے اور دنیا بھر میں ہر جگہ یہی ہوتا ہے۔ اسی لئے عوام میں علماء کے بہ نسبت جہلا کی اکثریت ہمیشہ ہی رہتی ہے مگر جو شخص ایسی چیزوں کو قربان کر کے علم حاصل کرنے میں مصروف ہوتا ہے اور عالمانہ ہنر سینے میں بسا کر فارغ التحصیل ہو جاتا ہے تو قوم کی رہبری ان کے سپرد کر دی جاتی ہے۔ حضرت لطیفی علیہ الرحمہ نے بچپن اور لڑکپن دونوں ہی زمانوں میں بفضل خداوندی اور بصدقہ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم بغیر کسی سرپرستی کے اس شئی کے حصول پر ساری چیزوں کو قربان کر دیا کہ جس کے بعد اساتذہ حضرت علامہ عبد الحلیم فرنگی محلی، حضرت علامہ شاہ مخصوص اللہ و حضرت علامہ شاہ موسیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم

اجمعین نے ان کے سر پر سرفرازی کی دستار لپیٹ کر مسلمانان عالم کا راہبر و راہنما بنا دیا۔

جوانی: جوانی دیوانی ہوتی ہے اور کیا کچھ نہیں کر گزرتی ہے۔ بہت جوان وہ ہوتے ہیں جو بہت کچھ کر لیتے ہیں اور کچھ وہ ہوتے ہیں جو سب کچھ تو نہیں کرتے مگر پھر بھی کچھ ضرور کرتے ہیں کیونکہ دنیا عجائبات کا میلہ ہے کہیں پر شباب کا ہجوم ہے تو کہیں پر شراب کی دھوم، کہیں پر فلمی پردے ہیں تو کہیں پر دنیا کے مزے۔ مختصر الفاظ میں یوں کہئے کہ یہاں کیا نہیں ہے۔ ہزاروں طرح کی حسرت ہے تو لاکھوں طرح کی عشرت۔ اس لئے جوانوں کی جوانی دیوانی ہو جاتی ہے اور بہت کچھ کر لیتی ہے یا نہیں تو کچھ ضرور کرتی ہے مگر اسی آسمان کے نیچے اور اسی زمین کے اوپر ایک طرح کے جوان وہ ہوتے ہیں جو بالکل ہی کچھ نہیں کرتے۔ اگر کچھ کرتے ہیں تو اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی پیروی اور کچھ کرنے والے جوانوں کی اصلاح مستی۔ بس انہیں جوانوں میں سے ایک حضرت لطیفی علیہ الرحمہ کی شخصیت بھی تھی جنہوں نے اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی پیروی اور جوانوں کی اصلاح مستی کے لئے تمام تر کوششیں صرف کر دیں اور تن من دھن کی قربانی لگا کر دنیا میں جینے کا حق ادا کر دیا۔ آیئے اس گوشہ حضرت لطیفی علیہ الرحمہ کا بھی جائزہ لیتے ہیں اور بذکر دلیل نمونہ رشحات قلم دیکھتے ہیں۔

علما کے لئے احکام خدا و مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور جوانوں کی اصلاح مستی حقیقت میں ایک ہی چیز ہے۔ اس لئے کہ احکام خدا و مصطفیٰ پر عمل کرنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک خود ہی عمل کرنا اور ایک دوسرے کو عمل کرنے کی تلقین کر کے عمل کرانا کیونکہ بعد ایمان تو فرائض اور واجبات پر عمل کرنا تمام مومن مرد و عورت پر ضروری ہے ہی مگر انبیاء، اولیا، صلحا اور علما کا مقصد حیات اور منصب زیست ہے کہ احکام پر خود بھی عمل کریں اور تمام لوگوں کو اس پر عمل کرنے کی دعوت بھی دیں۔ ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی احسن۔ حضرت لطیفی علیہ الرحمہ نے ہر طرح سے احکام خداوندی و مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے کی سعی بلیغ فرمائی ہے۔ فرائض و واجبات شرعی اور شب بیداری تو آپ کا معمول تھا ہی مگر دعوت و تبلیغ

احکام خدا و مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی معمولات کا اہم حصہ تھا۔ چاہے درس وتدریس کے ذریعہ سے ہو یا تصنیف وتالیف کے ذریعہ سے۔ آپ کی جوانی کی کہانی ہے۔ جب حصول تعلیم کے بعد پہلی منزل کی طرف رواں دواں ہوئے تو وہ منزل تھی درس وتدریس کی۔ ماشاء اللہ! آپ نے اس میں کیا ہی خوب کمال فن دکھایا ہے۔ پٹنہ، مجگاؤں، بھاگلپور، شاہجہاں پور یوپی اور خانقاہ کبیریہ سہسرام کے مدرسہ میں آپ بہت ہی اونچے عہدوں پر فائز رہے۔ اور مرد مجاہد بن کر دینی وعلمی خدمات انجام دیتے رہے۔ ہزاروں طالبان علوم نے اکتساب علم وفیض کیا اور آپ نے سب کو شاد کام بھی فرمایا۔ یہاں پر یہ بھی عرض کر دوں کہ جس نے آپ سے علمی استفادہ کیا۔ وہ بذات خود بہت ہی بلند اور اونچے مقام ومرتبے کے مالک ہوئے۔ کوئی بہترین مدرس بن کر چمکے تو کوئی نامور مبلغ، کوئی خطابت کے تاجدار ہوئے تو کوئی میدان فقاہت کے شہسوار، گویا ہر ایک کی عظمت اوج ثریا کے مقام سے بھی بلند وبالا ہوئی اور یہ سب کام صرف آپ کے احکام خدا اور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی تعمیل کے نتیجے میں ہوئے ہیں چونکہ آپ نے ہر موقع پر احکام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقدم واولیٰ رکھا ہے۔ اس کا پتہ خود آپ کے اس مکتوب سے چلتا ہے جو اپنے پیارے بیٹے حضرت شاہ خواجہ وحید اصغر علیہ الرحمہ کو "شریعت کا نتیجہ آداب کی بجا آوری میں ہے" کے عنوان سے لکھا ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں۔ بزرگوں نے فرمایا ہے: **التوحید یوجب الایمان فمن لا ایمان له لاتوحید له والایمان یوجب الشریعة من لا شریعة له لا توحید له.** یعنی توحید ایمان کو واجب کرتی ہے اور ایمان شریعت کو واجب کرتا ہے۔ اس لئے جس کا ایمان نہیں اس کی بھی توحید نہیں اور جس کی شریعت نہیں اس کی بھی توحید نہیں۔ آگے لکھتے ہیں۔ معلوم ہو کہ توحید کا حاصل خدا اور سول پر ایمان لانا ہے تو جو اہل ایمان نہیں وہ اہل توحید نہیں اور ایمان کا حاصل احکام شریعت پر عمل کرنا ہے۔ تو جو احکام شریعت پر عمل پیرا نہیں وہ صاحب ایمان نہیں۔ (مکتوبات لطیفی)

حضرت لطیفی علیہ الرحمہ نے جب دوسری منزل کی طرف قدم بڑھایا۔ تو وہ تھی تصنیف وتالیف کی منزل۔ آپ نے ان جوانوں کا بھی خاص خیال فرمایا جو آپ کی درس گاہ

فیض سے مستفیض نہیں ہو پا رہے تھے۔ ان کے لئے اس سے بہتر اور ذریعہ تبلیغ کیا ہوسکتا تھا۔ اس لئے آپ نے اس موقع سے کچھ کتابیں لکھیں تا کہ جوانوں کی بھی اصلاح ہوجائے۔ کتابوں میں لطائف حفظ السالکین بہت ہی عظیم کتاب ہے اور خاص مسائل تصوف میں ہے۔ جس کو پڑھنے کے بعد اگر انسان عمل کرنے لگ جائے تو وہ ایک عظیم انسان ہی نہیں بلکہ اللہ کا مقرب ولی بن جائے گا۔

بڑھاپا: جو شخص احکام خدا و مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دل کے یقین اور محبت کی اتھاہ گہرائیوں کے ساتھ قبول کر لیتا ہے اور اس پر عمل پیرا ہوجاتا ہے۔ تو وہ ہمیشہ ہی دینی مشاغل اور شرعی مصروفیات میں شب و روز گزارنے کی سعی پیہم کرتا ہے۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کے علاوہ سنت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے تعلق سے جو بھی کام ہوتے ہیں۔ انہیں معمولات میں شامل رکھنا اپنا اولین فرض سمجھتا ہے چونکہ یہ کام جہاں شخصیت ساز اور صفائے ظاہر اور تزکیہ باطن کے لئے اپنے اندر لازمی عنصر رکھتا ہے۔ وہیں فرامین خدا و مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیل کا انوکھا طریقہ اور نرالا انداز بھی رکھتا ہے وہ اس لئے کہ جب کوئی عالم دین زینت درس گاہ بن کر فیضان علم وفن لٹاتا ہے۔ تو حقیقت میں وہی انمول موتی بکھیرتا ہے جو تبلیغ کا داعیہ اور عوامی محفل وانجمن کا تقاضا ہوتا ہے۔ اسی مطمح نظر سے علما و فضلا مخاطبین کو، اُن کے ضمیر کو، اُن کے اندر کے انسان کو خواب غفلت سے بیدار کرتے ہیں اور راہ راست کی جانب رہنمائی فرماتے ہیں۔ اور میں نے پہلے ہی کہا ہے کہ انبیاء، اولیاء، صلحا اور علما کا مقصد حیات ہی یہی ہے کہ خدا و مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی اطاعت اور اسلام کے اوامر و نواہی کا حکم عوام تک پہنچا دیں۔ اور انسانوں کو نیک اور احسن طریقے سے اسلام کی فرمانبرداری پر آمادہ کریں۔

حضرت لطیفی علیہ الرحمہ کے بڑھاپے کا زمانہ ہے۔ حالانکہ بڑھاپا خود ہی ایک بڑی بیماری ہے۔ نہ چلنے کی سکت اور نہ دیکھنے سننے کی قوت، نہ اٹھنے بیٹھنے کا چین اور نہ ہی کھانے پینے کا مزاہ۔ مگر حضرت لطیفی علیہ الرحمہ ان باتوں سے بالکل بے نیاز ہیں۔ بقول حضرت مولانا خواجہ ساجد عالم صاحب مصباحی آپ چھ دہائی کے بعد رحمٰن پور تکیہ شریف

تشریف لائے۔''طلب علم اور پھر درس وتدریس میں آپ نے اپنی زندگی کی چھ دہائی بیرون وطن بسر فرمائی۔ ساتویں دہائی کے اوائل میں وطن مالوف تشریف لائے۔(نامور باپ کے خطوط دیدہ ور بیٹے کے نام)

جو آپ کے بڑھاپے کا وقت تھا مگر درس وتدریس سے لے کر تصنیف وتالیف تک اور تقریر وتحریر سے لے کر مدرسے کی تعمیر تک ہر ایک محفل میں آپ نے وہ جوت جگائی کہ دنیا دیکھ کر حیران وششدر رہ گئی یہاں پر تطویل کلام مناسب نہ سمجھتے ہوئے میں مختصر انداز میں لکھ رہا ہوں۔ آج رحمٰن پور کی جس مسجد و مدرسہ کی جگمگاہٹ سے ایک مخلوق خدا فیضیاب ہو رہی ہے۔ وہ حقیقت میں آپ کے بڑھاپے کی ہی نشانی ہے اور آپ نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا کہ مسجد و مدرسہ بنا کر قیامت تک کے لئے قوم وملت کو عظمت وبلندی کا روشن مینار عطا کر دیا بلکہ یہاں بھی آپ نے درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کی عظیم ترین خدمات انجام دیں اور ایک سے ایک شاگردان رشید کو زیور علم اور جامہ عمل سے آراستہ کر کے قوم وملت کی راہبری کے لئے دنیا کے دامنِ مراد کی امانت میں دیا۔

باب دوم

خدمات جلیلہ

عناوین | شرکاء | صفحات

حضرت لطیفی کا دیوان لطیفی اور تصوف

حضرت مولانا نصر اللہ رضوی
استاذ معقولات مدرسہ عربیہ فیض العلوم محمد آباد گہنہ، مئو، یوپی

دیوان لطیفی کے ابتدائی اوراق میں کچھ اشعار ہیں جن کا تعلق حمد باری تعالیٰ سے ہے۔ اگرچہ وہاں حمد باری تعالیٰ یا اس کے مفہوم کی کوئی سرخی نہیں لگی ہے مگر یہ اشعار حمد ہی سے متعلق ہیں۔

ہم یہاں ذیل میں وہیں سے چند اشعار کے معانی ومطالب بیان کرنے کی کوشش کریں گے۔ یہ اشعار خالص تصوفانہ ہیں اور ان میں تصوف کی اصطلاحات پر فنی گفتگو کی گئی ہے صوفیانہ رنگ غالب ہے۔ ان اشعار کے مطالعہ سے حضرت لطیفی کے ذوق صوفیانہ، رنگ تصوف اور معیار تصوف کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اپنی کم علمی اور بے مائیگی کے سبب ہم اپنے اندر اس کی ہمت تو نہ پاتے تھے مگر چونکہ اس سے پہلے عالم اسلام کی عبقری شخصیت حضرت سید وجیہ الدین علوی گجراتی کی فن تصوف میں معرکۃ الآرا کتاب 'حقیقت محمدیہ' اور اس کی شرح خالدی کے ترجمہ، تحشیہ اور تعلیق کے کام کا اتفاق ہو چکا تھا جس کے سبب اس کی بہت ساری بحثوں سے یک گونہ آشنائی ہوگئی اس لئے ہم نے اپنی کم مائیگی کے باوجود یہاں ان اشعار کی شرح لکھنے کی ہمت باندھی وھو الموافق۔ جبکہ کتاب پر کسی کے کچھ حواشی بھی تحریر ہیں۔ جن سے مستفاد یہ مطالب ہوں گے۔ دیوان لطیفی کے آٹھ اشعار پیش نظر ہیں جن کے مفاہیم بیان کرنے کی کوشش ہوگی۔

کلام کا پہلا شعر ہے:

اے کہ پنہاں کردۂ در ما ظہور خویش را
تک عیاں شو در ظہور خویش پنہاں کن مرا

یعنی اے موجود برحق! کہ تو نے تعینات کی صورتوں میں اپنے وجود مطلق اور ذاتِ بحت کو مختلف الوان واشکال میں ہمارے درمیان ظاہر کر کے خود مخفی اور پوشیدہ ہو گیا ہے۔اب مجھ کو اپنی ذات میں فنا کر کے اپنے ظہور میں مجھ کو پوشیدہ کرے اور تو خود میرے لئے عیاں ہو جا۔

واضح رہے کہ حق تعالیٰ کی ذات وہ وجود خاص ہے کہ جس کی وحدت اور جس کا تعین اس کا عین ہے۔اس بات پر صوفیہ، حکما اور متکلمین میں سے شیخ ابوالحسن اشعری کا اتفاق ہے یعنی یہ سب اس بات پر اتفاق رکھتے ہیں کہ جس طرح حق تعالیٰ کا وجود اس کی ذات کا عین ہے اسی طرح اس کی وحدت اور اس کا تعین بھی اس کا عین وجود ہے نہ اس کا وجود زائد ہے ذات پر، نہ اس کی وحدت اور اس کا تعین زائد ہے وجود پر، جیسا کہ ممکنات کا حال ہے۔(ایضاح حقیقت ص ۵۳)

صوفیاء کرام وحدت الوجود کے قائل ہیں اور ارباب شہود وعرفان کے یہاں یہ نہایت معرکۃ الآرا مسئلہ ہے۔امام احمد رضا قدس سرہ سے سوال ہوا کہ: وحدۃ الوجود کے کیا معنی ہیں؟

آپ نے جواب عنایت فرمایا: وجود ہستی بالذات واجب تعالیٰ کے لئے ہے۔اس کے سوا جتنی موجودات ہیں اس کی ظل، پرتو ہیں۔تو حقیقۃً وجود ایک ہی ٹھہرا۔(الملفوظ)

مندرجہ بالا شعر وحدۃ الوجود کے نظریہ کے پیش نظر کہا گیا ہے۔اب آگے فرمایا:

شعر دوم:

آنچناں فرمائے در من خویشتن را جلوۂ
کز تن و جان فگارم ہر زماں بینم ترا

یعنی مجھ بے مایہ کہ اندر تو اپنی تجلیات کا ایسا جلوہ ڈال دے کہ میں اپنی زخمی جان وتن سے ہر گھڑی تیرے دیدار کی لذت حاصل کرتا رہوں۔

اس شعر کے ذریعہ شاعر نے اپنی آرزوئے بلند کو بارگاہ رب العالمین میں پیش کیا ہے اور اپنے تن نیم جان کے لئے درماں طلب کیا ہے۔

تیسرا شعر:

چشم و گوش و دست و پایم را کہ جملہ آن تست
حال بے یمشی و یبطش یسمع و یبصر نما

حدیث شریف میں آیا کہ:

لایزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احببتہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ بصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بھا ورجلہ التی یمشی بھا الخ (بخاری)

یعنی میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو محبوب بنالیتا ہوں پھر جس وقت میں اسے محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کے کان ہوجاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اور اس کے ہاتھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پیر ہوجاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔

یہ کرم وعطائے الٰہی ہے تو درج بالا شعر کا مطلب یہ ہوا کہ:

میرے سارے اعضا تیری ملک میں تو مجھ کو یہ حالت عطا کر کہ تو میرے کان ہوجا کہ میں اس سے سنوں، میری آنکھ ہوجا کہ میں اس سے دور ونزدیک۔ روشنی وتاریکی میں ظاہر وباطن، پوشیدہ اور کھلی چیزوں کو دیکھ سکوں، اور میرے ہاتھ ہوجا کہ میں اسی کیفیت کے ساتھ پکڑ سکوں اور اے خدا! تو میرے قدم ہوجا تا کہ میں اس سے اسی طرح چل سکوں حاصل یہ کہ بارالہا! اے میرے مولیٰ! تو مجھے اپنی صفات کمال کا مظہر اتم بنادے۔

واضح ہو کہ اس مرتبہ میں حق سبحانہ بمنزلہ آلہ ہے اور بندہ فاعل ومدرک اور اس قرب کو قرب نوافل کہتے ہیں۔

مروی یہ ہے کہ اعمال وعبادات جو نوافل کی قبیل سے میں حق جلّ وعلا نے اپنے بندوں پر ان کو واجب نہیں کیا ہے بلکہ بندے اس کی بارگاہ میں تقرب کی خاطر ان کو عمل میں لائے ہیں اور ان کو اپنے اوپر لازم کرلیا ہے اور چونکہ اس ارتکاب والتزام میں ان کا وجود بیچ میں ہے اس لئے ان سے فنائے ذات اور جہت حقیقت میں جہت خلقیت کے اضمحلال کا

فائدہ رونما نہیں ہوتا بلکہ اس کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ بندے کے قوی اور اعضاء و جوارح عین حق ہو جاتے ہیں۔ بایں معنی کہ جہت حقیقت، جہت خلقیت پر غالب آ کر مقہور و مغلوب بنا دیتی ہے۔

لہٰذا ناچار بندۂ سالک فاعل و مدرک ہوتا ہے اور حق سبحانہ اس کا آلہ، یہ معنی ارباب مشاہدہ و عرفان کے نزدیک ہے لیکن اصحاب مجاہدہ اور اہل علم کے نزدیک تکمیل حوائج میں تیزی مراد ہے۔ (ایضاً ص حقیقت ملخصاً ص ۱۳۱)

نوٹ: مزید تفصیلات کے لئے ہماری کتاب ایضاح حقیقت کا مطالعہ کیا جائے۔

چوتھا شعر:

دیدن غیر تو چوں شرک ست و ذنب اعظم است
پس ز پیش چشم من بردار شکل ما سوا

چونکہ تمام موجودات من حیث الوجود عین حق سبحانہ وتعالیٰ ہے اور غیریت اعتباری شی ہے لہٰذا جس کو من کل الوجوہ غیر حق سمجھنا شرک و گناہ عظیم ہے ایسی شکل ماسوائے ذات کو میری نگاہوں کے سامنے سے اٹھا لے اور دور کر دے کہ میں دیکھ نہ سکوں اور ابتلائے گناہ سے محفوظ رہ سکوں۔

پانچواں شعر:

فرق بین ظاہر و مظہر کہ در چشم من است
زیں دو دیدین نیز چشمم پاک فرما اے شہا

ظاہر و مظہر کے درمیان فرق جو کہ میری نگاہوں میں ہے ملکا بادشاہا! میری آنکھ کو ان کو دو دیکھنے سے پاک فرما تا کہ میں ان کو دو نہ سمجھ سکوں اور ہر ایک میں عینیت کا اعتقاد متزلزل نہ ہو سکے۔

نوٹ: عینیت اور غیریت کی یہ بحث صوفیہ متکلمین اور اصولیین کے نزدیک ایک معرکۃ الآرا بحث ہے۔

چھٹا شعر:

جنگہا در رنگہاے خویش برپا کردۂ
اے فدایت جان من از رنگہایم کن رہا

یعنی متعدد رنگوں میں مختلف تعینات کے ساتھ تو نے ظہور فرمایا ہے جن کے سبب بے شمار جنگ، فتنے، اختلافات واقع ہیں۔ اے خدا! میری جان تجھ پر قربان! کہ ان رنگوں سے جدا کر کے ذات بحت اور وجود مطلق کی جانب جو ہر طرح کے رنگ سے خالی ہے مجھے راہ دکھا! اور معرفت ذات کے ذوق سے آشنا بنادے۔

ساتواں شعر:

اے عجب بے بود ما ایں جنبش از ما از کجاست
ہاں فروغ تست در ما جنبش ایں دست و پا

یعنی چونکہ اصل وجود حق تعالیٰ کا وجود ہے کیونکہ "**کل من علیها فان ویبقی وجه ربک ذی الجلال والاکرام**"۔ (سورہ آیت نمبر)

یعنی وہ تمام چیزیں جو زمین پر ہیں سب فانی ہیں۔ بروقت مختلف صورتوں میں باقی نظر آرہی ہیں مگر سچ مچ باقی رہنے والی صرف ذات پروردگار ہے جو بزرگی و کرامت والی ہے۔ (سب نیست ہیں جو ہست ہے وہ تو ہی ہے)

حضرت مولف قدس سرہ فرماتے ہیں کہ:

کتنے تعجب کی بات ہے کہ بغیر ہمارے وجود کے یہ ہمارے افعال، حرکات وسکنات کا صدور کہاں سے ہو رہا ہے۔ یقیناً میری اسی تجلی صفات کے ذریعہ ہمارے اندر ہاتھ، پاؤں کی جنبش و حرکات ہیں۔

واضح رہے کہ درج بالا شعر میں جس امر کا اظہار کیا گیا ہے یہ اسی عقیدہ و نظریۂ وحدۃ الوجود کے تناظر میں پیش کیا گیا ہے۔

آٹھواں شعر:

باز طرفہ ترکہ جنبشہائے ما مختار ماست
می رسد ہر لحظہ زاں سو پیش ما امثالہا

صوفی باصفا، شاعر بلند رتبہ نہیں اس سے پہلے والے شعر میں ایک امر تعجب خیز کا اظہار کیا تھا۔اب اس سے زیادہ تعجب خیز بات کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

پھر اور زیادہ تعجب خیز بات یہ ہے کہ بغیر ہمارے وجود و افعال کے جبکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: "واللہ خلقکم وما تعملون" (سورہ صافات/۹۶)

یعنی اللہ تعالیٰ ہی نے تم کو پیدا کیا اور ان اعمال وافعال کو جو تم کرتے ہو۔

یعنی اس نے ہمارے لئے افعال اختیار یہ ثابت کئے ہیں۔ پھر ہر لحظہ فیضان سرمدی کے دریا سے متجدد و متعدد وجود افعال کا فیضان ہوتا رہتا ہے اور ہمارے وجود، ہمارے افعال باقی نظر آتے ہیں جیسے بہتے دریا کا پانی ایک پانی معلوم ہوتا ہے اور آفتاب کی کرنیں دائم اور ٹھہری نظر آرہی ہیں۔ حالانکہ ہر لحظہ جدید پانی اوپر سے بہتا آرہا ہے اور نیچے کی طرف چلا جارہا ہے اور ہر گھڑی نئی دوسری کرنیں آفتاب سے چل کر آرہی ہیں۔اسی طرح کا معاملہ تمام تعینات میں ہے مگر ہماری نظروں کی کوتاہی کے سبب یہ تجدد امثال ہمارے ادراک کے احاطہ میں نہیں سماپاتا۔البتہ خاصان خدا اپنے دل کی بینائی سے اس تجدد امثال کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔

دیوان لطیفی سے چند اشعار

درمدح شیر خدا حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الاسنیٰ

دیوان لطیفی میں اکثر کلام فارسی زبان میں ہیں کہیں کہیں عربی زبان کے اشعار بڑی خوبصورتی کے ساتھ درمیان میں لائے گئے۔ گویا مصنف بلا تکلف کبھی فارسی کبھی عربی میں شعر کہتے ہیں۔ بحر وہی رہتی ہے انداز بھی ان کا اپنا نرالا ہے مگر ترکیب کی بندش بہت خوب ہے۔ کلام میں سلاست وروانی ہے۔ اشاروں اور کنایوں کے استعمال نے کلام میں حسن کے جادو جگائے کہ شعراء کے نزدیک استعاروں سے کلام کی بلندی کا پتہ لگایا جاتا ہے۔ مضامین عموماً تصوفانہ ہیں۔ غزل کے میدان میں وہ اپنے معشوق کا ذکر بڑے دلنشیں پیرایہ میں کرتے ہیں۔

اس کے صفحہ ۱۱/۱۰ پر ایک غزل ہے درمدح حضرت شیر خدا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس غزل میں کل ۱۵ اشعار ہیں۔ اس کے آخری آٹھ شعروں کی تشریح کرنا مقصود ہے۔ ان شعروں میں ظاہر ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الاسنیٰ کی مدح اوران کے فضائل کا ذکر مقصود ہے۔ آپ نے احادیث کی روشنی میں بکثرت فضائل کو اشعار کا جامہ پہنایا ہے۔

اس کے پہلے شعر میں حضرت مولف کہتے ہیں:

اے شیر خدا! آپ خدائے کبریا کے حکم سے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مقرون ہیں مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم و جان کی طرح آپ اول ہیں آپ آخر ہیں۔ اے وہ ذات گرامی مرتبت! ہم آپ کے جیسا کوئی مثال نہیں پاتے ایسے لوگوں میں سے جن کے ساتھ ہم آپ کی اصل کی تشبیہ دے سکیں۔ ہم عاجز ہیں کہ آپ کے بیان فضل وکرم میں ہم اپنی جانب سے کوئی راہ نہیں پاتے ہیں۔

آپ کے بیان وصف وکمال میں سرکار کائنات کی یہ حدیث مبارک ہے کہ مَن کُنت مولاہ فَعَلِیٌ مولاہ یعنی میں جس کا مولا اور آقا ہوں علی بھی اس کے مولا ہیں۔ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے آپ کے لئے بیان حسن وصف میں یہ کلام کتنا بہترین وصف ہے۔ مبارک ہو کہ کتنا بہترین وصف ہے۔

نیز حدیث شریف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے علی! تم مجھ سے اسی طرح ہو جیسے کہ حضرت ہارون حضرت موسیٰ سے یہ حدیث مبارک آپ کی مدح سرائی میں ہے۔ کیا ہی خوب مدح ہے کیا ہی خوب مدح ہے کیا ہی خوب مدح ہے جسے ہم دیکھ رہے ہیں اور محسوس کرر ہے ہیں۔

میں کیا بیان کروں؟ مجھے آپ کے بارے میں علم نہیں مگر تھوڑا اور قسم اس ذات کی جس پر میری جان قربان! میری جانب سے آپ کی مدح وتعریف میں یہ کلام کافی نہیں۔ ہم جیسے بے مایہ لوگوں کی جانب سے آپ کا وصف اور مدح وستائش لائق اکتفا نہیں اور نہ اپنی نہایت کو پہنچ سکے بلکہ آپ کے لئے اللہ کے پاکیزہ بندے جناب رسول کریم کا بیان وصف کافی ہے۔ پاکیزہ بندے سے میری مراد آپ کے برادر اکرم جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

مولف قدس سرہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لفظ 'اخاک' ذکر کیا ہے۔ اس میں حضرت علی کی نسبی رشتہ کی رعایت کی گئی ہے مگر عام صحابہ کرام مع خانوادۂ رسول ہاشمی آپ کو یا رسول اللہ یا نبی اللہ جیسے الفاظ خطاب سے یاد کرتے تھے اور کسی رشتہ کی رعایت سے الفاظ خطاب جیسے اے برادر عزیز ومکرم اے عم معظم اے بھائی اور اے چچا! سے مخاطب نہ بناتے۔

آخری شعر میں حضرت مولف قدس سرہ ایک نکتہ بیان فرماتے ہیں کہ بحساب جمل لفظ 'سنی' کا عدد اور 'حب علی' کا عدد برابر ہے۔ یعنی دونوں کا عدد ایک سو بیس ہے۔ برخلاف 'بعض اصحاب ثلاثہ' کے کہ اس کا عدد 'حب علی' کے عدد کے برابر نہیں ہے۔ لہٰذا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الاسنی کی محبت سنی ہونے کی علامت ہے نہ کہ اصحاب ثلاثہ یعنی

شیخین کریمین اور عثمان ذوالنورین سے بغض وحسد اور کینہ رکھنا یہ سنی ہونے کی علامت نہیں جیسا کہ روافض لعنہم اللہ علیہم ان تینوں حضرات صحابہ کرام سے بغض اور دشمنی رکھتے ہیں اور حضرت علی کو داماد رسول، زوج فاطمہ بتول، پدر حسنین کریمین ہونے کے سبب ان کی محبت کا دم بھرتے ہیں جبکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں یکے بعد دیگرے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں آئیں۔ جب سے فرقے وجود میں آئے ہیں اسی وقت سے ہر زمانے میں سنی ہونے کی کچھ مخصوص علامتیں بنتی رہی ہیں۔ جیسے حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں علامت یہ تھی: تفضیل الشیخین، حب الختنین، مسح الخفین یعنی ابوحنیفہ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق اور خلیفہ دوم حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو تمام صحابہ کرام سے افضل ماننا اور دونوں دامادوں یعنی خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی اور خلیفہ چہارم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے محبت رکھنا اور موزوں پر مسح کو جائز سمجھنا اور عصر حاضر میں سنی ہونے کی علامت قیام وسلام کو جائز سمجھنا اور عمل میں لانا۔ یونہی اور مراسم اہل سنت میں جو ہماری مخصوص علامتیں ہیں مگر دیگر گمراہ فرقے ان جائز مراسم اہل سنت کو جائز نہیں تصور کرتے پھر بھی اپنا شمار اہل سنت میں کرانا چاہتے ہیں کہ ہندوستان میں دو ہی فرقے گورنمنٹ مانتی ہے۔ سنی، شیعہ آج کل کے نوزائیدہ جتنے باطل فرقے ہیں سب نے سنی فرقے میں پناہ لے رکھی ہے۔ البتہ شیعہ ایک الگ فرقہ ہے جس میں یہ نوزائیدہ گھسنے کا نام نہیں لیتے۔

علامتیں باطل فرقوں کے مقابلے میں وضع ہوتی ہیں کبھی زمانہ تھا کہ ایک فرقہ وجود میں آیا (یہ دور تابعین تھا) اس کے مقابلے میں کوئی علامت وضع ہوئی پھر اور فرقے وجود میں آئے۔ اب علامتوں میں اضافہ یا تبدیلی ہوگئی۔

نوٹ: صاحب مضمون کا وصال پر جمال عنقریب کے کچھ ماہ وسال میں ہوا۔ حضور والا علیہ الرحمہ راقم الحروف کے مشفق استاذ ومربی تھے۔ علمی پایہ گاہ بڑا بلند وبالا تھا۔ منقولات ہو یا معقولات ہر دو صنف پر کمال عبور ودست گاہ حاصل تھی۔ مسند تدریس سے لے کر میدان تقریر وتصنیف تک ہر شعبہ علم میں آپ نے حصہ لیا اور اپنے علم وفن، فکر وادب

کے خزانہ عامرہ سے ایک جہان شوق کو آسودہ حال وفیضیاب فرمایا۔ ادبیات کے فن میں شعبہ 'نقد ونظر' پر آپ کو گویا درجہ اختصاص حاصل تھا۔ یہ حسن ہنر ایک زمانہ تک آپ کے وجود میں خفتہ وخوابیدہ رہا۔ لیکن ادھر تقریباً تین چار سال پیشتر دہلی سے شائع ہونے والے ایک عالمی شہرت یافتہ مجلّی میں جب جامعہ ہمدرد دہلی کے ایک پروفیسر وقد آور صاحب علم وقلم کا رطب ویابس سے بھرا ہوا ایک مقالہ اشاعت پذیر ہوا اور پھر یہ حضور والا کی نگاہ ناز سے بھی گزارا۔ تو ایسے عالم میں حضور والا خلاف معمول رنگ ومزاج میں نظر آئے۔ چونکہ شائع شدہ تحریر میں کئی لحاظ سے سقم ونقص کے جراثیم در آئے تھے۔ چنانچہ آپ نے نقد ونظر کے زاویے سے مقالے کی تحلیل وتجزیہ میں اپنا جو ہر قلم دکھانا شروع فرمایا۔ یہ تنقید برائے تنقیص نہیں تھی بلکہ بہر صورت برائے اصلاح وتعمیر تھی۔ نقد ونظر کے حوالے سے اس میں آپ نے جس اسلوب تحریر کو اپنایا تھا اس میں مزاح وظرافت کا رنگ بڑا چوکھا تھا۔ پہلی ہی قسط کیا چھپی کہ سنی صحافت کی دنیا میں گویا ہلچل پڑ گئی۔ ہر ایک نے دلچسپی وشوق سے پڑھا اور خوب سرور وخمار سے حسین احساس سے گزرا۔ مضمون کی طباعت کا عرصہ ہوا مگر تاہنوز ماحول میں عجب لذت وفرحت کا نقش باقی ہے۔ آپ کے قلمی رشحات میں درجنوں علمی وادبی مضامین کے علاوہ ''برکات السراج'' بہار جاوداں، ضوفشاں جیسے مرتبات قابل ذکر ہیں۔ آپ بہت خلیق وملنسار، خوش گفتار وخوش اطوار تھے۔ دولت خانہ سے لے کر مدرسہ کی دہلیز تک ہمہ وقت ایک ہی رنگ وڈھب میں نظر آتے تھے۔ درسیات پر کامل عبور تو تھا ہی تقریر وتصنیف کے شعبے میں بھی بلند مقام پر فائز تھے۔ آپ کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے!

حضرت لطیفی کی زندگی

خدمات اور عربی شاعری کا مختصر جائزہ

حضرت علامہ مولانا محمد عارف اللہ فیضی مصباحی
استاذ فقہ وادب مدرسہ عربیہ فیض العلوم، محمد آباد گہنہ، مئو یوپی

حضرت مولانا شاہ حفیظ الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ چشتی نگر کنہریا ضلع کٹیہار بہار کے ایک دیندار، شریف اور متمول گھرانے میں ۱۲۴۵ھ میں سریر آرائے بزم عالم ہوئے۔

جب فہم وخرد کی منزل میں قدم رکھا تو والد ماجد راہی ملک بقا ہو چکے تھے۔ لہٰذا والدۂ محترمہ کے ناتواں کندھوں پر آپ کی پرورش وپرداخت کا بار گراں آ گیا۔

حضرت لطیفی کو بچپن ہی سے تحصیل علم دین کا بڑا شوق تھا۔ اس لئے آپ کنہریا سے تقریباً ۵ میل دور رسولپور نام کے گاؤں میں نوابوں کے قائم کردہ ایک مدرسہ میں ایک عرصہ تک تعلیم وتربیت حاصل کرتے رہے۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے مدرسہ نظامیہ فرنگی محل لکھنؤ میں داخلہ لے کر حضرت مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی رحمۃ اللہ تعالیٰ اور دوسرے اساتذہ سے تحصیل علم میں منہمک ہو گئے۔ یہاں متوسطات سے منتہی کتابوں تک پڑھنے کے بعد خانوادۂ ولی اللہی کے چشم وچراغ حضرت مولانا شاہ مخصوص اللہ اور حضرت مولانا شاہ موسیٰ رحمہما اللہ تعالیٰ کی درس گاہوں سے تکمیل علم وفن فرمائی۔

فراغت کے بعد پٹنہ، مجگاؤں، بھاگل پور، سہسرام (بہار) اور شاہجہاں پور (یوپی) کے مشہور اداروں میں تدریسی خدمات انجام دیں اور سیکڑوں تشنگان علم وفن کو اپنے سرچشمہ علم وفضل سے سیراب وشادکام کیا۔

سہسرام میں شعبہ تدریس کی صدارت اور اہتمام مدرسہ کے دو اہم مناصب پر فائز

ہونے کے باعث عائد ہونے والی تمام ذمہ داریوں اور فرائض کو بارہ برس تک بحسن وخوبی انجام دیا۔

پٹنہ کے مدرسہ میں تدریس کے دوران بہار شریف سے قریب کے ایک گاؤں ڈمراواں میں حضرت سید عبدالکریم مرحوم کی صاحبزادی محترمہ عزیزالنساء سے آپ کی شادی ہوئی جن کے بطن سے تین بیٹے اور چار بیٹیاں پیدا ہوئیں۔

آپ نے سندالعارفین حضرت مولانا شاہ لطیف علی عرف شاہ میاں جان علیہ الرحمہ کے دست مبارک پر بیعت کی اور مسلسل بارہ سال تک اپنے مرشد طریقت کی خدمت میں رہ کر ان کی نگرانی وتربیت میں ذکر وشغل اور ریاضت ومجاہدہ کے ذریعہ منازل سلوک وطریقت تک رسائی حاصل کی اور قلب کو صیقل، روح کو جلا اور باطن کو علائق دنیا سے پاک صاف کیا۔ اس کے بعد اجازت وخلافت کی عظیم نعمت سے نوازے گئے اور پھر ہدایت وارشاد کی اس سچی امانت کو دوسروں تک منتقل کرنے کے لئے آپ نے بھی بیعت وارشاد کا سلسلہ شروع فرمایا۔

مسلم معاشرہ میں پھیلی ہوئی خلاف شرع رسوم کے قلع قمع کے لئے آپ نے تبلیغی واصلاحی دورے کئے اور اسے صحیح اسلامی عقائد ومعمولات سے آگاہ کرنے کی سعی بلیغ فرمائی جس کے نتیجہ میں بے شمار خلق خدا کی صحیح اسلامی تعلیمات پر عمل کی توفیق ملی۔

انہوں نے اپنی تبلیغی واصلاحی مساعی کے مفید ثمرات ونتائج کو استحکام اور پائیداری عطا کرنے کے لئے مساجد، مدارس، دینی مراکز اور مذہبی انجمنیں قائم کیں جنہوں نے مسلمانوں کے دلوں میں اسلام اور شعائر اسلام سے دلی وابستگی پیدا کی اور اسلامی ضابطہ حیات کے مطابق زندگی گزارنے کا جذبہ بیدار کیا۔

تصنیف وتالیف: تقریر وخطابت اور پند وموعظت بے شک تبلیغ حق اور اصلاح معاشرہ کے اہم ذرائع ہیں اور ہمارے اسلاف نے ان کے ذریعہ بے شمار دلوں میں انقلاب برپا کر کے انہیں جادۂ حق واستقامت پر گامزن کیا ہے۔ تاہم اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ ذرائع مستقل اور پائیدار نہیں اور ان کے اثرات وثمرات مجلس وعظ

وخطابت میں موجود لوگوں تک ہی محدود ہوتے ہیں جبکہ اچھی کتابیں تبلیغ واصلاح کا ایک مستحکم اور دیرپا ہتھیار ہیں جن سے لوگ قیامت تک مستفید ہوکر اپنی زندگیاں سنوار سکتے ہیں۔ اس لئے حضرت لطیفی نے تصنیف وتالیف اور عربی، فارسی اور اردو زبانوں میں شعر گوئی کی طرف بھی توجہ فرمائی۔

آپ کے اشہب قلم وفکر سے مندرجہ ذیل کتابیں وجود میں آئیں جو آپ کی علمی، فکری، اعتقادی اور عملی سلامت روی کی بھی آئینہ دار ہیں۔

(۱) دیوان لطیفی: اس میں حمد، مناجات، نعتوں، منقبتوں اور قصیدوں کو شامل کیا گیا ہے۔ زیادہ کلام فارسی میں ہے اور کچھ عربی اور اردو زبانوں میں بھی ہے۔

(۲) لطائف حفظ السالکین: اس کی زبان فارسی ہے لیکن ساتھ میں اس کا اردو ترجمہ بھی شامل ہے۔ اس میں لطیفہ کے عنوان کے تحت تصوف وسلوک کے اسرار ونکات سے بحث کی گئی ہے۔

(۳) مکتوبات لطیفی: یہ ان چوالیس مکتوبات کا مجموعہ ہے جو حضرت لطیفی نے اپنے تلامذہ خلفا اور مریدین ومعتقدین کو تحریر فرمائے تھے ان میں بھی آپ نے تصوف و سلوک کے حقائق ومعارف کو اجاگر کیا ہے اور ضمنی طور پر دیگر علوم وفنون کے مباحث بھی ذکر کئے ہیں۔

(۴) تسہیل التصریف (۵) جِریس الغیب (۶) جسیرُ الغیب (۷) وسیلہ التصریف (۸) نختیں الٰہی نامہ (۹) بما اغنی من الکلام (۱۰) خذہ بجد (۱۱) رقعات لطیفی۔ یہ رسب رسائل ہیں جو فارسی میں لکھے گئے اور مختلف موضوعات وحقائق پر مشتمل ہیں۔ (۱۲) فوائد نوریہ: آپ کے زمانہ میں درس نظامی کے ابتدائی طلبہ کو پڑھائی جانے والی کتاب "میزان منطق" کی مبسوط اور جامع شرح۔ یہ بھی فارسی زبان میں ہے۔ (۱۳) عجالہ نافعہ (مطبوعہ: موضوع نامعلوم) (۱۴) تلک عشرۃ کاملۃ (قلمی موضوع نامعلوم) (۱۵) خطبہ دوازدہی: نام سے ظاہر ہے کہ یہ بارہ مہینوں کے خطبات پر مشتمل ہے۔ (نایاب)

وفات: ۳۰ رجمادی الاولیٰ ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۵ء کو علم وعمل کا یہ آفتاب

عالمتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

شعروسخن: حضرت لطیفی ایک سادگی پسند اور پرگو شاعر تھے۔ انہوں نے عربی، فارسی اور اردو زبانوں میں اپنے عقائد و معمولات، خیالات ونظریات اور اپنی واردات قلب کا اظہار بڑے سادہ اور بے تکلف اسلوب میں پیش کیا ہے۔ اس وقت دیوان لطیفی کے چند عربی کلام میرے پیش نظر ہیں اور انہیں کے متعلق مجھے کچھ عرض کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔

اپنے حمدیہ کلام میں انہوں نے خدائے بزرگ وبرتر کی تعریف وثناء، اس کے اوصاف وکمالات، اور اس کے متعلق اہل سنت کے عقائد کا بیان کرنے کے ساتھ اس کے حضور اپنے عجز ودرماندگی اور ذلت ورسوائی کے اظہار اور اپنی تقصیر وکوتاہی اور گناہ سے طلب عفوودرگزر کے مضامین شامل کیے ہیں۔ فرماتے ہیں:

حمداً لمن من واحد من خلقه لایحمد
شکرالمن من مثلنا من شکره لایوجد

حمد کا مستحق وہی ہے جس کی حمد اس کی مخلوق میں سے کسی سے نہیں ہوسکتی۔ شکر اسی کا ہے جس کا شکر ہم جیسے لوگوں سے نہیں ہوسکتا۔

فرد وحید کهنه من مدرک لایدرک
من نوره من کل جهته فی عیون یشهد

وہ یکتا اور اکیلا ہے اس کی حقیقت تک کسی ادراک کرنے والے کی رسائی نہیں ہوسکتی۔ ہر آنکھ ہر جانب اس کے نور کا مشاہدہ کررہی ہے۔

من لم یلد من لم یکن کفو له لا مثله
من غنی ذاته من ملکه لایفسد

اس نے کسی کو جنا اور نہ اس کا کوئی ہم سر اور مثل ہی ہے۔ اسکی ذات بے نیاز اور اس کا ملک فساد سے محفوظ ہے۔

من لا الٰه غیره لا خیر الا خیره
لا شر فی تخلیقه لا خیر منا یوجد

اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ ہر خیر اسی کا ہے۔ اس کی تخلیق میں کوئی برائی اور خرابی نہیں اور اس کی توفیق کے بغیر ہم سے کسی خیر کا وجود نہیں ہوسکتا۔

حارت عقول العاملین فی صنع رب العالمین

من عشقہ قلب الحزین قلب حریق موقد

عقل والوں کی عقلیں پروردگار عالم کی بنائی ہوئی چیزوں میں حیران وسرگرداں ہیں۔ دل غمزدہ اس کے عشق کی آگ میں سوختہ وتپاں ہے۔

اذ ما عبدنا قال من لا مثلہ من عابد

فالحق ان اللہ من امثالنا لایعبد

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو (خدائے بزرگ و برتر کی عبادت میں) تمام مخلوقات میں بے مثل و بے نظیر ہیں جب انہوں نے فرمادیا کہ ما عبدناک حق عبادتک (ہم نے تیری شان کے لائق عبادت نہ کی) تو حق یہی ہے کہ ہم جیسے لوگوں سے اس کے شایان شان عبارت نہیں ہوسکتی۔

قد قال ایضا ما عرفنا حق عرفان لہ

فالو مھم فی عرفانہ من مثلا ابعد

جب حضور نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں ماعرفناک حق معرفتک (ہم نے تجھے کما حقہ نہیں پہچانا)

فرمادیا تو ہم جیسے لوگوں کے دلوں میں اس کی معرفت کا وہم بھی پیدا ہونا نہایت بعید بات ہے۔

ما دوائی للشفاء غیر و لطفک یا لطیف

جد بلطفک جد بلطفک واصتفح الصفح الجمیل

اے لطف کرنے والے تیرا لطف ہی شفا کے لئے میری دوا ہے۔ مجھے اپنے لطف وکرم سے نواز اور میرے گناہوں کو اچھی طرح درگزر فرما۔

ضاع عمری فی ذنوب یا کریم

تب علینا انت تواب رحیم

اے کریم: میری عمر گناہوں میں ضائع ہوگئی۔ تو ہماری توبہ قبول فرما اس لئے کہ تو بہت توبہ قبول فرمانے والا اور حد درجہ مہربان ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وثنا آپ کے خصائص وامتیازات کا ذکر کرتے ہوئے گویا ہیں:

حَبِیْبِی انت لی خیر الوکیل
و فی الیوم التلاقی لی کفیل

اے میرے حبیب آپ میرے سب سے بہتر کارساز ہیں اور قیامت کے دن آپ میرے ضامن ہیں۔

و ما مثلک جمیل یا خلیلی
فانک فی الوری خیر الجمیل

اے میرے خلیل! آپ جیسا کوئی صاحب حسن وجمال نہیں کیوں کہ آپ مخلوق میں سب سے بہتر جمال والے ہیں۔

و انت الشمس فی فلک النبوۃ
و ھم فیھا نجوم بالطفیل

آپ ہی آسمان نبوت کے آفتاب ہیں اور باقی انبیائے کرام آپ کے صدقہ و طفیل میں ستارے ہیں۔

اذا ما الشمس لاحت فی سماء
نجوم لیست الا فی الافول

جب آسمان میں آفتاب کا ظہور ہوتا ہے تو ستاروں کے لئے ڈوبنے کے سوا اور کوئی راہ نہیں ہوتی۔

فلو لا کان یا مولای جودک
و لولا کنت یا ختم الرسول
لما کانت سموت طباقا
و لا للارض کونا من سبیل

اے میرے آقا اگر آپ کا جود نہ ہوتا اور اگر اے خاتم پیغمبراں آپ کا وجود مسعود نہ ہوتا تو یہ تہ بتہ آسمان نہ ہوتے اور نہ یہ زیر زمین ہوتی۔

نَبِیًّا کنت من قبل النبیین
رسولا کنت من قبل الرسول

آپ تمام انبیائے کرام سے پہلے منصب نبوت سے سرفراز کردئے گئے تھے اور تمام رسولوں سے پہلے مرتبہ رسالت پر فائز کردئے گئے تھے۔

اذا ما انت عال بمن دراک
فلا یمکن ثناء ک بالمقال

جب آپ کی ذات انسانی ادراک سے ماورا ہے تو آپ کی مدح وثنا قول سے کیسے ممکن ہوگی۔

ایک دوسری نعت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف وکمالات، ان کے اتباع میں سرزد ہونے والی تقصیرات اور اپنے نامہ اعمال کے نیک اعمال سے خالی ہونے کا تذکرہ کرتے ہوئے قیامت کی ہولناکیوں سے نجات کے کسی راستے سے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا ہے لیکن بعد کے اشعار میں اس تجاہل عارفانہ کا جواب بھی دے دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

ارجو بھذا الحب ان لی وصلة بالمغفرہ
انی سمعت المرء عن محبوبہ لایطرد
ھا ای لطیفی لاتخف لامن مکافاۃ العمل
اذ ربی الرحمن قاض اذ شفیعی احمد

مجھے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سے جو محبت خاطر ہے اس کے طفیل امید ہے کہ مجھے پروانہ مغفرت مل جائے گا کیونکہ میں نے سنا ہے کہ آدمی کو اس کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے در دولت سے دھتکارا نہیں جائے گا۔

اے لطیفی تو مکافات عمل سے مت ڈر اس لئے کہ نہایت مہر فرمانے والا میرا

پروردگار داور قیامت ہے اور میری شفاعت کرنے والے احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔

قرآن وحدیث سے استفادہ: حضرت لطفی قرآن کریم اور احادیث نبوی کے مضامین کو بھی بڑی خوش اسلوبی سے شعری پیکر میں ڈھالتے ہیں۔ مثلاً فرماتے ہیں:

فرد وحید کنهه من مدرک لایدرک
من نوره من کل جهته فی عیون یشهد

اس شعر میں مندرجہ ذیل آیتوں کا مضمون پرویا گیا ہے:

(۱) قل هو اللّٰه احد اور اس مضمون کی دوسری آیات (۲) لاتدرکه الابصار (۳) الله نور السموت والارض

من لم یلد من لم یکن کفو اله لا مثله
من غنی ذاته من ملکه لا یفسد

اس شعر میں بھی تین آیتوں کا مضمون شامل ہے:

(۱) لم یلد: و لم یکن له کفوا احد (۲) والله غنی حمید (اور اس مضمون کی دوسری آیات) (۳) لو کان فیهما الهة الا الله لفسدتا۔

مندرجہ ذیل اشعار میں کئی احادیث کا مضمون شامل کیا گیا ہے۔

اذ ما عبدنا قال من لا مثله من عابد
فالحق ان الله من امثالنا لایعبد
قد قال ایضا عرفنا حق عرفان له
فالوَهُمُ فی عرفانه میں مثلنا ما ابعد
یا ربنا قد کنت کنز الم یکن شئی معک
حسنک لحسنک شاهد عینک لعینک مشهد
ثم اقتضی حبک ظهورا قضیة للمعرفة
فامتاز من فیضک حبیب ذو فیوض احمد
ذاک النبی المصطفی ذاک الرسول المهتدی
من نوره اصل الوری للخلق ذاک القصد

پہلے اور دوسرے شعر میں ماعبدنا اور ماعرفنا سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کا ماعبدناک حق عبادتک اور ماعرفناک حق معرفتک تیسرے اور چوتھے شعر میں کنت کنز مخفیاً فاحببت ان اظھر فخلقت محمد اور پانچویں شعر میں اول ماخلق اللہ نوری و کل الخلائق من نوری وانا من نور اللہ کا مضمون شعری قالب میں ڈھالا گیا ہے۔

تیسرے شعر میں لم یکن شئی معک تیرے ساتھ کوئی چیز نہ تھی سے شاعر ممدوح نے وہابیوں کے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے اس عقیدے کا رد بھی کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ حوادث کی جنس سے پہلے نہیں تھا بلکہ وہ محض جنس کے افراد معینہ سے پہلے تھا جس کا مطلب یہ ہے کہ حوادث کے افراد میں سے ہر فرد معین تو حادث اور مخلوق ہے مگر حوادث کی جنس ازلی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ ازلی ہے یعنی اللہ تعالی کا وجود جنس کے وجود سے پہلے نہیں تھا بلکہ اس کے وجود کے ساتھ جنس حوادث کا بھی وجود تھا۔

یہ عقیدہ اہل سنت کے اس اجماعی عقیدے کے بالکل خلاف ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات ہی قدیم اور ازلی ہیں باقی تمام مخلوقات حادث اور مخلوق ہیں۔

"لم یکن شئی معک" بھی حضرت ممدوح نے اس حدیث شریف سے اخذ فرمایا ہے "کان اللہ ولم یکن شئی مع" اللہ تھا اور اس کے ساتھ کوئی چیز نہیں تھی۔

حضرت لطیفی نے اپنے کلام کو تشبیہات واستعارات وغیرہ بلاغی خوبیوں سے بھی مزین وآراستہ فرمایا ہے۔ مثلاً مندرجہ ذیل شعر:

ان فضل اللہ غیم باطل فی کل آن
آہ من لھو و سھو آہ من نوم طویل

بے شک اللہ کا فضل، ہر آن لگا تار برسنے والا بادل ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ اپنے کھیل کود، غفلت وبے خبری اور خواب دراز پر۔

اس میں تشبیہ بلیغ ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے فضل پیہم کو ہر آن مسلسل ہونے والی بارش سے تشبیہ دیا گیا ہے مگر اداۃ تشبیہ اور وجہ شبہ کو حذف کر دیا گیا ہے۔

قد صرفت العمر فی البطلان والکفران آہ

ترقی الاجرام منی جاء نی وقت الرحیل

اس شعر میں مجاز یا کنایہ ہے کیونکہ 'ترتقی الاجرام منی اصل میں ترتقی الاجرام من الی اللہ تعالیٰ ہے۔تو یہ یا تو مجازا ''یعلمہا اللہ تعالیٰ' کے معنی میں ہے یا ''یعلمہا اللہ'' سے کنایہ یعنی مجھ سے سرزد ہونے والے گناہوں کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔جیسے ''یصعد الیہ الکلم الطیب کو علما نے یعلمہا اللہ سے مجاز یا اس سے کنایہ قرار دیا ہے۔

یا الھی کل یوم ھھنا

اشربہ الاحزان فی قلبی السقیم

اس شعر کے دوسرے مصرعہ میں استعارہ تبعیہ ہے۔معنی 'اشرب' مستعار منہ 'اعانی واقاسی، مستعار لہ اور لفظ اشرب مستعار ہے اور وجہ جامع ناپسندیدگی وناگواری ہے یعنی جس طرح مشروب کو تلخ یا زیادہ مقدار میں پینا ناگوار ہوتا ہے اسی طرح غموں کی سختیاں جھیلنا بھی ناگوار ہوتا ہے۔اور چونکہ یہاں مستعار لہ یعنی مشبہ کا ملائم ومناسب 'قلبی السقیم' کا ذکر کردیا گیا ہے اس لئے یہ استعارہ مجردہ بھی ہے۔

لا علمھم من علمہ الا کطل من سحاب

لا بل کبل من بحار قعرہ لا یوجد

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کے مقابلہ میں دوسرے انبیائے کرام کا علم محض ایک ہلکی بارش کی طرح ہے۔نہیں بلکہ ایک بحر ناپیدا کنارے کے مقابلہ میں نمی کی طرح ہے۔اس شعر کے دوسرے مصرعہ میں اضراب ابطالی ہے اور طل وبل کے درمیان جناس لاحق ہے۔

ھا ای لطیفی لاتخف لا من مکافاۃ العمل

اذ ربی الرحمٰن قاض اذ شفیعی احمد

ہا ای لطیفی لاتخف میں محسنات معنویہ کی ایک قسم تجرید پائی جارہی ہے کیونکہ شاعر نے اس سے خود اپنی ذات کو مخاطب کیا ہے۔جیسے ایک عربی شاعر کہتا ہے:

لا خیل عندک تھدیھا ولا مال
فلیسعد النطق ان لم یستعد الحال
بلغت القربۃ القربی کمالا
کشفت الجھل عنا بالجمال

آپ اپنے کمال کے سبب رب تعالیٰ کے انتہائی درجہ قرب سے سرفراز ہوئے اور اپنے جمال سے آپ نے جہالت کی تاریکی کو دور کر دیا۔

اذا ما انت عال عن دراک
فلا یمکن ثناءک بالمقابل

جب آپ کا پایہ ادراک انسانی سے ماوراء ہے تو زبان سے آپ کی ثنا کیسے ممکن ہو۔
ان دونوں اشعار میں حضرت لطیفی نے پیغمبر سخن حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ کے مندرجہ ذیل اشعار کا معنی لے لیا ہے اور الفاظ بدل دیے ہیں اس لئے ہم اسے علم بلاغت کی اصطلاح کی رو سے اغارت اور مسخ کہیں گے۔

بلغ العلی بکمالہ
کشف الدجی بجمالہ
لا یمکن الثناء کما کان حقہ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

وہ اپنے کمال کے سبب بلند ترین مراتب تک پہنچے اور انہوں نے اپنے جمال سے کفر و شرک و جہالت و نادانی وغیرہ تمام برائیوں کی دبیز تاریکیوں کو دور کر دیا۔
ان کی شان کے لائق ان کی ثنا ممکن نہیں اس لئے بطور قصہ مختصر یہی کہہ دینا چاہئے کہ خدا کے بعد عظمت و بزرگی آپ ہی کے لئے ہے۔

حضرت لطیفی اور اردو شاعری

حضرت علامہ مولانا مفتی حسن منظر قدیری گانگی کشن گنج

صوبہ بہار خاص کر قدیم پورنیہ کی مٹی زرخیز تھی اور زرخیز ہے۔ عہد ماضی بھی علم وفن اور بزرگی ولایت کے اعتبار سے درخشندہ تھا اور آج بھی ہے۔ علماء وصالحین کل بھی اس مبارک دھرتی پر پھیلے ہوئے تھے اور آج بھی علم ولایت کے چراغ روشن ہیں۔ عہد ماضی اگر چہ ہماری نگاہوں سے اوجھل ہے مگر تاریخ ان انمول دفینوں کی ضرور نشاندہی کرتی ہے جن کے دامن میں یہ علمی لعل وگوہر محفوظ ہیں جگہ جگہ دامن پورنیہ میں ان کے نشان قدم، نقوش فضل وکمال اور علم ولایت کے چراغ روشن ہیں۔ یہ چراغ اگر چہ عہد ماضی کے تاریک لمحوں میں فروزاں ہوئے تھے مگر ابھی ان کی درخشانی، گھروں میں دلوں میں اور انسانی آبادیوں میں باقی ہے۔ وقت کی مخالف ہوائیں چلتی رہیں، طوفان اٹھتے رہے اور آندھیاں نمودار ہوتی رہیں، مگر علم وفن، فضل وکمال اور تقویٰ وطہارت کے چراغ فروزاں ہی رہے۔

انہیں علم وفن، پارسائی وبزرگی اور تقویٰ وطہارت کے چراغوں میں حضرت مولانا شاہ حفیظ الدین قدس سرہ کی ذات عالی بھی ہے ان کی تہہ بہ تہہ زندگی کے مختلف گوشے میں تبحرٔ علمی، ولایت وپارسائی اور شاعری ہر لحاظ سے ان کی مقدس زندگی میں کمالات کی فراوانی ہے۔

اس وقت ان کا وصال مکمل ایک صدی کے ایک زرین دور کو لے کر ہمارے سامنے ہے۔ اس صد سالہ دور چرخ میں اس عظیم شخصیت پر علمی سمینار منعقد کرنے کا ارادہ ہے تا کہ اہل فکر ودانش اور ارباب لوح وقلم اپنی تحریروں سے انہیں خراج عقیدت پیش کریں۔

خاکسار سے ''دیوان لطیفی'' کے اجالوں میں ان کی اردو شاعری پر کچھ لکھنے کی فرمائش ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ ان کی اردو شاعری پر کچھ لکھنے سے قبل حضرت مولانا شاہ حفیظ الدین قدس سرہ کی ہمہ رنگ زندگی پر کچھ ہلکی روشنی ڈال دوں تا کہ ان کی مبارک زندگی

کا ایک اجمالی خاکہ ہماری نگاہوں کے سامنے آجائے۔

۱۲۴۵ھ میں جبکہ ہندوستان پر برطانوی سامراج کی حکومت تھی اس عالم رنگ وبو کو اپنی آمد کا احساس دلا کر آغوش، مادر میں آنکھیں کھولیں، موج ہوا کا تازہ جھونکا انہیں چھو کر گزرا اور انہوں نے زندگی کی پہلی سانس لی۔ رضاعت کے دن پورے ہوئے نشوونما ہوتی رہی اور قافلہ لیل ونہار کے ساتھ آگے بڑھتے رہے پھر شعور حیات انہیں اس حسین موڑ پر لایا جہاں سے بسم اللہ خوانی کی رسم ادا ہوتی ہے اور تعلیم کا آغاز ہوتا ہے۔

چشتی نگر ہی وہ دھرتی ہے جہاں سے تعلیم کی ابتدا ہوئی مگر یہاں دامن تعلیم کشادہ نہ ہونے کی وجہ سے طلب علم میں قدم اٹھے چونکہ سینہ میں علم کی پیاس تھی اس تشنگی کو لے کر قریب کے ایک گاؤں رسول پر پہنچے جو امیروں اور زمینداروں کا گاؤں تھا۔ یہاں مدرسہ کے نام سے ایک بڑی درس گاہ تھی جو اس وقت کا ایک معیاری مدرسہ سمجھا جاتا تھا آپ نے اس میں تعلیم حاصل کی۔

مزید تعلیم کے لئے رسول پور کی سرزمین کے چلے تو سیدھے تہذیب وتمدن کا گہوارہ اور زبان وادب کا شہر لکھنؤ جا پہنچے اور مدرسہ نظامیہ کی علمی چھاؤں میں حضرت مولانا شاہ عبدالحلیم فرنگی محلی سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور سند حدیث کے لئے دہلی کا رخ فرمایا اور شاہ مخصوص اللہ دہلوی اور حضرت شاہ موسیٰ دہلوی سے سند حدیث لے کر جانب وطن مراجعت فرمائی۔ یہ آپ کا تعلیمی دور کا ایک اجمالی خاکہ ہے۔

مکیدہ علم وفن سے نکلے تو کمال علم وفن کی روشنی سے آراستہ اپنے وقت کے متجر عالم، محدث مفسر، فقیہ ومتکلم اور فلسفی ومنطقی تھے علم وفن کی پاکیزہ روشنی بانٹنے تعلیمی سفر شروع فرمایا تو آرہ، پٹنہ، بھاگل پور، شاہجہاں پور اور خاص سہسرام جیسے مقامات کو علمی شعاعوں سے منور فرمایا۔ ان پیاسے مقامات کی تشنگی دور فرمائی اور علم وفن کا سکہ جمایا۔ یہ ظاہری علوم کا کمال تھا کہ ذرے تابناک ہو رہے تھے اور علمی تشنگی دور ہو رہی تھی مگر ابھی تک صحرائے دل ضرب اللہ ہو کے نغمہ سے خالی تھا۔ عرفان ذات کے ساتھ عرفان حقیقت سے بھی آشنا ہو جائے یہی ایک چیز تھی جو انہیں کشاں کشاں منعم پاک کے آستانہ پر لے گئی بھی

جومتن گھاٹ پٹنہ میں مرجع خلائق ہے۔اس آستانہ پر ہنگامہ شب وروز سے کنارہ کش ہوکر مراقبہ میں تھے کہ باطنی اشارہ ملا نور باطن کا عطا کرنا بارگاہ عشق کے حصہ میں ہے یہ بے نور سینہ اسی بارگاہ کے فیض سے منور ہوگا۔

چنانچہ حضرت شاہ رکن الدین عشق کی بارگاہ جومتن گھاٹ پٹنہ ہی میں واقع ہے حاضری دی اور صاحب سجادہ شیخ وقت، مرشد کامل اور قطب زمانہ خواجہ شاہ لطیف علی قدس سرہ سے طالب بیعت وارادت ہوئے۔راہ سلوک عرفان حقیقت اور جام عشق سہل الحصول نہیں اس میں سخت مجاہدہ وریاضت فکر ونظر کی تطہیر، قلب وجگر کی طہارت اور تزکیہ نفس کی ضرورت ہوتی ہے پہلے شریعت سے مکمل وابستگی بھر راہ طریقت پر مرشد کی رہنمائی پھر منزل معرفت نصیب ہوتی ہے۔

چنانچہ بارہ سالہ زندگی اسی سوز وساز کی گزاردی جس میں شیخ وقت کا فیضان نظر تھا اپنی نگاہوں سے جام معرفت پلاکر عرفان حقیقت سے ہمکنار کردیا اور یہ ایسا نشہ عشق تھا جو تاحیات نہ اتر سکا۔

چنانچہ شاہ حفیظ الدین قدس سرہ بارگاہ عشق کے میکدہ سے نکلے تو سالک رازدار تھے مخدوب نہیں صوفی صافی تھے۔زاہد خشک نہیں سینہ میں عشق حقیقی کے انوار تھے۔عشق مجازی کے رنگ وروغن نہیں۔قوم وملت کے معمار وہمدرد تھے۔روحانی مریضوں کے مسیحا تھے غرض کہ ان کی ذات پاک شریعت وطریقت کا سنگم تھی دونوں قسم کے پیاسے اس چشمہ شیریں سے سیراب ہورہے تھے۔دونوں کے درد کا مداوا ان کی بارگاہ تھی۔

اولیاء کرام کے رنگ ونور بھی عجیب ہوتے ہیں۔جب وہ میکدہ سے میخواری کرکے نکلتے ہیں تو ان کے احوال مختلف ہوجاتے ہیں کبھی وہ خوف وخشیت کا پیکر نظر آتے ہیں کبھی اہل کشف ومشاہدہ دکھائی دیتے ہیں کبھی اس گروہ میں عشق ووجد کی فراوانی نظر آتی ہے۔حضرت مولانا شاہ حفیظ الدین قدس سرہ صاحب عشق ووجد تھے اور یہ بارگاہ عشق کی دین ہے اور تجلی جمال میں استغراق کا نتیجہ ہے۔

عشق مسلسل سوز اور پیہم گداز کا نام ہے اور عاشق کو اگر فطرت نے شعر گوئی کا

جوہر لطیف عطا کیا ہے تو عشق وشاعری دونوں ساتھ چلتے ہیں کیونکہ سوزش پنہاں کا اظہار اور سینہ بریان کی کیفیت کا بیان زبان شعر ہی سے ہوسکتا ہے۔ حضرت مولانا شاہ حفیظ الدین عاشق صادق اور خداداد صلاحیت سے شاعرانہ ذوق اور عاشقانہ مزاج رکھتے تھے اپنے پیر ومرشد حضرت شاہ خواجہ لطیف علی کی نسبت سے لطیفی تخلص اختیار فرمایا تھا۔ ان کے کلام کا مجموعہ ''دیوان لطیفی'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ دیوان لطیفی کے چند اوراق عزیزی مولانا خواجہ ساجد عالم سلمہ نے مجھے ارسال کئے ہیں اور حضرت لطیفی کے اردو کلام پر کچھ لکھنے کی فرمائش بھی کی ہے میں اس لائق نہ ہوتے ہوئے بھی تعمیل ارشاد کر رہا ہوں۔

حضرت لطیفی کا وصال پوری ایک صدی کے طویل فاصلے کو سامنے لاتا ہے۔ اس طویل مدت میں زبان وادب، رنگ خیال وبیان اور الفاظ وتراکیب کے پیمانے وجود میں آتے رہے اور بدلتے رہے۔ ذوق شاعری اور مزاج سخن گوئی میں بھی تبدیلی واقع ہوئی۔ گل وبلبل، زلف ورخ اور ہجر وصال کی قدیم روایت سے ہٹ کر نئے خیالات واحساسات کے گھروندے بنتے اور ٹوٹتے رہے۔ شعر وسخن کا پرانا انداز، جدیدیت کی لہروں میں ڈوب گیا اور شاعری کا قدیم لب ولہجہ، قصہ پارینہ بن گیا۔ لہٰذا حضرت لطیفی کے کلام کو اسی دور کے تقاضوں کے اعتبار سے دیکھیں اسی عہد کے پیمانے پر رکھیں اور اسی زمانہ کے آئینہ میں اس کا عکس ملاحظہ کریں کیونکہ ہر دور کا اپنا رنگ ومزاج ہوتا ہے۔

بہر حال 'دیوان لطیفی' کے چند اوراق، تر وتازہ پھولوں کی طرح میرے سامنے ہے۔ ان کی تازگی وشگفتگی سے دل ودماغ تازہ اور ان کی مہک سے دامن احساس عطر بیز ہے۔

شاعری، جذبہ دل کی ترجمان واردات قلبی کی آواز اور طوفان محبت کا زمزمہ ہے۔ عشق کی حرارت تیز ہوئی، درد محبت بے تاب ہوا قلبی واردات الفاظ کے پیکر میں ڈھلے حسن خیال نے بندش الفاظ کو جنم دیا اور حسن الفاظ، حسن ترکیب، حسن خیال اور حسن بیان سے ایک خوبصورت شعر تیار ہوا۔

حضرت لطیفی عربی، فارسی اور اردو تینوں زبان کے شاعر تھے۔ ہر زبان میں ان کا منفرد رنگ وخیال ہے۔ شرح معرفت وحقیقت میں ان کا مخصوص رنگ وخیال جھلکتا ہے۔ ہر

غزل میں ان کی آپ بیتی کی آہٹ محسوس ہوتی ہے۔ اشعار کی معنویت نئی دنیا کی سیر کراتی ہے۔ جام وحدت کے نشہ میں سرشار ہو کر عارفانہ مستی میں اشعار کہتے ہیں اشعار میں کہیں رنگ تصوف کی نمود ہے تو کہیں عرفان حقیقت کا ظہور، حضرت لطفیؔ توحید خالص کی موج میں غرق ہو جاتے ہیں اور غریق دریا ہو جانا، مرشد ہی کی نگاہ فیض کا کرشمہ ہے بظاہر خرابی تو نظر آتی ہے مگر مرید اسے تعمیر حیات سے تعبیر کرتے ہیں اس خیال کے تناظر میں یہ شعر ملاحظہ کریں:

غریق لجہ توحید ناب کرکے مجھے
بنا دیا ہے مجھے مرشد خراب کرکے مجھے

لفظ 'غریق' کے مفہوم سے آشنا ہوتے ہوئے بھی لذت غرق سے آشنا نہیں کہ بحر توحید کے دام موج سے کھیلنا اور طلسم گرداب میں مبتلا ہونا کوئی آسان کام نہیں۔ کسی غریق کے درد و کرب کو بھلا ساحل کے تماشائی کیا جانے؟ کجا دانند حال ما سبکساران ساحلہا۔

قطرۂ آب، آغوش دریا میں پر سکون رہتا ہے لیکن نمود حسن کی گرم مزاجی اسے فنا کرکے صورت حباب میں ظاہر کرتی ہے۔ اسی حقیقت کی غمازی حضرت لطفیؔ کی اس شعر میں دیکھئے:

کیا جدا مجھے آرام گاہ وحدت سے
خدائے پاک نے شکل حباب کرکے مجھے

اہل معرفت کی دنیا میں حیات کی تعبیر ہمارے نظریہ سے کچھ الگ ہے ہم جنہیں زندہ کہتے ہیں ان کی نگاہوں میں وہ چلتے پھرتے مردے ہیں، ہم جسے حیات سے تعبیر کرتے ہیں ان کی نظروں میں وہ موت ہے صحیفہ معرفت میں وجود و عدم بقا و فنا کی تعبیر ہمارے نظریہ حیات و موت سے جداگانہ ہے۔ اس نظریہ کی عکاسی حضرت لطفیؔ کے اس شعر میں ملاحظہ کیجئے۔

خطاب موتو قبل ان تموتو کرکے مجھے
بنا دیا مجھے زندہ خراب کرکے مجھے

انہیں اسرار معرفت و رموز حقیقت کے رنگ میں یہ اشعار ملاحظہ کیجئے

کروں میں کس زبان سے شکر مرشد رہنما

جگا دیا ہے کیسا مست خواب کر کے مجھے
جہاں میں کون ہے بیدار غیر مست الست
نکال دے تو کوئی انتخاب کر کے مجھے

شاعر کے لئے ہجر کے دن بڑے جان گزار ہوتے ہیں شب غم کی تلخیاں بڑی کربناک ہوتی ہیں۔ شب ہجر ہے اور شاعر، یاد محبوب سے سرور حاصل کرتا ہے شب تنہائی ہے اور درد فرقت، انگڑائی لیتا ہوا محسوس ہوتا ہے سکوت نیم شبی میں جب یاد محبوب کی آہٹ سنائی دیتی ہے تو عاشق زار تڑپ کر رہ جاتا ہے اور گویا جان لب پر آجاتی ہے۔ حضرت لطفی اس درد بھری کیفیت کو بڑے حسین اسلوب میں بیان کرتے ہیں خیال کی ندرت ملاحظہ کیجئے

جاں کو لب پر آپ کے دیدار کا ہے انتظار
جلوہ فرماتا ہے جاناں مہربانی آپ کی

حسن کی بے حجابی اس قدر ہے کہ اس کی جلوہ گری ذرہ ذرہ سے آشکار ہے ہر آنکھ میں نور اور ہر دل میں تجلی گاہ ہے۔ اس بے حجابی پر محبوب کا 'لن ترانی' فرمانا عجیب بات ہے۔ حضرت لطفی کی اس مضمون میں نکتہ آفرینی ملاحظہ ہو۔

جب عیاں ہر دیدہ پر ہے آپ کا حسن و جمال
اے عجب پھر بات کیا ہے لن ترانی آپ کی

مکان کا اطلاق شش جہات سے محیط مقید پر ہوتا ہے اور وہ محدود شئی ہے اس کے برعکس ذات الٰہی احاطہ ذہن وفکر کے ماوراء اور لامحدود ہے اس کی ذات اقدس حصار حدو تصور سے باہر ہے۔ وصف لامکانی کی یہی وجہ ہے کہ حضرت لطفی ایک اور نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ رب قدیر کی تجلی ہر جگہ ہے ہر ذرہ میں اس کا نور اور ہر مکان میں اس کی تجلی کا ظہور ہے وجہ لامکانی کی تعمیم یہی فرماتے ہیں۔

آپ کا جلوہ ہے ہر جا ہر مکان میں ہے ظہور
ہے یہی تعمیم وجہ لامکانی آپ کی

محنت و جانفشانی کے بغیر کوئی چیز حاصل نہیں ہوتی۔ ہر شی دشوار طلب ہے اور عشق

دمحبت کی کانٹوں بھری راہ سے گزرنا اور محبوب کو پالینا اور التفات فرمانا یہ حد سے زیادہ دشوار ہے۔ اس لئے عشق کا دعویٰ تو سہل ہے مگر عاشقی آسان نہیں ہے اس حقیقت کی عکاسی کرتے ہوئے حضرت لطفی فرماتے ہیں۔

عشق بازی مدعی آسان نہیں آسان نہیں
مہرباں کب یار ہو بے جانفشانی آپ کی

حضرت لطفی کے اشعار میں بڑی رنگارنگی ہے اور وہ ہر رنگ خیال کو عمدہ اسلوب میں پیش کرتے ہیں۔

تصوف میں فنافی الشیخ کی ایک منزل ہے جہاں اپنے محبوب کے جلووں میں یا شیخ طریقت کی تجلی میں گم ہو جاتا ہے تو اس عالم میں عاشق کے سراپا سے محبوب کی خودنمائی ظاہر ہوتی ہے اس رنگ تصوف میں حضرت کا لطفی کا یہ شعر ملاحظہ فرمائے۔

میں نہیں ہوں، تن نہیں ہے دل نہیں ہے جان نہیں
جان ودل تن سے عیاں ہے خودنمائی آپ کی

خمسہ پر غزل قدسی

حضرت قدسی علیہ الرحمہ کی فارسی نعتیہ غزل جو حسن الفاظ وترکیب اور حسن خیال وبیان کے اعتبار سے بہت ہی مشہور ہے۔ بلکہ یوں کہا جائے وہ نعتیہ شہکار غزل ہے۔ یہ غزل مبارک فکر کو تازگی اور روح ایمان کو شگفتگی عطا کرتی ہے اور پڑھئے تو دل کے تار جھنجھنا اٹھتے ہیں اور فضا میں نغمگی کا احساس ہونے لگتا ہے۔ حضرت لطفی نے 'خمسہ پر غزل قدسی' کے عنوان سے اس پر غزل پر تضمین فرمائی ہے۔ حضرت قدسی قدس سرہ کا مطلع اس طرح ہے:

مرحبا سیدی مکی مدنی عربی
دل وجان یاد فدایت چہ عجب نقوش لقبی

تضمین نگار اپنی تضمین نگاری میں فکری اعتبار سے آزاد ہوتا ہے وہ کسی شعر کے پہلے مصرع پر تضمین کے اشعار جوڑ کر اسے خمسہ میں تبدیل کر سکتا ہے لیکن جس مصرع کی بنیاد

پر اپنا قصر تضمین تعمیر کرنے کا ارادہ رکھتا ہے وہ مصرع بڑا اہم ہوتا ہے۔ تضمین اسی مصرع کے مرکزی خیال پر ہونی چاہئے۔ گویا شاعر اپنے مفہوم کو کچھ ادھورا چھوڑ دیا ہے۔ تضمین نگار اسے پورا کرنا چاہتا ہے غیر مربوط اشعار جوڑنا یہ مزاج تضمین نگاری کے خلاف ہے۔

جیسے امام احمد رضا قدس سرہ کا یہ شعر

کھائی قرآن خاک گذر کی قسم
اس کف پاکی حرمت پہ لاکھوں سلام

پہلے مصرع کا بنیادی مفہوم 'خاک گذر' ہے اسی سے مناسب مربوط مفہوم تضمین کے اشعار میں آنا چاہئے اس پر خاکسار نے تضمین کی ہے۔

جس طرف سے بھی گزرے رسول حشم
ذرہ خاک طیبہ ہوا محترم
اس قدر محترم وہ نقوش قدم
کھائی قرآن نے خاک گزر کی قسم
اس کف پا کی حرمت پر لاکھوں سلام

حضرت لطیفی نے قدسی کی مدحیہ غزل پر اردو میں تضمین فرمائی جبکہ قدسی کی غزل فارسی زبان میں ہے، اس کے باوجود حضرت لطیفی نے سلاست میں فرق آنے نہیں دیا ہے۔ مفہوم کو مربوط وابستہ کرنے میں فکر وفن اور اپنی قادر الکلامی سے کام لیا ہے۔ الفاظ شستہ وشگفتہ اور برجستہ ہیں حضرت قدسی کا شعر ملاحظہ کیجئے:

ذات پاک تو کہ در ملک عرب کرد ظہور
زان سبب آمدہ قرآن بزبان عربی

رب قدیر نے ملک عرب میں آپ کو مبعوث فرمایا اور عرب کی زبان عربی ہے اسی وجہ سے قرآن کریم عربی زبان میں نازل ہوا۔

اس شعر کے تناظر میں حضرت لطیفی کی تضمین ملاحظہ فرمائیے:

آپ کی ذات سے اے رونق ہر بزم سرور

نور حق جلوہ گر، ہر سمت چہ قرب چہ دور
واہ کیا رتبہ ملا ملک عرب کو اے حضور
ذات پاک کہ در ملک عرب کرد ظہور
زان سبب آمدہ قرآن بزبان عربی

حضرت قدسی فرماتے ہیں:

نخل بستان مدینہ ز تو سرسبز مدام
زان شدہ شہرۂ آفاق بشیریں رطبی

سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی برکت قدم وفیض کہ تم سے نخلستان مدینہ ہمیشہ تروتازہ اور سرسبز وشاداب ہے اور نخلستان مدینہ کے پھل حلاوت وشیرینی میں شہرہ آفاق ہے۔ یہ آپ کی ذات پاک کا صدقہ ہے۔ اس کی تضمین پر حضرت لطفی کا حسن الفاظ وبیان اور شگفتگی وبرجستگی ملاحظہ کیجئے:

ہر شجر آپ سے ہے تازہ تر اے شاہ انام
ہر گل وخار و ہر گلشن میں رواں بخشش عام
خاک گلشن طیبہ ہے شہا قابل احترام
نخل بستان مدینہ ز تو سرسبز مدام
زان شدہ شہرہ آفاق بشرین رطبی

حضرت قدسی فرماتے ہیں:

نسبت خود بسگت کردم و بس منفعلم
زانکہ نیست بسگ کوئے تو شد بے ادبی

خود کو سگ بارگاہ کی طرف منسوب کر کے میں بہت شرمندہ ہوں کیونکہ سگ کوچہ کی طرف نسبت بھی بے ادبی ہے۔

اس تناظر میں حضرت لطفی کی تضمین کا رنگ ملاحظہ کیجئے

اے حبیب خدا دریا کرم نور قدم

ہم غلاموں کو نہیں ملتی ہے نسبت کی قسم
بھول سے کر چکے نسبت بسگ اے شاہ امم
نسبت خود بسگت کردم و بس منفعلم
زانکہ نسبت بسگ کوئے توشہ بے ادبی

حضرت کا مقطع ملاحظہ کیجئے:

سیدی انت حبیبی طبیب قلبی
سوئے تو آمدہ قدسی پے درمان طلبی

اس پر حضرت لطفی کے تضمینی اشعار ملاحظہ کیجئے

اے لطفی مریض عشق رسول عربی
عشق کے نقص سے موقوف ہے تیری طلبی
آمد قلب سے قدسی کی طرح کہہ تو ابھی
سیدی انت حبیبی و طبیب قلبی
سوئے آمدہ قدسی پئے درمان طلبی

بہر حال حضرت لطفی کی شاعری میں معارف وحقائق کی ترجمانی، جذبات و احساسات کی عکاسی اور واردات قلبی کی غمازی سے الفاظ شگفتہ، خیالات، پاکیزہ اور اسلوب بیان دلکش ہے۔ان کی شاعری قدیم روایت کی آئینہ دار ہوتے ہوئے بھی دور حاضر کے لب ولہجہ، زبان وادب اور اسلوب سے ہم آہنگ ہے۔

فارسی نثر اور حضرت لطیفی

حضرت مولانا محمد ذوالفقار علی رشیدی مصباحی
پیران نگر، راسا کھوا، اتر دیناج پور، بنگال

برصغیر ہندو پاک میں اسلام کی سر بلندی اور اس کی ترویج واشاعت اور امت مسلمہ کی اصلاح وہدایت صوفیاء کرام ہی کی مرہون منت ہے۔ جنہوں نے علم وعمل اور رشد وہدایت کے انوار سے ایک جہاں کو منور اور ہزاروں گم گشتگان راہ کو راہ راست سے ہمکنار کیا۔ تشنگان علم ومعرفت کو اپنے علمی اور روحانی جام مست سے شاد کام کیا۔ جن کی آفاقی تعلیمات، روحانی کشش اور اخلاقی عظمت نے جوق در جوق لوگوں کو دامن اسلام میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا جن کی دینی، علمی، فکری، روحانی اور اصلاحی خدمات آب زر سے لکھا جائے پھر بھی کم ہے۔

رحمٰن پور تکیہ شریف بھی انہیں خانقاہی نظام کی ایک زرین کڑی کا نام ہے۔ جس خانوادہ کے نفوس قدسیہ وداعیان اسلام اور مصلحین امت دراز مدت سے اقامت دین اور اصلاح امت کا عظیم فریضہ انجام دیتے آرہے ہیں۔ جن کی رشد وہدایت اور دعوت وتبلیغ کا دائرہ سمندر کی وسعتوں کی طرح پھیلا ہوا ہے۔

ماضی قریب میں اس پر شکوہ خانقاہ کے بانی ومبانی قدوۃ العلماء، زبدۃ الفضلاء، بلند پایہ داعی ومبلغ اسلام، مسلم الثبوت روحانی پیشوا، درجنوں کتب ورسائل کے مصنف ومولف، شیخ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ ومولانا الشاہ حفیظ الدین قدس سرہ النورانی کی عظیم دینی وعلمی شخصیت گزری ہے۔ جنہوں نے پورے خلوص وللہیت سے عقائد حقہ کی ترویج واشاعت، سنیت کے تحفظ واصلاح اور تزکیہ نفس کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی اور انتھک کوششوں سے ملک کے اکناف واطراف بالخصوص کٹیہار، پورنیہ، ارریہ،

مالدہ، دیناج پور اور حالیہ بنگلہ دیش کے شہروں، قصبوں اور دیہاتوں میں مدارس و مکاتب اور خانقاہ و مساجد کا جال پھیلا دیا۔ علم و ادب اور سلوک و تصوف کی مشعلیں روشن کیں۔ اپنے پاکیزہ کردار و عمل اور صالح اقدار و روایات کی لہلہاتی فصلیں اگائیں۔ بے دینی و بدعقیدگی، بے راہ روی اور آزاد خیالی، اخلاقی گراوٹ و ذہنی پستی جیسے مذہبی، سماجی اور نفسیاتی امراض کی شکار آبادی کو رفتہ رفتہ دین و سنیت، پاکیزہ اخلاق و آداب اور صالح افکار و خیالات کا نمونہ بنا دیا۔

ولادت باسعادت: حضرت لطفی قدس سرہ کی پیدائش ۱۲۲۵ھ کی نیک ساعتوں میں اپنے آبائی گاؤں چشتی نگر، کبھریا ضلع کٹیہار بہار میں ہوئی۔ والد ماجد کا اسم گرامی شیخ حسین علی تھا۔ شیخ موصوف اپنے علاقے میں ایک دیندار اور رئیس اور بے پناہ اثر و رسوخ کے حامل معزز انسان تھے۔

تعلیم و تربیت: چشتی نگر سے قریب رسول پور گاؤں کے مدرسہ میں آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت ہوئی۔ ابتدائی فارسی و عربی درجات کی تکمیل کے بعد آپ نے فرنگی محل لکھنؤ کا رخ فرمایا۔ جہاں مدرسہ نظامیہ سے چشمہ سیال کی طرح علمی فیضان ابل رہا تھا۔ بقول نبیرہ حضرت لطفی آپ وہاں (لکھنؤ) پہنچے تو معروف محقق حضرت مولانا محمد فاروق چریا کوٹی، مشہور عاشق رسول عارف باللہ حضرت مولانا الشاہ عبدالعلیم آسی غازی پوری، شیخ وقت حضرت مولانا سید شاہ شہود الحق اصدقی بہار شریف نالندہ قدست اسرارہم جیسے ذہین و ذی استعداد اور شریف و مخلص ہمدرد سے ملے۔ آپ نے فرنگی محلی میں مدرسہ نظامیہ کے اساتذہ بالخصوص حضرت مولانا شاہ عبدالحلیم فرنگی محلی کے پاس عرصہ دراز تک زانوئے ادب تہہ کیا۔ بعدہ تکمیل تعلیم کے لئے دہلی کا سفر فرمایا اور یہاں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی الرحمۃ والرضوان کے ذیشان خاندان کے دو جلیل القدر فرزند حضرت علامہ شاہ مخصوص اللہ دہلوی اور حضرت علامہ شاہ موسیٰ دہلوی علیہما الرحمہ کی بارگاہ علم و فضل سے دستار فضیلت و سند حدیث سے نوازے گئے۔

تدریسی خدمات: تکمیل تعلیم کے بعد آپ نے درس و تدریس و تصنیف و تالیف

کے میدان میں قدم رکھا۔ مدرسہ شاہ جہاں پور یوپی، مدرسہ مجگاؤں بھاگلپور، بہار، مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام اور مدرسہ اساقت رحمت محمدیہ اسٹیٹ پورنیہ میں مسند تدریس بچھاتے گئے اور طالبان علوم دینیہ کو سیراب کرتے رہے۔ مدرسہ وخانقاہ کبیریہ سہسرام آپ کی تدریسی زندگی کے اہم پڑاؤ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس مدرسہ میں آپ نے کم وبیش بارہ سال تک بحیثیت صدر المدرسین ومہتمم خدمات انجام دیں۔

درس وتدریس کے علاوہ یہاں آپ نے کار افتاء اور تصنیف وتالیف نیز تبلیغ وارشاد کا بیش بہا کارنامہ بھی انجام دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہیں آپ کی علمی شخصیت اور بوقلمونی وجود نے اپنے حیرت انگیز کمالات وحسن واستعداد کے جلوے دکھائے۔ فارسی وعربی شعر وادب پر ایک ضخیم دیوان 'دیوان لطفی'، تصوف کے اسرار ورموز پر مشتمل 'لطائف حفظ السالکین'، درس نظامیہ کی معروف ومشہور نصابی کتاب 'میزان منطق' کی نہایت عمدہ محققانہ اور مبسوط شرح 'فوائد نوریہ' یہیں زیور تحریر سے آراستہ ہوئی۔ (ماخوذ از نامور باپ کے خطوط)

بیعت وخلافت: حضرت لطفی جب تحصیل علم سے فارغ ہوئے اور مسند تدریس بچھا کر مختلف درس گاہوں میں تشنگان علوم دینیہ کو سیراب کرنے لگے تو اچانک دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی اور نہاں خانہ قلب میں یہ شوق واضطراب کروٹیں لینے لگا کہ کسی مرشد برحق اور پیر کامل کا دامن تھاما جائے کیونکہ بقول حضرت مولانا روم علیہ الرحمہ ؎

مولوی ہرگز نہ باشد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزی نہ شد

الغرض منازل سلوک کی جادہ پیمائی کے لئے رہبر کامل کی دستگیری کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔ اس مقصد سے آپ نے بہت سی خانقاہوں اور بزرگوں کی بارگاہوں میں حاضری دی۔ مگر دل بیمار کو اپنا مسیحا کہیں نظر نہ آیا۔ آخر کار مرشد حقیقی کی سچی تلاش نے آپ کو حضرت منعم پاک، متن گھاٹ پٹنہ کی عظیم بارگاہ میں پہنچا دیا۔ آپ حضرت منعم پاک کے مزار مقدس میں مراقب ہوئے۔ قسمت نے یاوری کی صاحب مزار کی جانب سے واضح

اشارہ ہوا کہ تمہارے درد دل کی شفاء کلی وتسکین جان اور روحانی آسودگی بارگاہ عشق، متن گھاٹ میں سید الاصفیاء، سند الاتقیاء، الشاہ خواجہ لطیف علی قدس سرہ النورانی کے خم خانہ ولایت سے وابستگی میں ہے۔

اشارہ ملتے ہی آپ بارگاہ عشق کے جاروب کشوں اور بے دام غلاموں میں شامل ہو گئے۔ شیخ المشائخ حضرت خواجہ لطیف علی قدس سرہ نے آپ کی بیعت لی پھر اذکار و اشغال اور ریاضت ومجاہدہ کے اصول وضوابط بتا کر منازل سلوک وطریقت کی سنگلاخ وادیوں میں اتار دیا۔ جب قلب صیقل، روح روشن اور باطن صاف وشفاف ہو گیا تو اجازت وخلافت کی نعمت جلیلہ سے نوازے گئے۔ مسلسل بارہ سال تک مرشد کامل کی صحبت نے آپ کو ذرۂ ناچیز سے آفتاب جہاں تاب بنا دیا۔ پھر حکم مرشد پا کر آپ نے مخلوق خداوندی کی تبلیغ وارشاد اور دعوت اصلاح میں پوری عمر عزیز صرف کر دی۔

تکمیل تعلیم اور درس وتدریس کی پرخار وادیوں سے مرشد کامل کی کفش برداری تک آپ نے اپنی زندگی کی چھ دہائی بیرون وطن بسر فرمائی۔ ساتویں دہائی کے اوائل میں وطن مالوف 'رحمٰن پور تکیہ شریف' رونق افروز ہوئے۔ 'مدرسہ وخانقاہ لطیفیہ' کی بنیاد ڈالی اور ایک عظیم الشان مسجد بھی تعمیر فرمائی۔ یہاں بھی آپ نے نہایت تندہی سے تصنیف وتالیف کا کام جاری رکھا۔ متعدد علوم وفنون پر درجن بھر سے زائد کتابیں تحریر فرمائیں۔ مکتوبات لطیفی، رقعات لطیفی، جرس الغیب، بما اغنی من الکلام، تسہیل التصریف اور عجالہ نافعہ وغیرہ کتب ورسائل جو عربی وفارسی اور اردو زبانوں میں ہیں یہیں تحریر کی لڑی میں پروئے گئے۔

حضرت لطیفی نے کم وبیش دو درجن تصنیفات وتالیفات کا گنج گرانمایہ مخلوق خداوندی کی تربیت واصلاح کی خاطر منصۂ شہود پر لایا۔ اس وقت 'مکتوبات لطیفی' اور 'لطائف حفظ السالکین' میرے سامنے ہے۔ دونوں کتابوں کے مطالعہ سے یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ آپ کی تحریریں معنویت اور نصیحت کے سمندر کی حیثیت رکھتی ہیں۔ سو سالہ لمبی مدت کے باوجود ان میں وہی گہرائی وگیرائی اور عظمت واہمیت نظر آتی ہے، جو ان کی زندگی میں تھی۔ آپ کے اقوال سے زندگی وآخرت کی مکمل اور جامع تصویر ابھر کر سامنے

آجاتی ہے۔ اگر ان فرمودات پر عمل پیرا ہو کر زندگی کے مراحل طے کئے جائیں تو زندگی حسن عمل کا نمونہ بن سکتی ہے۔

حضرت لطیفی کے اقوال وافکار نے تحریری شکل میں علوم ومعرفت کے بے شمار دریچے وا کئے ہیں۔ ان تحریروں سے آپ کی علمی، ادبی، دینی، علمی اور فکری وروحانی امور سے گہری واقفیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ سلوک وتصوف کے اسرار ورموز کے ساتھ ساتھ فقہی بصیرت بھی آپ کی تحریروں میں نمایاں نظر آتی ہے۔ ادب کی خوبصورت دنیا ان نصائح آمیز مکتوبات ولطائف میں پوشیدہ دکھائی دیتی ہے۔ بزرگان دین اور سلف صالحین کے حقائق ومعانی سے لبریز کلام کی چاشنی بھی ان کی تحریر میں پورے طور پر محسوس ہوتی ہے۔ اشعار کے برمحل استعمال سے ایک صاحب دیوان شخصیت کے شعری ذوق کا پتہ چلتا ہے۔ آپ کی تحریروں کی جامعیت اور اثر آفرینی سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔

آپ کی کتابوں سے بحسن وخوبی اندازہ ہوجاتا ہے کہ آپ نے زبان وبیان کو ایک آلہ کے طور پر استعمال کیا ہے۔ اس میں تصنع وتکلف یا پیچیدگی بالکل نظر نہیں آتی۔ زبان سادہ، رواں دواں اور عام فہم ہے۔ مگر اس عام فہم زبان میں بڑی خاص باتیں کہی گئی ہیں۔ مختصر الفاظ میں طویل وپیچیدہ مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ تصوف کی باریکیاں، فلسفہ ومنطق کی گہرائیاں اور فقہ وتفسیر کی گتھیاں سلجھائی گئی ہیں۔ آپ کے مکتوبات ولطائف کو پراثر بنانے میں آپ کی مخصوص قوت بیان اور فارسی نثر پر مضبوط گرفت نے بڑا اہم کارنامہ انجام دیا ہے۔

مذکورہ بالا تاثرات کی تصدیق وتائید کے لئے "مکتوبات لطیفی" سے دو چھوٹے مکتوب مع ترجمہ قارئین کی ضیافت طبع کے لئے سپرد قرطاس ہے، ملاحظہ فرمائیں۔

"عزیز دانشور، خواجہ وحید اصغر، تاج کرامت برسر، پس از دعائے علم ومعرفت معلوم باد کہ بتقاضائے اقسام انعام، حضرت ملک علام، عشق وفرط محبت او سبحانہ تعالیٰ را بدل اندر جائے باید داد۔ ومدام بطاعت وعباعت آں جل جلالہ وعم نوالہ سر باید، نہاد، وباقتضائے، اطاعت آں جلیل الشان جب آں حبیب حب سرور جہاں راازل وجاں باید گزید وباطاعت آں، باعث ایجاد زمین وآسمان از سر باید دوید۔ بمقتضائے حب آں

حبیب غیب، حب آل واصحاب وہیر الصدق واخلاص باید ورزید۔'' الخ (از مکتوب پنجم)

ترجمہ: ''عزیز دانشور خواجہ وحید اصغر بزرگی کا تاج تیرے سر پر۔ حصول علم ومعرفت کی دعا کے بعد تمہیں معلوم ہو کہ بے پناہ نعمتوں اور نوازشوں کے تقاضے کے مطابق رب تبارک وتعالیٰ کی بے پایاں محبت کو دل میں جگہ دینا چاہئے اور اس جل جلالہ وعم نوالہ کی عبادت ومحبت کے تقاضے کے موافق حبیب کبریا کی محبت کو دل وجان سے اختیار کرنا چاہئے اور اس وجہ کن فکاں کی اطاعت میں سر کے بل دوڑ نا چاہئے۔ اسی طرح اس حبیب غیب کی محبت کے مقتضی کے مطابق آپ کی آل واصحاب کی محبت کو سچائی وراستی اور خلوص وبے لوثی کے ساتھ اختیار کرنا چاہئے۔'' (ترجمہ از نامور باپ کے خطوط دیدہ ور بیٹے کے نام)

''نیکو سیر خواجہ وحید اصغر وزیت باد علم وعمل ومعرفت وہنر، از یں بے سروپا، پس از نیک دعاء وآرزوئے لقاء، آگاہ باش ونیکو شناس کہ از حکم قضا وقدر پیش کس را مفر نیست۔ پس بندہ را بہر حالت از رنج وراحت تن برضا باید داد۔ وبہر صورت از سقم وصحت سر بطاعت وعبادت شاید نہاد وبکارے وآزارے از کسے نباید رنجید وہر گزندے کہ از خلقے برسد از حق باید دید۔ چہ نیکو وراست گفتہ اند۔ گر گزندت رسد ز خلق مرنج کہ نہ راحت رسد ز خلق نہ رنج۔ از خدا داں خلاف دشمن ودوست کہ دل ہر دو در تصرف اوست۔''

ترجمہ: ''نیک سیرت خواجہ وحید اصغر، علم وعمل اور معرفت وہنر تجھے نصیب ہو۔ اس بندۂ عاجز سے دعائے نیک اور ملاقات کی آرزو کے بعد آگاہ رہو اور خوب پہچانو کہ تقدیر کے حکم سے کسی شخص کو چارہ کار نہیں ہے۔ اس لئے بندہ کو تکلیف وآرام کی ہر حالت میں راضی رہنا چاہئے۔ اور مرض وصحیت کی ہر صورت میں عبادت وبندگی کی خاطر سر لگا رہے کسی کی تکلیف رسانی اور کسی کام کی وجہ سے رنجیدہ وغمزدہ نہیں ہونا چاہئے اور اگر تمہیں مخلوق سے کوئی تکلیف پہنچے تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جاننا چاہئے کیا ہی اچھا اور درست ارشاد ہے۔

اگر مخلوق سے تجھے کوئی تکلیف پہنچے تو رنجیدہ مت ہو، کیونکہ نہ مخلوق آرام پہنچاتی ہے نہ تکلیف۔ خداوندی تعالیٰ کی طرف سے دشمن ودوست کا اختلاف تو جان کیوں کہ دونوں کے دل اسی کے تصرف میں ہے۔'' (ترجمہ از مرجع سابق)

مندرجہ بالا دونوں مکتوب میں زبان کی سلاست وروانی، اختصار وسادگی اور حقائق ومعانی کے بیان میں جملوں کا حسن انتخاب جہاں مکتوب صدی ودوصدی کی یاد تازہ کر رہا ہے۔ وہیں فارسی نثر نگاری کے باب میں ایک حسین وخوشگوار اضافہ اور زبان وادب کی شیرینی سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

چلتے چلتے 'لطائف حفظ السالکین' کے لطیفۂ ہفتم سے ایک چھوٹا سا اقتباس نذر قارئین کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔

'چوں نقاد جواہر شریعت وقادلالی طریقت محرم اسرار خلوتکدہ محری شیخ ابوسعید مخرمی قدس سرہ در تحفۂ مرسلہ کہ از برائے تعلیم حضرت غوث الثقلین تالیف فرمودہ اند گوہر عنوان بیان تعینات ستہ وجود مطلق رابداں سادر سلک تحریر ورشتہ تقریر درکشیدہ اند کہ مزیدے برآں منصور نیست نظر بریں بدیں مختصر محقر بباش التفات نمی کنم من شاء الاطلاع علیہا فلیرجع الیہا۔

وچند طریق دیگر از اعتبارات ظہور ذات وسلسلہ فیض بقائے کائنات وامراتب توحید ذات وصفاف اندریں مختصر نگاشتہ آید کہ طالبان راطریق سلوک وانماید۔

ترجمہ: جبکہ شریعت کے جواہرات کا پرکھنے والا اور طریقت کے موتیوں کا روشن کرنے والا راز داری کے خلوت خانہ کے بھیدوں کا راز داں شیخ ابوسعید مخزومی قدس سرہ کی کتاب تحفہ مرسلہ میں جس کو حضرت غوث الثقلین کی تعلیم کے لئے تصنیف فرمائے ہیں۔ وجود مطلق کے تعینات کے چھ مرتبے کے بیان کے عنوان کے گوہر کو اس طور پر تحریر کی لڑی اور تقریر کی ڈوری میں لائے ہیں کہ اس پر زیادتی متصور نہیں ہے۔ اس لئے اس مختصر حقیر رسالہ میں اس کے بیان کی طرف التفات نہیں کرتا ہوں جو اس پر اطلاع چاہے۔ اس کتاب کی طرف رجوع کرے۔

اور دوسرے چند طریقے ذات کے ظہور کے اعتبارات کا اور موجودات کے بقاء کے فیض کے سلسلہ کا اور ذات وصفات کی توحید کے مرتبوں کا اس مختصر میں لکھا جاتا ہے تاکہ طالبوں کو سلوک کی راہ ظاہر کر کے دکھلا دے۔" (لطائف حفظ السالکین ص ۴۰، ۴۱)

پیش نظر اقتباس حسن ترتیب وترکیب، جملوں کی برجستگی، مافی الضمیر کی ادائیگی

میں زبان و بیان پر عبور و مہارت اور فارسی ادب میں حسین شہ پاروں کے اضافہ کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ بلاشبہ زبان فارسی میں تحریر کردہ حضرت لطیفی کی کتب و رسائل میں 'عرفی، بدرچہ اور شیرازی کی نثر نگاری کا جلوہ تاباں اور عکس جمیل نظر آتا ہے اور فارسی نثر پر آپ کا ید طولی نکھر کر سامنے آجاتا ہے۔

کیا ہی بہتر ہوتا کسی معروف و مشہور یونیورسٹی کے شعبہ فارسی سے حضرت لطیفی اوران کی فارسی نثر نگاری پر کوئی صاحب ذوق پی ایچ ڈی کر لیتے تو آپ کی آفاقی شخصیت اور گراں قدر کارنامے لوگوں پر واضح ہو جاتے۔ امید ہے کہ ارباب حل وعقد ضرور اس جانب توجہ فرمائیں گے۔

حضرت لطیفی اور اصلاح معاشرہ

حضرت مولانا قاضی فضل احمد مصباحی
پرنسپل ضیاء العلوم بنارس (یوپی)

زبدۃ العلماء حضرت علامہ حفیظ الدین قدس سرہ ہمارے دیار کے ایک ایسے عالم ربانی تھے جو بیک وقت جلیل القدر مفکر، بلند پایہ عالم دین، عظیم مصلح وداعی اور اچھے مصنف تھے اور سب سے بڑھ کر یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور بزرگان دین کے سچے عاشق تھے۔ آپ کی نشست وبرخاست خلوت وجلوت بلکہ ہر ہر بات اور ہر ہر ادا سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم وصلحائے امت کی آئینہ دار تھی۔ آپ اسلاف کی تصویر تھے، آپ کی مجالس و محافل میں شریعت وطریقت، عقائد و کلام سیرت وتواریخ، احقاق حق وابطال باطل، رد بدعات ومنکرات اور اصلاح معاشرہ سے متعلق علوم ومعارف کی باتیں ہوتیں۔ آپ کے مواعظ وملفوظات میں مردہ قلوب کے لئے زندگی ہے۔

حضرت لطیفی نے اگرچہ عمر عزیز کا زیادہ تر حصہ بیرون وطن طلب وحصول علم اور پھر اس کی ترویج واشاعت اور تبلیغ دین میں گزرا لیکن عمر کے آخری حصہ میں جب آپ نے وطن مالوف کی طرف مراجعت فرمائی تو اس وقت وہاں کے مذہبی حالات قدرے ناگفتہ بہ تھے، ایمان وعقیدے اور رسم ورواج کے تعلق سے لوگ اسلامیات سے بہت دور بلکہ لاشعوری پر ان کے مخالف تھے۔ چنانچہ بعض پرانے بزرگوں سے منقول ہے۔

”جب حضرت لطیفی یہاں تشریف لائے تو انہوں نے بعض دیہاتوں کے اندر دیکھا کہ پسماندہ اور نرے ان پڑھ سادہ لوح مسلمانوں کے گھروں میں یہ تمیز کرنا مشکل ہے کون سا مسلم گھرانہ ہے کون سا غیر مسلم گھرانہ کیونکہ ان مسلمان گھروں میں بھی ہندوانہ طرز وطریق پر ایک نوع کا پوجا پاٹھ ہوا کرتا تھا اور کئی رسم ورواج ان کے ڈھب پر انجام

دیے جاتے تھے۔'' (حیات لطیفی ص ۱۶)

حضرت لطیفی نے پوری تندہی کے ساتھ یہاں کے مسلمانوں میں در آئے غیر اسلامی افکار و خیالات اور خلاف شرع عادات و مراسم کی بیخ کنی کی اور ہر جگہ معاشرہ کی اصلاح، افراد کی دینی تربیت اور صالح خطوط پر ذہنوں کو ڈالنے کی قابل قدر کوششیں فرمائیں۔

بدمذہبوں سے اظہار نفرت

آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا امام مظفر کسی کے بہکاوے میں آکر تحصیل علم کی غرض سے دارالعلوم دیوبند پہنچ گئے۔ جب حضرت لطیفی کو خبر ملی تو فوراً صاحبزادے کو واپس لانے کی غرض سے روانہ ہو گئے اور وہاں جا کر ذمہ داران ادارہ سے فرمایا:

''مظفر میاں کا تمہارے ہاں (دارالعلوم) آنے پر مجھے جتنا رنج و ملال ہوا اس کے مرجانے پر اتنا رنج و ملال نہ ہوتا۔'' (حیات حفیظی ص ۲۴)

پھر جب دارالعلوم دیوبند کے ذمہ داروں نے کچھ تحریری تاثر پیش کرنے کی درخواست کی تو اجتناب کی ہر ممکن کوشش کی لیکن زیادہ اصرار ہوا تو صاف لکھ دیا۔

"ماوجدت فیکم خیرا'' اور بآواز بلند پڑھ کر بھی سنایا۔'' (بحوالہ مصدرے سابق)

اس سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت لطیفی اصلاح معاشرہ اور بدمذہبوں سے دور و نفور رہنے کی کس طرح تلقین کرتے تھے۔ خاصان خدا کی شان یہی ہے کہ وہ اظہار حق میں ذرہ برابر مرعوبیت کا شکار نہیں ہوتے۔

مدرسہ و خانقاہ کی بنیاد

یوں تو اصلاح معاشرہ کے لئے وعظ و تبلیغ ایک اچھا ذریعہ ہے لیکن مدرسہ و خانقاہ کے ذریعہ جو افراد تیار ہوتے ہیں ان کے ذریعہ اصلاح معاشرہ کا دائرہ کار وسیع اور دیرپا ہوتا ہے۔ چراغ سے چراغ جلتے ہیں۔

حضرت لطیفی نے اسی مقصد کے تحت خانقاہ کے ساتھ مدرسہ کی بھی بنیاد رکھی۔

مدرسہ مرکب ہے تین عناصر سے (۱) ارباب انتظام (۲) اساتذہ (۳) طلبہ۔ یہ تینوں عناصر درست ہوں تو مدرسہ بحسن وخوبی چلتا ہے اور اس کے نتیجہ میں ایک صالح معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ صحبت کی تاثیر ساری دنیا کو تسلیم ہے۔ آدمی جس کی صحبت میں رہتا ہے شعوری اور لاشعوری طور پر اس سے متاثر ہوتا ہے۔ بالخصوص جب عظمت وعقیدت کے ساتھ یہ صحبت ہو تو تاثیر دو آتشہ ہو جاتی ہے۔ طلبہ میں صرف اساتذہ کے اعمال ونظریات ہی موثر نہیں ہوتے۔ ان کے احوال وکیفیات بھی موثر ہوتے ہیں۔ حضرت لطیفی کے لمحات اس بات میں بھی قدم قدم پر نشان منزل اور خضر راہ تھے۔ آپ نے خود کو رضائے الٰہی اور رضائے رسالت پناہی کی جستجو میں گم کر دیا تھا۔ اس لئے آپ کے مایہ ناز تلامذہ بھی ہر لمحہ یاد الٰہی سے سرمست اور ان کا ہر قدم سنت نبوی کا پاسدار تھا۔

حضرت شاہ حفیظ الدین لطیفی

شریعت و معرفت کے حسین سنگم

حضرت مولانا محمد ساجد رضا مصباحی
استاذ جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف ضلع اوریا یوپی

زباں پہ بار الہا یہ کس کا نام آیا ہے
کہ مری نطق نے بوسے مری زباں کے لئے

جی ہاں! یہ نام ہے خطہ بہار کی ایک سدا بہار اور صد رنگ شخصیت قدوۃ العلماء، زبدۃ الفضلا حضرت علامہ شاہ محمد حفیظ الدین لطیفی برہانی قدس سرہ (متوفی ۱۳۳۳ھ) کا جنہوں نے اپنے بیکراں علمی و روحانی فیوض و برکات سے صوبہ بہار اور بنگال کے ایک وسیع خطے کو مستفیض و مستنیر کیا۔ حضرت لطیفی کی شخصیت گوناگوں اوصاف و خصوصیات کی حامل تھی۔ ایک طرف جہاں آپ علوم و فنون کے بحر بیکراں تھے تو دوسری طرف معرفت و روحانیت اور تصوف و طریقت کے رمز شناس بھی تھے۔ آپ کی کتاب زندگی کے مطالعے سے اندازہ ہوا کہ آپ نے اپنی حیات مستعار کا ایک ایک لمحہ دین متین کی تائید و نصرت اور معتقدات اہل سنت کی ترویج و اشاعت میں گزارا، علوم و فنون کا احیا اور معرفت و روحانیت کا فروغ آپ کی کتاب حیات کے ہر ہر ورق سے عیاں ہے۔ کبھی آپ فرنگی محل کے مدرسہ نظامیہ میں قد آور علما کی بارگاہ علم و ادب میں زانوے تلمذ تہہ کرتے نظر آتے ہیں تو کبھی اپنی روحانی تشنگی کی تسکین کے لئے حضرت رکن الدین عشق کی خانقاہ عشق میں مراقب ہیں۔ کبھی آپ کا علمی فیضان سہسرام میں تقسیم ہو رہا ہے تو کبھی اپنی علمی و روحانی فیوض برکات سے مشرقی بہار اور مغربی بنگال کے دور افتادہ مسلمانوں کو شاد کام فرما رہے ہیں۔ آج اس ہمہ

جہت اور صد رنگ شخصیت کے وصال کو سو سال پورے ہو رہے ہیں۔ اسی مناسبت سے ان کی بارگاہ میں شایان شان خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے عظیم الشان پیانے پر اس جشن صد سالہ کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ خانقاہ لطیفیہ رحمٰن پور کے ارباب حل وعقد کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

قدوۃ العلماء، زبدۃ الفضلا حضرت شاہ حفیظ الدین لطیفی رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۴۵ھ کو موجودہ کٹیہار کے گاؤں چشتی نگر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد اپنی علمی تشنگی کی تسکین کے لئے سرزمین علم وادب لکھنؤ پہنچے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب لکھنؤ میں فرنگی محل کا مدرسہ نظامیہ علوم وفنون کا مرکز تھا۔ اس درس گاہ علم وادب سے بڑی جلیل القدر شخصیتوں نے جنم لیا اور علم وفن کے میدان میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ اس علمی درس گاہ کے مسند تدریس پر ان دنوں عالم اجل حضرت مولانا شاہ عبدالحلیم فرنگی محلی اپنا علمی فیضان تقسیم فرما رہے ہیں۔ حضرت شاہ حفیظ الدین لطیفی بھی آپ کے تلامذہ میں شامل ہو گئے۔ یہاں حضرت لطیفی علیہ الرحمہ کے ہم درس احباب میں عاشق رسول عارف باللہ حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم آسی غازی پوری، شیخ وقت سید شاہ شہود الحق اصدقی خانقاہ اصدقیہ بہار شریف اور محقق عصر حضرت مولانا محمد فاروق چریا کوٹی (استاد شبلی نعمانی) بھی تھے۔ آپ ایک عرصے تک مدرسہ نظامیہ میں رہے اور مختلف علوم وفنون میں گہری بصیرت حاصل کی، پھر علم حدیث میں خصوصی دسترس حاصل کرنے کے لئے اپنے زمانے کے جلیل القدر محدث حضرت شاہ مخصوص اللہ دہلوی اور شاہ محمد موسیٰ دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک عرصے تک ان کی علمی بارگاہوں میں رہ کر علم حدیث میں ید طولیٰ حاصل کیا اور سند حدیث سے سرفراز کئے گئے۔

آپ نے مروجہ علوم وفنون کی تحصیل سے فراغت کے بعد تدریس کے میدان میں قدم رکھا اور ملک کے متعدد معتمد اداروں میں دانش کدوں میں علم وفن کے جوہر لٹائے اور ہزاروں طالبان علوم وفنون کی تشنگی بجھائی، جہاں بھی گئے بڑی فیاضی کے ساتھ اپنا علمی فیضان تقسیم کیا۔ شاگردوں کی ایک باوقار جماعت پیدا کی جو علم وعمل دونوں طرح کی دولت سے مالا مال تھے۔

آپ نے جن دانش کدوں کو اپنے علمی فیضان کا مرکز بنایا۔ ان میں مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ اپنے پیر مرشد حضرت شاہ خواجہ لطیف علی (متوفی ۱۲۹۹ھ) کی ایما اور مشہور صوفی شاعر حضرت مولانا حسن جان خان سہسرامی استاذ مدرسہ خانقاہ کبیریہ کے اصرار پر اس ادارے کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے سرفراز فرمایا۔ مدرسہ خانقاہ کبیریہ ان دنوں سہسرام اور نواح ومضافات میں اسلامی علوم فنون کا معیاری ادارہ سمجھا جاتا تھا، قرب وجوار اور دور دراز علاقوں کے طلبہ یہاں تحصیل علم کے لئے آتے تھے۔ آپ مدرسہ خانقاہ کبیریہ کے استاذ بھی تھے اور صدر المدرسین بھی، ادارے کی انتظامی ذمہ داریاں بھی آپ ہی کے سپرد تھیں۔ گویا ادارے کے تمام تر اختیارات اور اہم مناصب آپ کے پاس تھے۔ آپ نے ان تمام مناصب اور عہدوں کی ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام دیا۔ آپ کی بے پناہ علمی، فکری اور انتظامی صلاحیتوں سے ادارے کے معیار تعلیم اور نظم ونسق میں ترقی ہوتی گئی۔ ادارے کے چھوٹے بڑے سارے معاملات چونکہ آپ ہی سے متعلق تھے، شعبہ مالیات میں بھی جس طرح تصرف کرنا چاہتے کر سکتے تھے لیکن آپ نے حسن نظم اور پوری دیانت کے ساتھ جس طرح ادارے کے تمام شعبوں کا توازن برقرار رکھا وہ یقیناً حیرت انگیز اور غیر معمولی بات تھی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کی احتیاط پسندی کا عالم یہ تھا کہ ادارے میں رہتے ہوئے بھی آپ نے کبھی وہاں کے مطبخ کا کھانا نہیں کھایا بلکہ اپنی جیب خاص سے دال چاول وغیرہ بازار سے منگواتے اور اپنے ایک معتقد کے یہاں سے پکوا کر تناول فرمایا کرتے۔ حزم واحتیاط کی ایسی مثال آج شاید ہی کہیں مل سکے۔ خصوصاً آج کے ماحول میں مدارس کے شعبہ مالیات میں جو بے راہ رویاں پیدا ہوگئی ہیں اور نظمائے مدارس، مدارس کے اثاثوں میں جس طرح تصرف کرنے لگے ہیں وہ ایک تشویشناک مسئلہ بنتا جا رہا ہے۔ حضرت لطیفی صاحب کی حیات کا یہ باب موجودہ دور کے ارباب مدارس کے لئے تازیانہ عبرت ہے۔

سہسرام میں مدرسہ خانقاہ کبیریہ کا زمانہ تدریس حضرت لطیفی علیہ الرحمہ کے علم و فضل کی جولانیت کا زمانہ رہا ہے۔ اس ادارے میں آپ کی بافیض درس گاہ سے علوم وفنون

کے یکتائے روزگار پیدا ہوئے۔ علم فقہ وحدیث کے ماہرین کی ایک جماعت تیار ہوئی، منطق وفلسفہ کے معتبر اساتذہ جنم لئے، مصنفین کا ایک گروہ پیدا ہوا۔ ان باکمال تلامذہ میں حضرت مولانا شاہ عثمان شاہ آبادی بھی ہیں جو بعد میں مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کے منصب تدریس پر فائز ہوئے۔ آپ علم منطق وفلسفہ کے ساتھ زبردست مفسر محدث اور معتمد محقق ومصنف بھی تھے۔ آپ نے مختلف علوم پر دو درجن سے زائد کتابیں تصنیف فرمائیں۔

حضرت لطیفی علیہ الرحمہ کے تلامذہ میں ایک محترم نام حضرت مولانا فرخند علی فرحت سہسرامی کا ہے۔ آپ علم فقہ وحدیث میں یکتائے روزگار تھے۔ آپ کی علمی جولانیت کا عالم یہ تھا کہ ادق مسائل کی تحقیق کے لئے اس زمانے کے علماء وفضلا بھی آپ کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ سہسرام ہی میں مدرسہ خیریہ نظامیہ کے نام سے ایک معیاری تعلیمی ادارہ قائم فرمایا جو آج بھی اس علاقے کی علمی ضرورتوں کو پورا کر رہا ہے۔ مولانا فرخند علی فرحت سہسرامی مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے مخلص احباب میں تھے۔ ماضی قریب کے معروف خطیب اور صاحب فکر وقلم حضرت علامہ کامل سہسرامی علیہ الرحمہ آپ ہی کے صاحبزادے تھے۔ حضرت لطیفی علیہ الرحمہ کے تلامذہ کے مقام ومرتبے کے تعین کے لئے ان ہی دو شخصیتوں کا نام پیش کردینا کافی ہے۔

مدرسہ خانقاہ کبیریہ میں دوران قیام ادارے کی تمام تر ذمے داریوں کے باوجود آپ تصنیف وتالیف کے جاں گداز عمل سے بھی وابستہ رہے۔ تدریسی اور انتظامی مصروفیات نے آپ کی ذاتی علمی وتصنیفی مشغولیات میں کوئی خلل نہیں ڈالا۔ آپ کی تصانیف میں 'فوائد نوریہ' شرح میزان منطق، دیوان لطیفی اور مکتوبات لطیفی کا موخر حصہ یہیں کے دوران قیام معرض وجود میں آئی۔

آپ نے سہسرام میں تدریسی اور تصنیفی خدمات کے ساتھ دعوت وتبلیغ کا کام بھی وسیع پیمانے پر کیا۔ ادارے کے منصبی فرائض کی ادائیگی سے جو وقت بچتا اس میں قرب وجوار کی آبادیوں میں تشریف لے جاتے اور مسلمانوں کے عقائد واعمال کی اصلاح کے لئے ہر ممکن کوشش فرماتے۔ آپ نے اپنے اثر آفریں خطابات اور روحانی تصرفات کے ذریعہ

اس علاقے کی ایک بڑی آبادی کو دین وسنت کا پرزور حامی اور اسلامی شریعت کا مکمل پابند بنا دیا۔ رجہت، گیا، نالندہ وغیرہ شہر وقصبات میں آپ کی توجہات کے خاص مراکز تھے۔ ان علاقوں میں آپ کے وابستگان کی اولاد واحفاد آج بھی موجود ہیں۔

حضرت لطیفی علیہ الرحمہ والرضوان کو مختلف علوم وفنون پر یکساں مہارت تھی۔ آپ تصنیف وتالیف کا بھی اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ اس پر شاہد آپ کی وہ تصانیف ہیں جو آپ نے یادگار چھوڑیں۔ ان تصانیف کے موضوعات میں کس قدر تنوع ہے اس کا اندازہ درج ذیل فہرست سے لگایا جاسکتا ہے۔

(۱) تسہیل التصریف ۱۳۱۷ھ (۲) وسیلۃ التصریف ۱۳۱۷ھ (۳) فوائد نوریہ شرح میزان منطق (۴) جرلیس الغیب ۱۳۱۷ھ (۵) جسیر الغیب ۱۳۱۷ھ (۶) نخستین الٰہی نامہ ۱۳۱۳ھ (۷) بما اغنی من الکلام ۱۳۱۶ھ (۸) عجالہ نافعہ (۹) خطبہ دوازدہ ماہ (۷) لطائف حفیظ السالکین (۱۰) دیوان لطیفی (۱۱) مکتوبات لطیفی۔

تصنیف وتالیف کا کام کس قدر جاں گسل ہوتا ہے یہ تو وہی جانتے ہیں جو اس راہ کے مسافر ہیں۔ خصوصاً ایسے علما کے لئے جو کسی ادارے میں تدریسی ذمہ داریوں سے وابستہ ہوں لیکن حضرت شاہ حفیظ الدین لطیفی علیہ الرحمہ نے اپنی تمام تر ذمہ داریوں اور مصروفیات کے باوجود ایک درجن سے زائد گراں قدر علمی اور تحقیقی تصانیف کا ذخیرہ چھوڑا جو ان کی بے پناہ صلاحیتوں اور عظمتوں کی دلیل ہے۔

آپ کے علمی مقام ومرتبہ اور اصابت فکر کے معترف آپ کے ہم عصر علما بھی تھے۔ وہ آپ کی جرأت واستقامت اور قائدانہ صلاحیتوں کو بھی بخوبی جانتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ارباب ندوہ کی گمراہیوں کو طشت از بام کرنے کے لئے تاج الفحول علامہ عبدالقادر بدایونی اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہم نے دیگر اکابر اہل سنت کے اشتراک وتعاون سے تحریک ردندوہ کی بنیاد ڈالی اور ملک کے بڑے شہروں میں وسیع پیمانے پر تحریک کے اجلاس ہونے لگے اور مختلف علاقوں کی نمائندگی کے لئے علمائے کبار کا انتخاب شروع ہوا تو مشرقی بہار کی نمائندگی کے لئے تاج الفحول علامہ عبدالقادر بدایونی

اوراعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہما نے آپ ہی کا انتخاب فرمایا۔اس طرح آپ اس تحریک کے نمائندہ رکن بن گئے اور تمام سرگرمیوں میں اخیر تک شریک وسہیم رہے۔

درج بالا سطور میں دستیاب مواد کی روشنی میں حضرت شاہ حفیظ الدین لطیفی علیہ الرحمہ کی قد آور علمی شخصیت کا ایک سرسری جائزہ پیش کیا گیا۔آپ کی حیات مبارکہ کے مختلف گوشوں پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ جہاں آپ متعدد علوم وفنون پر گہری بصیرت رکھتے تھے وہیں تصوف روحانیت کے رموز واسرار سے بھی پوری طرح واقف تھے۔اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور مشائخ کرام کی توجہات نے آپ کو معرفت روحانیت کا محرم راز بنا دیا تھا۔تحصیل علم سے فراغت کے بعد آپ کی زندگی میں ایک انقلاب رونما ہوا۔اصلاح باطن اور روحانی تشنگی کی تسکین کے لئے کسی پیر کامل کی جستجو نے اضطرابی کیفیت پیدا کردی۔اسی شوق اضطراب میں آپ نے متعدد خانقاہوں میں حاضری دی۔پٹنہ میں منعم پاک مخدوم مشائخ حضرت شاہ منعم کے مزار پر مراقب تھے کہ غیبی اشارہ ہوا کہ تمہارے اضطراب کی تسکین اور روحانی تشنگی کی سیرابی مخدوم الاصفیا حضرت سیدنا مولانا شاہ خواجہ لطیف علی عرف شاہ میاں جان کی بارگاہ سے ہوگی۔

اشارہ غیبی کے مطابق آپ بارگاہ عشق پہنچے اور وہاں کی روحانی فضا نے آپ کے دل کی دنیا بدل ڈالی۔چند لمحوں میں آپ اس بارگاہ کے غلام بے دام ہو گئے۔حضرت سیدنا شاہ خواجہ لطیف علی قدس سرہ نے پہلے آپ کی بیعت لی پھر ریاضت ومجاہدے میں لگا دیا۔مرشد گرامی کے حکم کے مطابق مسلسل بارہ سال تک ریاضت ومجاہدہ کرتے رہے۔جب یہ دور ختم ہوا تو مرشد گرامی نے حکم دیا کہ اب مجاہدے کا دور پورا ہوا لہٰذا مخلوق میں جا کر ارشاد وہدایت کے فرائض انجام دو۔آپ نے اپنے پیر ومرشد کے حکم کی تعمیل کی اور جہاں بھی رہے دعوت وتبلیغ کے مبارک عمل سے بہر حال وابستہ رہے۔

دعوت وتبلیغ اور امت مسلمہ کے عقائد واعمال کی اصلاح صوفیہ کرام کا خاص مشغلہ رہا ہے، بلکہ تبلیغ دین اور اصلاح اعمال کا کام جس وسیع پیمانے پر صوفیہ کرام نے انجام دیا اس کی مثال کہیں اور نہیں ملتی۔ممدوح گرامی حضرت شاہ حفیظ الدین لطیفی رحمۃ اللہ علیہ

نے بھی اپنے اکابر اور اسلاف کے طرز عمل پر چلتے ہوئے تبلیغ دین کا کام وسیع پیمانے پر کیا۔ پورنیہ، کٹیہار دیناج پور آپ کی دعوت و تبلیغ کا خاص مرکز تھا۔ ان علاقوں میں ان دنوں ہندوانہ رسوم و رواج عام تھے۔ اسلام کی بنیادی عقائد سے ناواقفی نے یہاں کے مسلمانوں میں بہت سارے مشرکانہ طور طریقوں کو فروغ دیے دیا تھا۔ آپ نے ان علاقوں سے جہالت کی تاریکی کو ختم کرنے کے لئے مدارس و مکاتب کے قیام پر خصوصی توجہ دی، گاؤں، دیہات اور دور افتادہ علاقوں کا سفر کر کے بدعقیدگی کے خاتمے کے لئے ہر ممکن کوشش کی۔ آپ کی پیہم کوششوں سے یہ علاقے دین آشنا ہو گئے۔ جہالت کی تاریکی ختم ہوئی اور علم و فن کو فروغ ملا، اس سرزمین سے ماضی قریب میں علوم و فنون کے بڑے بڑے رجال پیدا ہوئے۔ بلاشبہ آج جو علم و فن کی بہاریں اور اسلامی ماحول کی برکتیں اس علاقے میں دیکھی جارہی ہیں ان میں حضرت لطفی علیہ الرحمہ کی مخلصانہ جد و جہد اور آپ کے تصوفانہ فکر و مزاج کا بڑا دخل ہے۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ حضرت لطفی علیہ الرحمہ ایک باکمال عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ خداشناس صوفی بھی تھے، تصوف سے گہری وابستگی نے آپ کے افکار و خیالات کو صوفیانہ رنگ میں رنگ دیا تھا۔ مادی اور دنیاوی چیزوں کو کبھی آپ نے اپنے فکر و خیال کا محور نہیں بنایا، فنافی الشیخ تو تھے ہی، عشق رسول کا سوز گداز بھی آپ کو وافر حصے میں ملا تھا جس سے آپ پر تصوف کا رنگ اور گہرا ہو گیا تھا۔

حضرت لطفی علیہ الرحمہ کے صوفیانہ فکر و مزاج اور علم تصوف و سلوک کے رموز اسرار پر ایک علمی تصنیف ہے۔ اس وقت میرے پیش نظر اس کا مطبوعہ نسخہ ہے جس میں اردو ترجمہ بھی شامل ہے۔ ذیل کے سطور میں آپ کے تصوفانہ فکر مزاج کی چند جھلکیاں اسی تصنیف کے حوالے سے پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ علم عمل کے بغیر بے فائدہ ہے، بلکہ حصول علم کا مقصد ہی یہ ہے کہ اس پر عمل پیرا ہو کر دنیا و آخرت کی سعادتیں حاصل کی جائیں۔ بے علم کے لئے احادیث میں سخت وعیدیں آئی ہیں۔ حضرت لطفی علیہ الرحمہ نے بھی اپنی اس کتاب کے

دوسرے لطیفے میں اسی نکتے کو موضوع سخن بنایا ہے اور نہایت اثر انگیز اسلوب میں بے عمل علما کو جھنجھوڑنے کی کوشش کی ہے۔تحریر فرماتے ہیں:

''پس جو کہ عمل کی طرف مائل نہ ہوا اور علم دراست کی تحصیل پر کفایت کرے، دنیا کے کام میں داخل ہو برے علما اور علمائے دنیا سے ہووے اور علم کی فضیلت اور قیمت اور مرتبہ کچھ نہ پہچانے اور ایسا ہی آدمی کے حق میں وارد ہوا ہے کہ بد سے بد برے علماء ہیں اور تحقیق کہ قیامت کے دن از روئے عذاب کے لوگوں کے درمیان سخت تر عذاب کا مستحق وہ عالم ہوگا جس کو خدا نے اس کے علم کے ساتھ نفع نہیں دیا اور اسی وجہ سے حضرت مخدومی سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ تفسیر جاننے والا امر دنقصان کرتا ہے کہ علم وادب کو روٹی کے عوض بیچتا ہے۔''

کوئی ولی اور صوفی مرتبہ ولایت اور تصوف تک اس وقت تک رسائی حاصل نہیں کرسکتا جب تک کہ دین کے اوامر ونواہی پر کامل طور پر عمل پیرا نہ ہو۔اولیائے کرام اور اللہ تعالیٰ کے محبوب ترین بندے فرائض و واجبات کے ساتھ سنن ومستحبات پر بھی سختی سے عمل کرتے ہیں۔ بے عمل شخص اگر ولایت کا دعویٰ کرے تو یہ سراسر دھوکہ ہے۔ ولایت کے دعویدار آج کے جاہل پیر نہیں جنہیں شرعی احکام سے کوئی سروکار نہیں ہوتا اور اپنے غیر شرعی کرتوتوں سے طریقت کو بدنام کرتے ہیں۔ان کے لئے حضرت لطیفی علیہ الرحمہ کے یہ جملے تازیانہ عبرت ہیں۔آپ تحریر فرماتے ہیں:

''ولی کے شرائط میں ایک یہ ہے کہ محفوظ ہو جیسا کہ پیغمبر کی شرط معصوم ہونا ہے، پس جس شخص پر شریعت کی طرف سے اعتراض ہو وہ فریب کھایا ہوا، دھوکہ دیا ہوا ہے۔ حضرت بایزید بسطامی اللہ تعالیٰ ان کی روح کو پاک کرے بعض ایسے مرد کی زیارت کا قصد کئے جو ولی ہونے کے ساتھ مشہور تھا پس جب اس کی مسجد میں اس کے نکلنے کا انتظار کرنے لگے۔پس وہ مرد نکلا اور قبلہ کی طرف تھوکا پس حضرت بایزید پلٹے اور اس مرد کو سلام نہ کئے اور فرمائے کہ مرد شریعت کے آداب میں ایک ادب کا محافظ نہیں تو کیوں کر اللہ تعالیٰ کے اسرار اور بھیدوں کا محافظ ہوگا۔''

سلوک، معرفت، عارف، معترف خالص تصوف کے اصطلاحات ہیں۔ صرف لغوی معنی پر اطلاع ان اصطلاحات کی تفہیم کے لئے ناکافی ہے۔ ان اصطلاحات کی صحیح تفہیم کے لئے ان کے متعدد اقسام پر بھی نظر ہونا ضروری ہے۔ حضرت لطیفی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب کے چوتھے لطیفہ میں جس حسن ترتیب اور جامعیت کے ساتھ ان تصوفانہ اصطلاحات پر روشنی ڈالی ہے وہ انہی کا حصہ ہے۔ فرماتے ہیں:

''جاننا اور پہچاننا چاہئے کہ علم و معرفت کے درمیان لوگوں نے ایک فرق رکھا ہے، یعنی مجمل کلی چیز کو جاننا اور مطلق تصور کرنے کو علم جانتے ہیں اور معائنہ و مشاہدہ کے وقت اس کی تفصیل اور جزئی صورتوں کو بغیر تردد اور تفکر کے پہچاننے کو معرفت کہتے ہیں۔ جیسا کہ علم نحو کے قوانین سے مثلاً کوئی سیکھا ہے کہ ''کل مفعول منصوب و کل فاعل مرفوع''، یعنی فعل کا ہر مفعول منصوب ہوتا ہے اور فعل کا ہر فاعل مرفوع ہوتا ہے۔ پس اگر عربی عبارت پڑھنے کے وقت عبارت کو قانون کے موافق بلا تامل پڑھے اور غلطی میں نہ پڑے تو البتہ ایسا شخص عارف ہے اور اگر پہلا مرتبہ اس عمل سے غافل رہے اور بعد سوچنے اور غور کرنے کے معلوم کرے ہرگز عارف نہیں، بلکہ معترف یعنی معرفت کا طالب ہے۔ اور اگر اس قانون کلی کے سیکھنے کے باوجود جزئیات کے اندر اس کے عمل سے بالکل غافل رہے اور کچھ دریافت نہ کرے تو بے شک جاہل ہے۔ پس اسی طرح جو شخص کہ توحید ذات اور توحید صفات کے علم سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ برحق اور فاعل مطلق سوائے ایک کے دوسرا نہیں، اور وہ خداوند عالم ہے۔ پھر اگر حوادث و مصائب کے نازل ہونے کے وقت علم کلی کے مفہوم سے غافل نہ ہو اور جب خوب پہچانے کہ یہ حادثہ اور یہ واقعہ جو سامنے آیا ہے اسی موجود برحق اور فاعل مطلق کے اثروں میں سے ایک اثر ہے تو ضرور ایسا شخص عارف ہے اور اگر تامل و غور کے بعد اس بات کو سمجھے اور پہلی نظر میں غافل رہے تو عارف نہیں، معترف ہے اور اگر بالکل بے خبر رہے اور اس کام کی حقیقت کو کچھ نہ جانے تو بیشک جاہل و بیکار و مشرک خفی ہے اور تحقیق کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

اور جاننا چاہئے کہ معرفت کے لئے چند مرتبے ہیں پہلا مرتبہ یہ ہے کہ ہر اثر کو اسی

فاعل مختار کے آثار سے معلوم کرے اور سمجھے اور کبھی بے قراری اور انکار میں نہ آوے۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ جب کسی اثر کو دیکھے اور کسی خبر کو ہوش کے کان کے ساتھ سنے خوب پہچانے کہ یہ اثر اور وہ خبر اس فاعل مختار کے فلاں اسم کے اخبار وآثار سے ظاہر آتا ہے۔ تیسرا مرتبہ یہ کہ خوب سمجھے کہ اس پروردگار کی غرض و مراد اس قسم کے کام کے ظاہر ہونے سے اس قسم کی مصلحت مقصود ہے۔ چوتھا مرتبہ ایسا ہے کہ اپنا دیکھنا اور اپنے پہچاننے کو اس خداوند کریم کے علم کے اثروں کا ایک اثر جانے اور اپنے کو علم و معرفت سے بلکہ وجود کے دائرے سے بالکل باہر اور ناچیز کرے اور اپنے کو وہمی ہستی سے چھڑا دے۔"

ارباب علم و معرفت کے صوفیہ کرام کو کئی جماعتوں اور گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔ اپنے اعمال واشغال کے مطابق ان کے لئے الگ الگ نام ہیں۔ عابد، زاہد، طالب، صوفی، مجذوب، سالک، ملامتی وغیرہ مختلف گروہ کے نام ہیں۔ حضرت شاہ حفیظ الدین لطیفی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب کے پانچویں لطیفے میں ان مراتب کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ذیل کے سطور میں آپ کی اس تفصیلی تحریر کا اجمال چند سطروں میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

حضرت لطیفی علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں کہ انسانوں کے دو گروہ ہیں ایک وہ جو بد بخت ہیں اور دوسرا وہ جو نیک بخت ہیں۔ نیک بخت افراد کے متعدد گروہ ہیں۔

۱-زاہد: وہ لوگ جو یقین کی آنکھ اور ایمان کے نور کے ساتھ آخرت کے جمال کو مشاہدہ کرتے ہیں اور دنیا کو بری صورت میں دیکھ کر اس سے بالکل رغبت کو پھیر لیتے ہیں۔

۲-فقیر: وہ لوگ جس کسی چیز کے مالک نہیں اور حساب کی آسانی کی امید پر یا عذاب کے خوف سے اور ثواب کی زیادتی کی امید پر تمام اسباب کو ترک کئے ہوئے ہیں۔

۳-خادم: وہ لوگ جو بہشت جائے قرار اور دار پائدار کے ثواب و فضیلت کے حاصل کرنے کی غرض سے خداوند کردگار کے طالبوں اور فقیروں کی خدمت کو اختیار کئے ہوئے ہیں اس طور پر جو شریعت میں ممنوع اور ناپسند نہ ہو۔

۴-عابد: وہ لوگ جو جہاں باقی کے ثواب کے پانے کے لئے ہمیشہ عبادات کو

وظیفے اور نفل طاعتوں کے اقسام پر مداومت اور ملازمت ومحنت کرتے ہیں اور کبھی سستی و کوتاہی میں نہیں آتے۔

۵-متصوفہ: وہ لوگ جو نفس کے بعض مضافات سے خلاص پائے ہیں اور صوفیوں کے بعض اوصاف اور احوال کو پائے ہیں۔ان کے احوال کے نہایات کے منتظر اور امیدوار ہیں۔

۶-ملامتی: وہ لوگ جو باوجود اس کے کہ فرائض ونوافل اور عبادات وحسنات و خیرات میں نہایت مبالغہ کرتے ہیں لیکن اخلاص کے معنی کی حفاظت اور صدق وخصوصیت کے قانون کی نگہبانی کے لئے تمام عبادات وحسنات کو مخلوق کی نگاہ سے چھپاتے ہیں اور ہمیشہ اخلاق کے معنی کی تحقیق میں کوشاں رہتے ہیں۔

میں نے اپنے اس مضمون میں اپنے محسن وکرم فرما حضرت مولانا خواجہ ساجد عالم مصباحی قبلہ کے حکم کے مطابق انہی کے فراہم کردہ مواد کی روشنی میں حضرت لطیفی صاحب کی ہمہ جہت علمی وروحانی شخصیت کے چند پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کی سعادت حاصل کی۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت لطیفی علیہ الرحمہ کے وصال کو سو سال گزر جانے کے بعد بھی آپ کی متنوع شخصیت کا صحیح تعارف نہ ہوسکا۔ یہ نہایت افسوس کی بات ہے اس میں ہم سب کی کوتاہیاں شامل ہیں۔اس کے لئے باضابطہ کام کرنے کی ضرورت ہے۔ان کی تصانیف کو نئے رنگ وآہنگ میں حواشی وتعلیقات کے ساتھ جدید اسلوب طباعت کے مطابق منظر عام پر لانا وقت کا اہم تقاضا ہے۔

مجھے خانقاہ لطیفیہ کے سعادت مند صاحبزادگان سے پوری امید ہے کہ وہ اس نکتے پر خصوصی توجہ دیں گے اور حضرت کی علمی وتصنیفی خدمات کو اجاگر کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کریں گے۔اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلائے۔ آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین و علی الہ وصحبہ اجمعین۔

حضرت لطیفی ایک عظیم مدرس

حضرت مولانا مفتی شبیر عالم مصباحی
سابق استاذ و مفتی دار العلوم رضائے مصطفیٰ دھرول گجرات

آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ میں تعلیم و تربیت اور درس و تدریس کے بے شمار مضامین وارد ہیں اور اس کی تاکید و ترغیب مختلف اسلوب و انداز میں بار بار بیان ہوئی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ علم و ہنر سیکھنا اور سکھانا انسان کی بنیادی اور اہم ترین ضرورت ہے اور دین سیکھنا اور سکھانا بڑا ہی مقدس اور بہت مبارک عمل ہے اور بہت ہی عظمت و اہمیت والا فریضہ ہے کیونکہ اس کے بغیر انسان نہ تو دنیا میں اچھی اور مطلوبہ زندگی گزار سکتا ہے اور نہ ہی آخرت میں کامیابی و کامرانی حاصل کر سکتا ہے۔ آج ہم نے جس شخصیت کو موضوع سخن بنایا ہے ان کی زندگی کا اکثر حصہ مقدس دین کے سیکھنے اور سکھانے میں گزرا ہے تو ان کی عظمت و مرتبہ کا اندازہ آپ اسی سے بخوبی لگا سکتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے ”کیا برابر ہیں جاننے والے اور انجان“ (سورہ الزمر ۳۹، الآیۃ ۹) اور جسے حکمت ملی اسے بہت بھلائی ملی۔“ (سورہ البقرہ ۲، الآیۃ ۲۶۹)، اللہ تمہارے ایمان والوں کے اور ان کے جن کو علم دیا گیا درجے بلند فرمائے گا۔“ (سورۃ المجادلہ ۵۸ الآیۃ ۱۱)۔ ارشاد معلم کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے ”علم سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ“ (بیہقی) ”معلم خیر کے لئے تمام چیزیں دعائے مغفرت کرتی ہیں“ (ترمذی)، ”لوگ اپنے پڑوسیوں کو لازماً تعلیم دیں، انہیں وعظ و نصیحت کریں، اچھی باتوں کی تلقین کریں، بری باتوں سے روکیں، اسی طرح لوگوں کو اپنے پڑوسیوں سے علم حاصل کرنا ہوگا۔ وعظ و نصیحت کو قبول کرنا ہوگا اور اپنے اندر سمجھ پیدا کرنی ہوگی ورنہ میں ان لوگوں کو بہت جلد دنیا میں سزا دوں گا۔“ (طبرانی)

صاحب تذکرہ شاہ حفیظ الدین لطیفی قدس سرہ (ولادت ۱۲۴۵ھ وفات ۱۳۳۳ھ) محاسن وکمالات کا جامع، سلوک وتصوف کا ایک شہسوار، ایک فقیہ ومفتی، محدث و مفسر، متکلم ومناظر، مصلح ومبلغ، مفکر ومحقق، شاعر وادیب، داعی ومجاہد، ومولف ومصنف اور ایک عظیم معلم مدرس تھے۔ تفسیر وحدیث، فقہ وافتا، شعر وادب، تبلیغ واشاعت، دعوت واصلاح، احقاق حق وابطال باطل، تعلیم وتربیت اور درس وتدریس میں آپ کی جو خدمات ہیں آب زر سے لکھے جانے کے لائق ہیں اور ہر ایک موضوع سخن بننے کا حقدار اور تفصیل طلب ہیں۔ لیکن سردست موضوع کی مناسبت سے آپ کی تعلیم وتربیت اور درس وتدریس سے متعلق بکھرے ہوئے جواہر پارے کو سمیٹنے کی کوشش کی جائے گی۔

تحصیل علوم ظاہری وباطنی: حضرت لطیفی نے ابتدائی تعلیم قدیم پورنیہ اور موجودہ ضلع کٹیہار کے ایک گاؤں رسول پور علاقہ سالماری میں حاصل کی۔ اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کی تکمیل کے لئے پٹنہ، ہندوستان کی مشہور ومعروف درس گاہ فرنگی محل لکھنؤ میں حضرت مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی وغیرہ اکابر اساتذہ اور دہلی میں ولی اللہی خاندان کے چشم وچراغ مولانا شاہ مخصوص اللہ اور مولانا شاہ موسیٰ علیہم الرحمہ کے حضور حاضر ہوئے اور ان کے خوان علم سے خوب سیراب ہوئے۔ ایک غیبی اشارہ سے تکیہ متن گھاٹ پٹنہ حاضر ہوکر حضرت مولانا شاہ خواجہ لطیف علی قدس سرہ (المتوفی ۱۲۹۹ء) کے دامن روحانیت وعرفانیت سے وابستہ ہوئے اور برسوں خدمت گزاری اور ریاضت ومجاہدہ کے بعد اجازت وخلافت بھی نوازے گئے۔

تدریسی خدمات: علوم متداولہ کی تکمیل کے بعد حضرت لطیفی مدرسہ فیض الغربا آرہ بہار کے مسند درس وتدریس پر فائز ہوئے اور چار سال تک علمی گوہر لٹائے۔ علاوہ ازیں شاہ جہاں پور یوپی اور پٹنہ، مجگاؤں، بھاگلپور بہار کے کئی معیاری مدارس میں تدریسی فرائض انجام دیئے۔ تدریسی خدمات میں آپ کی زندگی کا ایک قیمتی حصہ مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہسرام میں گزرا ہے۔ اٹھارہویں صدی عیسوی کے اوائل میں اس مدرسہ کا شمار مشرقی ہند کی بلند وبالا اور معیاری درس گاہوں میں ہوتا تھا اور آج بھی یہاں سے علوم دین کی ترویج

واشاعت اعلی وبالا پیمانے پر ہو رہی ہے۔

حضرت لطیفی اپنے برادر طریقت حضرت مولانا حسن جان حسن سہسرامی کی تحریک اور پیرومرشد کے ایما پر ۱۳۰۱ھ کو بحیثیت صدر مدرس مذکورہ دانش گاہ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے سرفراز فرمایا اور قلیل عرصہ میں ادارہ کی تعلیم وتربیت، درس وتدریس اور نظم ونسق میں چار چاند لگا دیا اور کیوں نہ لگتا کہ آپ کی شخصیت محبوب وموثر، دلکش اور صاحب علم وحکمت تھی، عفوو درگزر، تحمل وبرباری، خوش اخلاقی وملنساری عجز وانکساری اور ایثار وقناعت جیسی صفات سے متصف تھی۔ آپ کے اندر احساس ذمہ داری، لگن وانہماک اور دوراندیشی سے کام کرنے کا جذبہ تھا۔ آپ اعلیٰ سیرت وکردار کے حامل تھے۔ معاملہ فہمی، قوت فیصلہ اور نظم وضبط میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ مختصر یہ کہ ایک عظیم معلم ومدرس کو جن اوصاف اور کمالات کا جامع ہونا چاہئے وہ ساری صفتیں اور کمالات آپ کی ذات بابرکت میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں آپ کی درس گاہ فیض سے جس نے بھی کسب علم وفیض کیا، ان میں کوئی محدث وفقیہ ہوا کوئی مفتی ومناظر بنا، کوئی معقولات کا تاجدار ہوا تو کوئی منقولات کا اور کوئی سلوک وتصوف کا شہسوار ہوا۔

کسی بھی ایسے عظیم معلم ومدرس اور عالم وفقیہ جن کے انتقال کئے تقریباً ایک صدی ہو رہی ہو اور ان کی درس گاہ فیض سے فیضیاب ہونے والے یا ان کی علمی مجلسوں سے استفادہ کرنے والے بقید حیات نہ ہوں اور نہ ہی ان کی سوانح پر کوئی معتد بہ حصہ موادو معلومات کا موجود ہو تو ایسی شخصیت کی حیثیت کا تعین شاید یہ معلوم کر کے ہوسکتا ہیکہ ان کے اساتذہ کون کون ہیں۔ انہوں نے کہاں کہاں تدریسی خدمات انجام دیں، ان کے تلامذہ کا علمی مقام کیا ہے ان کی تحریرات وتصنیفات کتنی ہیں اور کس کس فن میں ہیں۔ انہوں نے کن کن شخصیات کے دوش بدوش ہو کر دینی، علمی اور تبلیغی واصلاحی خدمات انجام دی ہیں۔ یا انہوں نے تعلیم وتربیت، درس وتدریس اور تبلیغ واشاعت دین کے جذبہ کے تحت دینی ادارے، لائبریریاں اور اشاعتی ادارے قائم کی ہوں یا ان کی طرف منسوب ہو۔ اس خصوص میں جب ہم حضرت لطیفی کی زندگی پر ایک نگاہ ڈالتے ہیں تو وہ ہمیں تابناک نظر آتی

ہے۔گزشتہ تحریر میں حضرت لطیفی کے چند اجلہ اساتذہ کرام اور تدریسی مقامات وخدمات کو تو آپ نے ملاحظہ فرمایا ہی لیا اب چند تلامذۂ کرام کو بھی ملاحظہ فرمالیں۔

تلامذہ کرام

حضرت لطیفی کے تلامذہ کی فہرست تو لمبی ہونی چاہئے مگر شومی قسمت کہ جس طرح خود آپ کی زندگی کے بہت سارے گوشے گم گشتہ ہیں اسی طرح آپ کے تلامذہ کی فہرست اور حالات زندگی گمنامی کے شکار ہیں۔ بھلا ہو میرے محسن، کرم فرما، مربی اور مشفق استاد حضرت لطیفی ہی کے خانوادے کے چشم وچراغ حضرت مولانا شاہ خواجہ ساجد عالم مصباحی دامت برکاتہ القدسیہ کا کہ انہوں نے حق نمک ادا کرتے ہوئے آپ کی اور آپ کے تلامذہ کی زندگی پر پڑے ہوئے دبیز پردہ کو ہٹانے کی انتھک کوششیں کی ہیں اور کر رہے ہیں۔ خواجہ صاحب اپنے جد اعلیٰ کے تلامذہ کے بارے میں رقمطراز ہیں:

''مایہ ناز وقابل فخر شاگرد وتلامذہ کارواں در کارواں نکلے اور ملک وبیرون ملک بساط علوم وفنون میں اپنا اپنا سکہ جما گئے۔ان کی طویل فہرست بروقت دستیاب نہ ہوسکی، البتہ مشاہیر وقابل ذکر ہستیوں میں حضرت مولانا فرخند علی فرحت سہسرامی بانی دار العلوم خیریہ نظامیہ سہسرام اور حضرت علامہ محمد عثمان شاہ آبادی سابق مدرس اول مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کے اسمائے گرامی لئے جاسکتے ہیں۔موخر الذکر ذات کو معقولات اور منقولات میں یکساں دسترس حاصل تھی۔انہوں نے صرف فن معقولات کی مطول کتابوں پر نوادق ومعرکۃ الآرا شرحیں بزبان عربی تصنیف کیں۔تقریباً ایک صدی پیشتر انہوں نے مکۃ المکرمہ سے اپنے استاذ مکرم حضرت لطیفی کی خدمت میں جو دو تصنیفیں مسمی ''الکتاب المستبین فی شرح الافق المبین'' اور ''الجزء الاول فی الوجود الرابطی من الافادات المنیقۃ فی المباحث اللطیفیہ'' ارسال کی ہیں۔ان سے حضرت موصوف کے تبحر علمی اور مبلغ فکر ونظر کا اندازہ ہوتا ہے۔(حیات لطیفی ص۱۴-۱۵)

تصنیفات وتالیفات

ایک کامل مدرس ومعلم جس میں تبلیغ دین کا جذبہ ہو وہ جہاں درس گاہ میں تلامذہ کو تعلیم وتدریس کے ذریعہ دین کا سپاہی بنانے کی کوشش کرتے ہیں وہیں وہ علمی امانت کو تحریرات وتصنیفات میں منتقل کرکے امت مسلمہ کی دعوت واصلاح کا فریضہ بھی انجام دیتے ہیں۔ حضرت لطفی نے بھی اس باب میں اہم یادگار چھوڑی ہیں۔ مگر آپ کی ساری تصانیف کو زیور طباعت سے مزین کرکے اہل خاندان خصوصاً اور پوری جماعت عموماً اب تک حق احسان ادا نہ کرسکے ہیں۔ چند تصنیفات مطبوعہ وغیر مطبوعہ کی زیارت احقر راقم الحروف نے بھی استاذی المکرّم خواجہ صاحب کے توسط سے کی ہے۔ آپ کی تحریرات کچھ اس طرح ہیں۔ (۱) ''دیوان لطفی'' اس میں حمد ومناجات نعت ومنقبت اور قصیدے زیادہ تر فارسی زبان میں ہیں۔ اور کچھ عربی میں اور چند کلام اردو زبان میں ہے۔ یہ دیوان کل ۱۶۵ صفحات پر مشتمل مطبوعہ ہے مگر نایاب ہے۔ بار دیگر تحقیق وتہذیب کے بعد اشاعت کی ضرورت ہے۔ (۲) ''لطائف حفظ السالکین'' تصوف وسلوک کے اسرار ورموز پر مشتمل بزبان فارسی مع ترجمہ اردو ۱۹۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ ایک بار طباعت ہوئی بار دیگر طباعت کی منتظر ہے۔ (۳) 'مکتوبات لطفی' یہ چوالیس مکتوبات پر مشتمل ہے جنہیں آپ نے شاگرد، خلفاء اور مریدین وابستگان کو لکھا ہے۔ ۸۰ صفحات پر محیط فارسی زبان میں ہے۔ مطبوعہ ہے مگر نایاب ہے۔ چند مہینہ پیشتر استاذی المکرّم مولانا شاہ خواجہ ساجد علالم مصباحی مدظلہ العالی نے چنندہ مکتوبات کا اردو ترجمہ شائع کیا ہے۔ علاوہ ازیں درج ذیل کتب ورسائل مختلف عناوین پر ہیں۔ (۴) تسہیل التصریف (۵) جرلیس الغیب (۶) جسیر الغیب (۷) وسیلۃ التصریف (۸) نختین الٰہی نامہ (۹) خذہ بجد (۱۰) بما اغنی من الکلام (۱۱) رقعات لطفی (۱۲) فوائد نوریہ۔

حضرت لطفی کے چند احباب ومتعلقین

حضرت لطفی نے جن شخصیات کے دوش بدوش ہوکر دعوت وتبلیغ، ردوہابیت و

دیوبندیت اور رد تحریک ندوہ وغیرہ کے فرائض انجام دئے ہیں ان میں سے کوئی وقت کا عظیم مجدد ہے تو کوئی عظیم متکلم ومناظر، کوئی محدث ومفسر ہے تو کوئی فقیہ ومفتی، کوئی سلوک وتصوف کا عظیم شہسوار ہے تو کوئی زاہد کامل اور مرد قلندر، کوئی داعی ومبلغ ہے تو کوئی تقدس وناموس رسالت کا عظیم پاسبان ان کا اندازہ آپ درج ذیل ناموں سے کر سکتے ہیں۔

(۱) مجدد اعظم امام احمد رضا بریلوی (المتوفی ۱۳۴۰ھ (۲) مولانا شاہ خواجہ امجد حسین ولد شاہ خواجہ لطیف علی متن گھاٹ پٹنہ (۳) مولانا حسن جان خان سہسرامی (المتوفی ۱۳۳۴ھ) (۴) مولانا شاہ سید شہود الحق اصدقی بہار شریف (المتوفی ۱۳۳۱ھ) (۵) مولانا سید شاہ عبد الغنی سہسرامی (المتوفی ۱۳۳۸ھ) (٦) مولانا قاضی عبد الوحید فردوسی پٹنہ (متوفی ۱۳۲٦ھ) (۷) علامہ قادر بخش سہسرامی (المتوفی ۱۳۳۷ھ) (۸) مولانا شاہ ملیح الدین کبیری سہسرامی (المتوفی ۱۳۵۰ھ)

حضرت لطیفی نے تو مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کے ساتھ مختلف مواقع ومراحل میں اہلسنت وجماعت کی پاسبانی کا حق ادا کیا ہے۔ اختصار کے پیش نظر صرف یہاں مجدد اعظم کی سرپرستی میں رد ندوہ کی تحریک بنام ''تحریک جدوہ'' کا تذکرہ کرنا چاہوں گا اس میں حضرت لطیفی کا کیا کردار رہا، آپ اس کی ایک جھلک مولانا شاہ خواجہ ساجد عالم مصباحی کی زبانی ملاحظہ فرمائیں۔

''ملک گیر سطح پر بڑے بڑے مرکزی شہروں پٹنہ، کلکتہ، بنگلور، مدراس وغیرہ میں عظیم الشان وتاریخ ساز جلسے وکانفرنسیں ہوئیں۔ پٹنہ میں ہفت روزہ اجلاس منعقد ہوا جو ۵ تا ۱۱ رجب المرجب ۱۳۱۸ھ کی تاریخوں میں تھا۔ اس میں ملک بھر کے ۳۱۳ چیدہ چیدہ اعاظم علماء ومشائخ کرام مدعو کئے گئے۔ مشرقی بہار کی نمائندگی کے لئے محب الرسول تاج الفحول مولانا حضرت عبد القادر بدایونی اور اعلیٰ حضرت محدث بریلوی نے حضرت لطیفی کا انتخاب فرمایا اور دعوت شمولیت وشرکت دی۔ حضرت لطیفی شرکت کے لئے پٹنہ تشریف لے گئے اور اجلاس کی ساری کارروائیوں اور سرگرمیوں میں نمایاں حیثیت سے اختتام تک شریک رہے۔ پھر آپ یہاں سے کاروان جدوہ کا مستقل حصہ بن گئے اور مدراس کے آخری

اجلاس تحریک منعقدہ ۱۹۲۰ء تک متحرک وفعال ہو کر شریک رہے۔'' (حیات حفیظی، ص ۲۳)

تعلیمی وتدریسی ادارے کا قیام

حضرت لطیفی کا وطن مالوف اگر چہ قدیم پورنیہ موجودہ ضلع کٹیہار میں کنہریا (اعظم نگر ریلوے اسٹیشن سے تقریباً ۳ کلومیٹر جانب مغرب میں ایک گاؤں ہے) تھا لیکن ۸۸ سالہ زندگی میں سے آپ نے تقریباً ۵۰ سال پٹنہ، لکھنؤ، دہلی، آرہ بھاگل پور اور سہسرام وغیرہ میں علوم ظاہری وباطنی کی تکمیل اور پھر تعلیم وتربیت، درس وتدریس، دعوت واصلاح اور تبلیغ واشاعت وغیرہ دینی فرائض میں گزارا۔ ۱۸۹۲ء میں آپ سہسرام سے جائے پیدائش کنہریا تشریف لائے، پھر بعض نامساعد حالات کی بنا پر کنہریا چھوڑ کر نیازمندوں کی گزارش پر رحمٰن پور قدم رنجہ ہوئے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے۔

حضرت لطیفی جب یہاں تشریف لائے تو دیکھا کہ یہاں کے حالات ناگفتہ ہیں، گمرہی وضلالت اور لاعلمی وجہالت کے دلدل میں پورا علاقہ دھنسا ہوا ہے۔ لوگ دین کی بنیادی باتوں سے ناآشنا ہیں، بعض نادان وان پڑھ تو اپنے گھروں میں مورتیاں رکھ کر اس کی پوجا کر رہے ہیں۔ ترقی وخوشحالی اور صحت وتندرستی کے لئے غیر مسلموں کی طرح بنام سات پیڑھی، رقص وسرود کی محفلیں سجا رہے ہیں۔ اسی طرح کی درجنوں برائیاں انجام دی جاتی تھیں اور عام لوگ ہندوانہ طرز وطریق، رسم ورواج اور وضع قطع میں زندگی بسر کرتے تھے۔ حضرت لطیفی نے محسوس کیا کہ ان کی اصلاح اور انہیں اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لئے ایک اصلاحی، تعلیمی اور تدریسی قلعہ کی ضرورت ہے۔ لہٰذا آپ نے اس کو حتمی شکل دیا اور ''مدرسہ خانقاہ لطیفیہ'' قائم کیا۔ اور الحمد للہ چند ہی برسوں میں آپ کی محنت ومشقت سے علمی وتدریسی ملکہ، علم وحکمت، ایثار وقناعت، ہمدردی ودلسوزی اور جذبہ دعوت واصلاح رنگ لائی اور باصلاحیت شاگردوں، واعظوں، مبلغوں، داعیوں، مصلحوں اور اور خلفاء کی ایک ٹیم تیار ہو گئی اور قصبہ قصبہ، قریہ قریہ اور شہر شہر وعظ ونصیحت، تقریر وخطابت کے ذریعہ رشد وہدایت اور دعوت واصلاح کا عمل اتنی تیزی سے انجام پایا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں

مسموم و مریض اور بھیانک منظر نامے کی کایا پلٹ دی۔

رحمٰن پور میں قیام مدرسہ کے دوران محمد یہ اسٹیٹ پورنیہ میں بھی آپ نے ایک مدرسہ بنام 'اساقت رحمت'' قائم فرمایا، علاوہ ازیں جا بجا گاؤں، قصبہ اور شہر میں مکاتب و مدارس کی شمعیں روشن کیں۔ آج حضرت لطفی ہمارے بیچ اپنی ظاہری حیات میں نہیں ہیں لیکن آپ کی روحانی فیض جاری وساری ہے اور آپ کی روحانی وعلمی یادگار خانقاہ، مدرسہ، مسجد، دارالافتاء، دارالقضا، لائبریری اور آپ کے خانوادے کے علمی وروحانی چشم وچراغ مولانا شاہ خواجہ شمس العالم، مفتی شاہ خواجہ نیر عالم، مولانا شاہ خواجہ نور عالم، شاہ خواجہ فرہاد عالم اور مولانا شاہ خواجہ ساجد عالم مصباحی وغیرہ سے مشرقی بہار اور مغربی بنگال کے ہزاروں تشنگان علوم ظاہری و باطنی فیضیاب ہو رہے ہیں اور ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت تک فیضاب ہوتے رہیں گے اور الحمدللہ فقیر راقم الحروف بھی اسی دانش گاہ لطفی کا پروردہ ہے۔

باب سوم

عقائد وخیالات

عناوین | شرکاء | صفحات

حضرت لطیفی کی شخصیت

حق وناحق کے مابین خط امتیاز تھی

فقیہ النفس مناظر اہلسنّت حضرت مفتی مطیع الرحمٰن مضطر رضوی

بانی وسربراہ جامعہ نوریہ، شام پور، رائے گنج بنگال

’جشن صد سالہ‘ کے اس تاریخ ساز یادگار موقع پر میری حاضری وشرکت اس لئے ضروری تھی کہ ’’صاحبِ جشن‘‘، یعنی قدوۃ العلماء زبدۃ الفضلاء حضرت مولانا شاہ حفیظ الدین لطیفی کی ذات بابرکت جماعت اہلسنّت کے حق میں جہاں ایک مشترکہ علمی وروحانی اثاثہ وسرمایہ ہے، محسن وپیشوا ہے، امیر ومقتدا ہے وہیں اس دیار پر بہار کے لئے ایک صدی قبل کے صالح عقائد ومتوارث نظریات کے حوالے سے وہ معیار بھی ہے جس سے خوش عقیدگی و بدعقیدگی کے مابین خط امتیاز کھینچا جاتا تھا۔ کون سنی ہے اور کون بدعتی ہے؟ کون بریلوی ہے اور کون دیوبندی ہے؟ مسلک اعلیٰ حضرت کا کون داعی ہے اور کون کس طرح کا باغی ہے؟ اس رخ سے آپ کی ہی ہستی سراپا عشق ومشتی خراد کے طور پر جانی پہچانی جاتی تھی اور حق وناحق کے درمیان تفریق کا عمل انجام پاتا تھا۔ اگر یہاں کے صاحبزادگان پر بار خاطر نہ ہو تو دوٹوک لفظوں میں کہوں کہ یہ سبھی ’حضرت ممدوح کے نام پر ایک مدت دراز تک اپنی اپنی دنیا بھی کماتے آرہے ہیں اور ان ہی کی نسبت کے طفیل عوام وخواص میں قابل احترام سمجھے جاتے ہیں لیکن حضرت ممدوح سے اس فقیر اور دیگر افراد واصحاب اہلسنّت کا رشتہ خالصتاً لوجہ اللہ ہے اور صرف اور صرف دینی وجماعتی بنیاد پر ہے۔ وہ بنیاد یہ ہے کہ حضرت لطیفی اہلسنّت والجماعت کے مسلم الثبوت محسن وپیشوا تھے، رہبر ورہنما تھے، میر قافلہ وسالار کارواں تھے۔

اس صد سالہ تقریب میں مجھے دعوت دی گئی اور یہاں کے احباب ومخلصین نے

بے حد اصرار بھی کیا۔ اس لئے بندہ حاضر آیا ہے اور ابھی آپ جملہ سامعین حضرات سے مخاطب ہے۔ آج کی اس خوشگوار شب اور پر کیف ماحول میں مجھے وہ ایام یاد آرہے ہیں کہ جب حضرت مولانا شاہ حفیظ الدین لطیفی علیہ الرحمہ والرضوان کی قائم کردہ خانقاہ اور مدرسہ لطیفیہ کے سر پر خطرات کے بادل منڈلا رہے تھے۔ ہر چہار سو خوف و دہشت نے پاؤں پسار رکھے تھے۔ اندیشوں وخدشوں کے جراثیم نے پورے ماحول کو اپنی گرفت میں لے رکھا تھا۔ قریب تھا کہ سنیت کی یہ کشتی ڈگمگا جاتی، تھپیڑے اسے اپنی زد میں لے لیتے اور کوئی خلاف امید واقعہ ظہور پذیر ہو جاتا۔ تاریخ کے اس نازک موڑ پر سیمانچل کے (یعنی کٹیہار، پورنیہ، کشنج گنج، اررریہ) تمام علماء وفضلائے اہلسنّت والجماعت اس منظر نامے سے بے چین و بے قرار ہو اٹھے۔ مسلک اعلیٰ حضرت کے درد اور دین وایمان کی غیرت وحمیت نے مجبور کیا کہ میدان عمل میں اتر آئیں اور خانقاہ ومدرسہ لطیفیہ کے سر پر منڈلاتے بادل اور اندیشوں وخدشات کے روح فرسا مناظر سے اسے نجات دلائیں۔

یہ خطرات کے بادل باطل عقائد کے نام پر تھے، غلط وفاسد نظریات کے نام پر تھے۔ اسلام ومزاج شریعت کے خلاف افکار کے نام پر تھے۔ المیہ کی بات تو یہ ہے کہ خطرات وخدشات کی یہ گھٹا کہیں بیرون خانہ سے در اندازی کے لئے پر تول نہیں رہی تھی بلکہ یہ سب کچھ اندرون خانہ کی بات تھی۔ بقول کسے

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

حضرت لطیفی ہی کا ایک ناخلف ونامراد پوتا تھا جس نے اس دینی وروحانی مرکز کو دیوبندیت وبدمذہبیت کے تیر وکمان سے شکار کرنا چاہا تھا، دیوبندیت کا اژدہا بن کر اس سنیت کے گڑھ کو نگلنے پر کمربستہ تھا۔ ان دنوں میں وطن مالوف سے باہر ادارۂ شرعیہ بہار سلطان گنج پٹنہ میں مقیم تھا اور دار القضا ودار الافتاء کے منصب صدارت کی ذمہ داری نبھارہا تھا۔ کثرت کار وہجوم افکار سے ہمہ وقت گھرا رہتا تھا لیکن علاقائی دردمند وذی ہوش علماء وعمائدین نے خطوط ومراسلات اور براہ راست ملاقاتوں کے ذریعے اتنا مجبور کر دیا کہ مجھے

بالآخر ادارہ شرعیہ کو الوداع کہنا پڑا۔ اور دین وسنیت کے تحفظ وبقا کی خاطر یہاں خانقاہ ومدرسہ لطیفیہ رحمن پور میں فروکش ہونا پڑا۔ فقیر کے آتے ہی یہاں کا ماحول اور فضا تبدیل ہونے لگی۔ خطرات کے بادل روپوش ہونے لگے۔ الحمدللہ اندیشوں اور خدشات کے جراثیم فنا ہونے لگے، بلاشبہ یہ رب قدیر کے نظام قدرت کا کرشمہ تھا اور پیغمبر برحق رسول کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معجزہ تھا، اکابر دین متین کی کرامتیں تھیں، بزرگان ملت و صالحین امت کی نوازشیں تھیں اور بندہ حقیر کی مخلصانہ جہد پیہم وعزم محکم کے نتائج وثمرات تھے۔اس تاریخ ساز اعتقادی ونظریاتی نزاع واختلاف کو فرو کرنے میں یہیں چار سال بیت گئے، اس کے بعد سیمانچل کے اس مرکز روحانیت کا رخ روشن اور زیادہ تاباں اور درخشاں نظر آنے لگا۔ فالحمدللہ علی ذالک شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم۔

واضح رہے کہ حضرت لطیفی علیہ الرحمہ والرضوان کی بنائی ہوئی خانقاہ ومدرسہ لطیفیہ کے تعلق سے اس تاریخی معرکہ آرائی میں مخالف نے ہر طرح کے داؤ پیچ کا استعمال کیا۔ علمی وقلمی، بحث ومباحثہ، تکرار ومناظرہ اور قانونی وعدالتی چارہ جوئی وغیرہ۔ مگر بحمدہ تعالیٰ بندہ ہر محاذ پر کامیاب وسرخرو ہوا۔ یہاں یہ بات ذہن نشیں رہے کہ فقیر کا مدمقابل دیوبندی مکتب فکر کے ایک جگاذری ملا سے تھا جو بزعم خویش علوم عقلیہ ونقلیہ کا شناور و ماہر تھا۔ دسیوں کتب ورسائل کا مولف ومصنف تھا، پچاسوں علمی ادبی مضامین کا تخلیق کار تھا، اپنی جماعت میں مقامی طور پر اتنا بڑا عالم وفاضل تھا کہ اس جماعت میں دور دور تک اس کا کوئی ہم پلہ وہمسر موجود نہ تھا۔ دیوبندی مکتب فکر کی خوش گمانی وخوش فہمی کے مطابق وہ علمی وفکری میدان کا ایسا رستم زمانہ وسہراب وقت تھا جس سے پنگا لینا کسی کے بس کا روگ نہ تھا۔ مگر قربان جائے مجدد اعظم اعلیٰ حضرت سیدنا امام احمد رضا محدث بریلوی کی عطا اور حضور مفتی اعظم ہند کی نوازش پر کہ جب جب اور جہاں جہاں اور جس جس طرح وہ جگاذری مولوی اور اس کے شرکائے کار روبرو ہوئے آنکھ سے آنکھ ملانے کی جرأت نہ ہوئی۔ ہر گام اور ہر منزل پر منہ کی کھانی پڑی اور سربازار رسوائی وذلت کا سامنا کرنا پڑا۔

یہاں ایک بات پھر عرض کردوں کہ حالانکہ اس سے قبل اولین جلسہ دستار بندی

منعقدہ ۱۹۹۸ء میں اس کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضرت لطیفی مجدد اعظم اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا محدث بریلوی کے جہاں ہم عصر و ہم فکر تھے وہیں آپ کی عہد آفریں ہمالیائی شخصیت کے رفقائے کار و سراپا مخلصین میں بھی تھے۔ تحریک ردندوہ کے جلسہ عام منعقدہ ۱۳۱۸ھ بمقام پٹنہ میں مشرقی بہار کی نمائندگی کے لئے آپ کا نام نامی اسم گرامی ہی منتخب ہوا تھا۔ نتیجتاً حضرت لطیفی نے ایثار و اخلاص کا پیکر مجسم بن کر اس میں شرکت فرمائی تھی اور ہر گام پر بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ معلوم ہو کہ یہی وہ اجلاس عام تھا جس میں علمائے ملت و مشائخین طریقت نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی کے مجدد ہونے پر اعلان و اظہار فرمایا تھا۔ آپ کے اس شرعی منصب کے معترفین میں اوروں کے ساتھ ساتھ حضرت لطیفی بھی تھے۔

مدرسہ و خانقاہ لطیفیہ کے اولین جلسہ دستار بندی منعقدہ ۱۹۹۸ء کے اس سابقہ انکشاف حقیقت کی طرح اب کی بار بھی اس جشن صد سالہ کے یادگار و مبارک موقع پر ایک اور تاریخی امر واقعہ کو بے نقاب کرنے جا رہا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ حضرت لطیفی جب شاہجہاں پور یوپی کی کسی قدیم درس گاہ میں درس و تدریس کے فرائض انجام دے رہے تھے تو علمی مباحث اور دقیق و مغلق مسائل پر تبادلہ خیال کی خاطر وقفہ وقفہ سے آپ بریلی شریف اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ اس طرح ان دونوں ملکوتی صفت بزرگوں کے مابین خوشگوار ربط و تعلق کا سراغ ملتا ہے اور حضرت لطیفی کے تعلق سے عقائد و نظریات کو لے کر شرپسند عناصر کے شور و غوغا کا بھانڈہ بھی پھوٹتا ہے کہ حضرت لطیفی کسی ملا قاسم نانوتوی اور ملا رشید احمد گنگوہی کے طرفدار اور نعوذ باللہ ان کے زہریلے خیالات و اعتقادات کے مقر و معترف تھے بلکہ سچ یہ ہے کہ آپ کی ذات ستودہ صفات بھی اعلیٰ حضرت و دیگر اساطین اہلسنت والجماعت کی طرح ان مذکورہ بالا گمراہ گروں اور اعیان دیوبند کے لئے کسی سم قاتل سے کم نہ تھے۔ میرے اس دعوے پر جہاں حضرت لطیفی کی کتب و رسائل کی روشن عبارتیں گواہ ہیں۔ وہیں میری تحقیق کے نتیجے میں حاصل شدہ حقائق و واقعات بھی ٹھوس ثبوت و شواہد کے طور پر ہیں جن کا میں موقع بموقع تذکرہ کرتا رہتا ہوں۔“

نوٹ: زیرِ نظر تحریر حضرت مفتی صاحب قبلہ مدظلہ العالی کی تخلیق کردہ کوئی مستقل مضمون کے طور پر نہیں ہے بلکہ جشن صد سالہ منعقدہ ۲۲/اپریل ۲۰۱۲ء مطابق ۳۰/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ کے اجلاس عام میں وقوع پذیر آپ کی تقریر منیر کے بعض اقتباسات کی تلخیصیں ہیں جو کافی دلچسپ، معلوماتی اور چشم کشا ہیں۔ ہیچمداں نے اپنی کج مج تحریر میں اسے ایک مستقل مقالہ کی شکل دی ہے اور اسے 'عرفان حفیظ' کا ایک حصہ بنایا ہے۔اس میں تقاضہ بشری کے تحت جو کچھ بھی علمی وفنی، لسانی وادبی وغیرہ وغیرہ نقص وخامی اگر جگہ پائی ہے تو ان باتوں کا انتساب ہیچمداں کی طرف کریں۔ حضرت مفتی صاحب قبلہ کا دامن ان امور سے بری و پاک ہے۔

محرر ومرتب:

مولانا نوشاد عالم فیضی تلیاباڑی، اتر دیناج پور، بنگال، مقیم حال محمد علی روڈ ممبئی

حضرت شاہ حفیظ الدین کا مسلک

حضرت علامہ مولانا محمد اعجاز اصغر نوری
استاذ وصدر دار الافتاء جامعہ لطیفیہ بحر العلوم عملہ ٹولہ کٹیہار، بہار

علماء و بعض واقفین کو معلوم ہے کہ ایک مدت دراز سے لے کر آج تک ہمارا حریف حضرت مولانا شاہ حفیظ الدین لطیفی ابو العلائی کی مسلکی و اعتقادی حیثیت کو لے کر کس طرح کی سازش و چالبازی میں ملوث ہے اور حضرت کی نظریاتی شبیہ کو مسخ کرنے میں جاں توڑ سعی و عمل میں مبتلا ہے اس حوالے سے مضامین لکھے گئے، اشتہارات کا سہارا لیا گیا۔ ان پر بھی تسلی نہ ہوئی تو باقاعدہ کتابیں منظر عام پر آئیں۔ (۱) حضرت مولانا شاہ حفیظ الدین لطیفی ایک تعارف (۲) ''حیات عابد'' ان میں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان ہی باتوں کے تناظر میں فقیہ العصر نباض زمانہ قائد اہلسنّت حضرت علامہ مولانا مفتی اعجاز اصغر نوری صدر دار الافتاء جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کٹیہار نے یہ عظیم الشان مقالہ رقم فرمایا ہے اور بیک وقت ایک تیر سے دو شکار کیا ہے۔ حضرت مفتی صاحب قبلہ نے حریف ٹولی کی دونوں بدنام زمانہ کتابوں کا تحلیل و تجزیہ کر کے دنداں شکن جواب دیا ہے جواب بھی اس پائے کا ہے کہ حریف جماعت کے لئے ''نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن'' والی کیفیت ہوگئی ہے۔ بہر کیف! پورا مقالہ سنجیدگی سے پڑھیں اور حقائق سے روشناس ہوتے ہوئے حضرت موصوف کے حق میں دعائے خیر فرمائیں۔ ا خ س ع مصباحی لطیفی

''جنگل میں منگل'' کا محاورہ بالکل صحیح ہے۔ آج سے سو سال قبل دیہی علاقے میں ناخواندہ لوگوں کی کثرت تھی۔ عمومی طور پر لوگ دولت و ثروت اور مال و منال کی حرص و طمع میں غرق رہا کرتے تھے۔ مذہبی تعلیم یافتگان شاذ و نادر ہوا کرتے تھے۔ اتفاقاً جو مخصوصین تھے بھی ان کی قدر شناسی و عزت افزائی عنقا تھی۔ صاحب علم و حکمت شاہ حفیظ

الدین علیہ الرحمہ کی ہمالیائی شخصیت بھی اس المیئے سے دوچار ہوئی۔ جس کا ناخوشگوار نتیجہ یہ ہے کہ مکمل ایک صدی بیت جانے کے باوجود آج آپ کی مقتدر ہستی خود اپنے وطن میں اجنبی ہے۔ آپ کے روحانی مدارج اور دیگر علمی و قلمی، دعوتی و تبلیغی خدمات و کارنامے سے عوام تو خیر سے اہل علم تک ناواقف و بے خبر ہیں۔ نام حفیظ الدین شاہ کا لفظ راہ سلوک طے کرنے کی وجہ سے جڑ گیا۔ زہد و تقویٰ میں یکتائے زمانہ تھے۔ اس لئے ''بحر ولایت'' کا گوہر آبدار'' بھی لکھا جانے لگا۔ علم و فضل میں وحید عصر تھے اس لئے ''زبدۃ الفقہاء'' سے موسوم ہونے لگے۔ عابد شب زندہ دار تھے تو ''سراج السالکین'' کے لقب سے دل کی دھڑکنوں میں شامل ہو گئے۔ حقیقی طور پر شریعت کے رمز شناس تھے۔ اس لئے عام و خاص کے ہونٹوں پر ''مظہر انوار شریعت'' کی تعبیر رقص کرنے لگی۔ معرفت الٰہی کے شناور تھے تو نوک قلم سے عارف باللہ کا خطاب صفحۂ قرطاس پر چمکنے ودمکنے لگا۔ اگر سارے خطابات و القابات نام کے ساتھ جوڑ دئے جائیں تو عقیدت مندوں کا حق ادا ہو جائے گا۔ مگر متعصب ذہن و فکر کے مالک کو یہ شعر کیوں چین سے جینے دے گا۔

خوب چمن میں آب پاشی کا طریقہ دیکھا
ہر شاخ پہ پھول مرجھا گیا یہ بھی دیکھا

نام ''حفیظ الدین'' تھا تو کام بھی بہت کچھ دین کی حفاظت کا کر گزرے ہیں۔
پیدائش تقریباً ۱۲۴۵ھ موضع کنہر یا اعظم نگر میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم رسول پور نزد سالماری کے مکتب میں پھر مختلف اطراف میں تعلیمی سفر جاری رہا۔ فضیلت کی سند مدرسہ رحیمیہ دہلی سے حاصل کی۔ حصول تعلیم کے بعد مختلف اداروں میں مسند تدریس پر جلوہ افروز ہوئے۔
بیعت و خلافت واقف اسرار طریقت مولانا شاہ خواجہ لطیف علی قدس سرہ متن گھاٹ پٹنہ سے حاصل ہوئی۔ ۳۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۳ھ میں اس جہاں فانی سے رحلت فرمائی۔ آپ کے علمی جواہر پارے یعنی تصنیفات و تالیفات کی تعداد بارہ بتائی جاتی ہے۔ فن شاعری میں بھی آپ نے خوب طبع آزمائی کی ہے۔ شاعری ہو یا مکاتیب زیادہ تر حصہ راہ سلوک و تصوف پر مبنی ہے۔ کہیں کہیں اپنی اولاد و مریدین کو تنبیہ اور نصیحت بھی فرمائی ہے۔ صوفی ذہن و فکر

کے مالک تھے۔ بایں وجہ اس راہ پر قلم کا چلنا ایک فطری تقاضہ تھا۔ احکام ومسائل پر موقوف کچھ مکاتیب کا حصہ بھی تحریر فرمایا ہے۔ اعتقادات کے تعلق سے، بہت کم تحریریں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے جس دور میں تالیفات کی جانب توجہ مبذول فرمائی تو اس دور میں نجدیوں کا دائرہ خطہ عرب تک محدود تھا۔ دیوبندیوں کا عقیدہ دہلی، میرٹھ اور اس کے مضافات میں کہیں کہیں سر ابھار رہا تھا۔ شیعوں کا مسلک چند افراد تک سمٹ کر رہ گیا تھا۔ اہل قرآن تو صفحہ وجود سے غائب اور اہل حدیث کا دور دور تک نام ونشان نہیں تھا۔'' اکثریت میں اگر کچھ تھا جہاں کہیں بھی تھا ایک ہی رنگ، ایک ہی طریقہ، ایک ہی مسلک اور ایک ہی جماعت کے لوگ پائے جاتے تھے جس کو آج کی دنیا میں اہلسنت وجماعت کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ ایسے دور میں اعتقادی اور اختلافی مسائل کی جانب رخ موڑتے ہوئے ردوابطال کرنا، یا اپنے مسلک واعتقاد پر تبصرہ کرنے کا سوال ہی نہیں تھا۔ البتہ خداوند قدوس اور رسول محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عظمت میں اگر توہین آمیز نظریہ پڑھنے یا سننے میں آتا تو اس کی تردید میں اجمالی تحریریں ضرور قلمبند فرماتے۔

حضرت لطیفی کا مسلک

حسب اللہ ندوی لکھتے ہیں ''درحقیقت حفیظ الدین کا مسلک صلح کل تھا'' یہی موقف مولوی فیاض عالم رحمٰن پوری نے بھی اختیار کیا ہے۔ یعنی اپنے داداجان کے عقیدہ کو صلح کل ثابت کرنے میں اچھا خاصا سر کھپانے کی کوشش کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''اگر میں کچھ نہ لکھوں تو......اس کا مسلک صلح کل لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو جائے گا۔'' ندوی صاحب نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں دیوان لطیفی ص ۸۸ کے حوالے سے ان دو شعر کو پیش کیا ہے۔

فارغاں را با کسے ہرگز خلاف و جنگ نیست
جاہلاں در ہر زماں اندر خلافند و شقاق
عاشقا تسبیح و زنارت یکے شد بے شکے
مذہب تو عشق کردند مشرب تو اشتیاق

''ترجمہ ندوی'' فارغوں کو کب کسی سے اختلاف و جنگ ہے۔ جاہلوں کا کام ہے ہردم خلاف اور افتراق۔ تو ہے عاشق تسبیح اور زنار تجھ کو ایک ہے۔ تیرا مذہب عشق ہے اور تیرا مشرب اشتیاق۔

دیوان لطفی ہمارے پیش نظر ہے۔ ندوی صاحب کا متذکرہ دونوں شعر مزید گیارہ اشعار سے منسلک ہیں مگر انہوں نے دونوں شعر کی ترتیب کو الٹ پلٹ کر کے رکھ دیا ہے۔ ذکر کردہ پہلا شعر ''فارغاں را باکسے'' یہ آٹھواں شعر ہے جبکہ ''عاشقا تسبیح و زنارت'' چوتھا شعر ہے۔ شعر کی ترتیب بدل جانے سے مفہوم بدل سکتا ہے۔ چلئے پھر بھی ہم ندوی صاحب کی بات تسلیم کر لیتے ہیں کہ شاہ صاحب کا عقیدہ صلح کل تھا۔ صلح کل کس فکر کے تقاضے اور نقطہ نظر سے تھا؟ اس کی وضاحت نہ کر سکے، یہ بوجھ کسی اور نے اٹھا لیا ہے جس کی وضاحت ہم کریں گے۔ مگر شاہ صاحب کا تیسرا شعر ملاحظہ کیجئے۔

کفر و اسلامت یکی شد طاعت وعصیاں یکی
بندگی و خواجگی آمد اندر یک لفاق

یعنی تیرا ایمان اور کفر ایک ہے اور طاعت وعصیاں ایک، بندگی اور خواجگی تیری ایک ہی دھاگے میں پروئی ہوئی ہے۔ اب تینوں شعر کے مفہوم کو ندوی صاحب کے طرز فکر سے اس طرح اخذ کیا جا سکتا ہے۔ کفر و اسلام طاعت وعصیاں، تسبیح و زنار سب ایک ہے۔ شاہ صاحب کو ان چیزوں سے کوئی اختلاف نہیں تھا۔ سب کو اچھا اور برابر کا درجہ دے کر لطفی صاحب صلح کل بن گئے تھے۔ اگر ندوی صاحب کی اس استدلالی قوت، نظریہ صلح کلیت نیز دیوان کے لطفی اشعار کی تفہیم میں غلط اشارے وعندیے کو ترتیب دے کر دیوبند کے دارالافتاء سے سوال کیا جائے کہ اگر کوئی شخص کفر و اسلام، نیک و بد، تسبیح و زنار کو اعتقاد کے ایک دائرہ میں رکھ کر اچھا اور بہتر سمجھے تو ایسا شخص مومن ہے یا کافر؟ اور کیا ایسا شخص اعتقادی طور پر صلح کل سمجھا جائے گا؟ اگر نہیں تو صلح کل کہنے والے پر کیا حکم عائد ہوگا؟ میرے خیال میں ایک دیانتدار مفتی کا قلم دونوں کی جیب ودامن کو کفر کے داغ اور دھبے سے بچا نہ سکے گا۔ ایک لطفی صاحب کو اہلسنت یعنی بریلوی جماعت سے نکالنے کے لئے جو تدبیریں

اختیار کی گئی ہیں وہ خود ندوی صاحب کو ہضم نہ ہوں گی۔ پوری کتاب ''حیات عابدی'' پڑھ جایئے کہیں بھی علم و تحقیق کی بو نظر نہیں آئے گی۔ مجلسی گفتگو، بیل گاڑی ہانکنے والے نوکر کی بات، قصے اور کہانیاں مریدین کی مبالغہ آمیز باتیں، بعید از قیاس کرامتوں کا ظہور ایسا لگتا ہے کہ پیر سے زیادہ مرید سے کرامتوں کا صدور، سیاسی مطمح نظر سے جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کی بنیاد، مقاصد سے دور دیوان لطیفی اشعار کے مفاہیم کی توضیح، شاہ صاحب کو دیوبند سے جوڑنے کی کوشش۔ اس کے علاوہ اور بہت کچھ ''حیات عابد'' میں پڑھنے کو مل جائیں گے۔ مگر ''اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے'' جب کوئی شخص اپنے گھر کو خود آگ لگانے کے لئے بیٹھ جائے تو دوسرا وہیں پنکھا جھیلنے کی خاطر جم تھم کر بیٹھ ہی جائے گا۔

یہی حال حضرت لطیفی کے ساتھ ہوا ہے۔ داداجان کے عقیدہ کو صلح کل کی آگ میں جھونکنے کے لئے پوتا کا قلم برسر پیکار ہو تو کسی ندوی صاحب کا قلم و اوراق آتش کدے میں ہوا پہنچانے کے کام میں لگ ہی جائیں گے۔ ''لطیفی ایک تعارف'' ص ۶۴ پر عبارت ہے:

''اگر میں کچھ نہ لکھوں تو حضرت لطیفی ...... کا مسلک صلح کل لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو جائے گا۔'' اگر کسی سگے دادا پر اس کا پوتا سینہ ٹھونک کر کوئی دعویٰ کرے تو بھلا ایسے موقع پر کسی کو بولنے کی جرأت کیونکر ہو سکتی ہے۔ لیکن سنی صحیح العقیدہ تھے اس لئے تھوڑا سا حق ہمیں بھی پہنچتا ہے۔ حضرت لطیفی کی تحریروں سے ان کا عقیدہ ملاحظہ فرمائیں اور یہ فیصلہ کیجئے کہ وہ سنی بریلوی تھے یا صلح کلی تھے؟ ہم ماقبل یہ واضح کر چکے ہیں کہ شاہ صاحب کے دور میں نجدی عقیدہ بغداد سے لے کر مکہ تک، دیوبندیوں کا عقیدہ دہلی اور اس کے مضافات تک محدود تھا۔ لیکن پورے اسلامی ماحول میں اہلسنّت و جماعت کے معمولات رائج تھے۔ یعنی آج کے دور میں جن معمولات کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی کی جانب دیوبندی لوگ منسوب کرتے ہیں وہی معمولات فاضل بریلوی سے پہلے بھی اولیاء کرام، صوفیائے عظام اور عوام الناس کے درمیان پائے جاتے تھے۔ جن کے چند شواہد یہ ہیں:

(۱) دیوبندیوں کے نزدیک ہر وقت یارسول اللہ کہنا جائز نہیں، بعض وقت تو کفر ثابت ہوتا ہے جبکہ بریلویوں کے نزدیک ہر وقت یارسول اللہ کہنا جائز ہے۔ شاہ صاحب

بھی اسی عقیدہ کے قائل تھے۔ اس تعلق سے 'دیوان لطیفی' میں تقریباً ۲۲ اشعار تحریر فرمائے ہیں، بعض اشعار کے دونوں مصرعے میں یارسول اللہ کے بند لگائے گئے ہیں جیسے......

دل دادہ ام بکوی سرای یا رسول اللہ
جان میدہم بہوی قبای تو یا رسول اللہ
نی نی غلط بگفت زبانم کہ جان و تن
از ہرچہ ہست جملہ سرائے تو یا رسول اللہ

جس کے نوک قلم سے سیکڑوں بار "یارسول اللہ" نکل چکا ہو اندازہ لگایئے کہ اس کی زبان سے کتنی بار یارسول اللہ کی مبارک صدا نکلی ہوگی۔ اسے لاتحصی کی منزل میں رکھئے اور پھر فتاویٰ رشیدیہ کی عبارت ملاحظہ کیجئے دیکھئے کہ شاہ صاحب کو کس خانے میں رکھا گیا۔ فتاویٰ رشیدیہ ص ۶۲ میں ہے "جب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو علم غیب نہیں تو یارسول اللہ کہنا بھی ناجائز ہوگا۔ اگر یہ عقیدہ کر کے کہے کہ وہ دور سے سنتے ہیں بسبب علم غیب کے تو خود کافر ہے اور جو یہ عقیدہ نہیں تو کفر نہیں مگر کلمہ مشابہ بکفر ہے۔"

(۲) دیوبندیوں کے نزدیک "جن کا نام محمد یا علی ہو وہ کسی چیز کا مالک و مختار نہیں" (تقویۃ الایمان) اسی کو "حفیظ الدین ایک تعارف ص ۸۴ پر لفظ مالک سے انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں" یہ مشہور ہے کہ علماء بریلوی اللہ کو خالق اور رسول اللہ کو مالک مانتے ہیں اور ان کو مختار کل جانتے ہیں مگر میں یہاں یہ بحث نہیں کر رہا ہوں بلکہ حضرت لطیفی کا بیان پیش کرنا ہے۔ حضرت لطیفی نے فرمایا تمہارے اوپر اپنے حکم کو جاری کرتا ہے جابر کے حکم کی طرح، اے قوم کیا کوئی مالک ہے اللہ کے سوا جو ولی ہے سب کا کفایت کرتا ہے تمہاری دنیا میں بدلہ دیتا ہے آخرت میں۔" اس عبارت کے نقل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ حضرت لطیفی صاحب نے رسول اللہ کو مالک نہیں کہا بلکہ خداوند قدوس مالک ہے۔ اس سے کون انکار کرسکتا ہے کہ خداوند قدوس مالک نہیں ہے۔ ہاں رسول اللہ کے لئے ملک عطائی علماء بریلوی کے نزدیک دلائل سے ثابت ہے اسی کو شاہ لطیفی صاحب نے اپنے دو شعر میں کہا ہے۔ فرماتے ہیں:

افتادم در بیابان بلا
دستگیر اے رہبر مختار ما
(دیوان لطیفی ص ۴)

دفتر عصیانم از پارہ کنی شاہا چہ دور
خواجہ ما نائب حق مالک دفتر توئی
(ص ۱۳۸)

غور کیجئے! حضرت لطیفی نے رسول کو مختار اور مالک دونوں تسلیم کیا ہے۔ شاہ صاحب کے دونوں قول کو تطبیق دینے سے یہی نتیجہ برآمد ہوگا کہ یقیناً مالک حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور عطائی ملک رسول اللہ کے لئے ثابت ہے ورنہ 'خواجہ ما نائب حق مالک دفتر توئی' یہ مصرع غلط ثابت ہوگا۔ یہی عقیدہ علماء بریلوی کا ہے یعنی مالک حقیقی اللہ عزوجل کی ذات اور عطائی ملک رسول کے لئے ثابت ہے۔

(۳) دیوبندیوں کے نزدیک رسول اللہ اور اولیاء اللہ سے مدد چاہنا اور مدد مانگنا ناجائز ہے۔ فتاویٰ رشیدص ۵۹ میں ہے، استعانت واستمداد اہل قبور بہر نہج کہ باشد جائز نیست۔ یعنی اہل قبور سے مدد چاہنا اور مدد مانگنا ہر صورت میں ناجائز ہے لیکن علماء اہلسنت کے نزدیک اہل قبور سے استعانت واستمداد جائز ہے۔ یہی عقیدہ حضرت لطیفی صاحب کا بھی تھا۔ اشعار ملاحظہ کیجئے۔ دیوانِ لطیفی ص ۶۰ میں درمنقبت غوث پاک کا پہلا شعر ہے:

اے غوث اعظم قبلہ دل پیر پیراں المدد
وی قطب عالم کعبہ جان میر میراں المدد
تو پیر پیران جہاں تو میر میران زماں
تو دستگیر بیکساں ای غوث خلقاں المدد

ص ۵ کا پانچواں وچھٹا شعر ہے:

المدد ای ناصر و مولائے ما
نفس ما ہر دم پے آزار ما

گر مدد خواہی لطفی باز گو
یا رسول اللہ توئے غمخوار ما

(۴) دیوبندیوں کے نزدیک خدا کے علاوہ کوئی مشکل کشا نہیں۔ مولوی نذر محمد قاسمی دیابنہ کی وکالت کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''مشکل کشا صرف خداوند قدوس کی ذات کریمہ ہے کوئی اور مشکل کشا ہو ہی نہیں سکتا لیکن جس طرح شیعہ حضرات حضرت علی کو مشکل کشا مانتے ہیں اسی طرح احمد رضا بھی خدا کی خدائی میں نقب لگا کر مشکل کشا کی سرٹیفکیٹ چوری کر کے حضرت علی کو تھما دیتے ہیں۔'' ''بریلویت کی اصلیت ص ۴۳''

نذر محمد قاسمی کی عبارت غور سے پڑھئے اور پھر حضرت لطفی علیہ الرحمہ کا عقیدہ ملاحظہ کیجئے۔ دیوان لطفی ص ۱۰ امیں فرماتے ہیں:

شیر حقی شاہ مردی مصطفیٰ را ہم گہر
فخر انسان جان جاں مشکل کشائے ما گدا
تو وصی ہر نبی تو دستگیر ہر ولی
مفتح ہر مشکلی در مشکلم مشکل کشا

لطفی صاحب کے نزدیک حضرت علی صرف مشکل کشا ہی نہیں بلکہ ہر مشکل آسان کرنے کی کنجی بھی انہیں کے ہاتھ میں ہے۔

(۵) غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عالم الغیب اور متصرف بالذات جان کر ندا کرنا ہر مکتب فکر کے نزدیک شرک ہے۔ مگر بعطائے الٰہی دنیا سے باخبر ہونا اور متصرف جاننا اہلسنّت وجماعت کے نزدیک جائز ہے۔ یہی عقیدہ حضرت لطفی صاحب کا بھی تھا مگر دیوبندی حضرات اسے ناجائز کہتے ہیں۔ فتاویٰ رشیدیہ ص ۸۸ میں ہے۔ اگر شیخ قدس سرہ کو عالِم الغیب ومتصرف جان کر کہتا ہے تو مشرک ہے اور جو یہ عقیدہ نہیں تو بھی ناجائز ہے کیونکہ اس صورت میں ندا شرک نہ ہو مگر مشابہ شرک ہے۔ حضرت لطفی فرماتے ہیں، دیوان لطفی ص ۶۲ کا چوتھا اور پانچواں شعر ہے۔

تو بر زمیں حکمراں تو حکمران آسماں
تو قدرت حق رانشان اے قطب دوران المدد

تو جان پا کی سر بسر در شکل خا کی جلوہ گر
از عالم جان باخبر اے عالم جان المدد

حضرت لطفی صاحب نے ان دونوں شعر میں غوث پاک کو زمین و آسمان کا حکمراں اور دل کی دنیا سے باخبر تسلیم کرتے ہوئے مدد مانگی ہے۔ جو غوث دل کی دنیا سے واقف ہو اور زمین و آسمان پر حکومت کرتا ہو وہ ضرور باخبر ہوگا۔ یہی عقیدہ ہم سنیوں کا ہے۔

(۶) تقویۃ الایمان ص ۴۴ پر مشکوٰۃ شریف سے ایک حدیث نقل کی ہے جس میں نبی علیہ السلام نے تواضعاً چند کلمات فرمائے ہیں اس کے بعد (ف) سے فائدہ کا عنوان قائم کرتے ہوئے مولوی اسمٰعیل دہلوی لکھتے ہیں، یعنی کسی بزرگ کی تعریف میں زبان سنبھال کر بولو اور جو بشر کی سی تعریف ہو سو ہی کرو۔ سو اس میں بھی اختصار ہی کرو۔" لیکن اہلسنّت کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نوع انسان سے مبعوث ہوئے ہیں اور ان کی بشریت بے شمار فضائل و کمالات کی جامع ہے۔ لہٰذا اپنا جیسا بشر سمجھنا اور تعریف و توصیف میں اختصار کرنا جائز نہیں۔ یہی عقیدہ حضرت لطفی صاحب کا بھی ہے۔ دیوان لطفی ص ۱۱ پر لکھتے ہیں:

ما رائینا مثلکم ممن نشبه اصلکم
فی بیان فضلکم منا سبیلا لانری

یعنی اے رسول ہم آپ کی اصلیت کو کس چیز سے تشبیہ دیں جبکہ آپ کے مثل ہم دیکھتے ہی نہیں ہیں بایں وجہ آپ کی فضیلت بیان کرنے میں ہم کوئی راستہ بھی نہیں پاتے ہیں۔ شاہ صاحب کے پاس رسول کی فضیلت کے بیان میں نہ کوئی راستہ ہے اور نہ ہی الفاظ و معانی کا کوئی ذخیرہ مگر دیوبندیوں کے نزدیک ایک راستہ یہی ہے کہ "سو اس میں بھی اختصار ہی کیا کرو۔"

(۷) دیوبندیوں کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کو حاضر و ناظر سمجھنا کفر ہے۔ فتاویٰ دیوبند ص ۸۵۔

اہلسنّت و جماعت کے نزدیک کفر نہیں بلکہ اقوالِ متقدمین و متاخرین سے ثابت بھی ہے۔ یہی عقیدہ حضرت لطفی صاحب کا بھی ہے۔ دیوان لطفی ص ۱۱ کا گیارہواں شعر ہے۔

نگاہے بر حفیظ نا توانے
کہ در کوئے تو حیراں امشب

ص ۱۸ پر ہے

خدا را سید عالم نگاہے در حفیظ
چہ نقصان آیدت گر بر شمایش از کلاب

ص ۲۸ پر ہے

مات قلبی سیدی شر الممات
قم باذنی قل لہ آیۃ حیات
یا حبیب اللہ ادرکنی بنطق
ان فی نطقک حیاہ فی حیات

ص ۱۶ پر ہے۔

چوں بناشی واقف از حال بروں واندروں
مظہر علم خدائے پیش توام الکتاب

ناتواں حفیظ کا ایک نگاہ کرم کا محتاج ہو جانا، مردہ دل کو زندگی بخشوانا، رسول اللہ کی آواز میں قم باذنی کے ذریعہ حیات پیدا ہو جانا اور یہ اعتقاد رکھنا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خدائے کریم کے علم کا مظہر ہونے کی وجہ سے دل کے ظاہری و باطنی حال کو جانتے ہیں یہ سب باتیں حاضر و ناظر ہونے پر ہی دلالت کرتی ہیں۔

(۸) رسول اللہ کے لئے علم غیب اور عالم الغیب کے اطلاق پر لایعنی بحث کرتے ہوئے مصنف حفیظ الدین ایک تعارف ص ۷۹ پر لکھتے ہیں: "یہ مسئلہ بھی ایک مدت سے جھگڑے کی بنیاد بنا ہوا ہے۔ علماء دیوبند کہتے ہیں کہ خدا نے حضرت محمد مصطفیٰ سید المرسلین کو تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ علم دیا وہ تمام نبیوں سے زیادہ غیب کی باتیں خدا کی طرف سے جانتے تھے لیکن عالم الغیب نہیں تھے۔ مگر علماء بریلوی مدتوں تک یہی مانتے رہے کہ رسول اللہ بھی "عالم الغیب" ہیں۔

پھر ص ۸۳ پر لکھتے ہیں: ''مولانا احمد رضا خاں صاحب کے رسول اللہ کو عالم الغیب ماننے کی خبر سن کر حضرت لطیفی نے اس کا مزاحیہ انداز میں انکار کیا۔''

دونوں عبارتوں سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ علماء بریلوی اور مولانا احمد رضا خاں رسول اللہ کو عالم الغیب مانتے ہیں، عالم غیب نہیں۔ جھوٹ اور کذب بیانی سے کتابوں کے اوراق سیاہ کرنا علماء دیوبند کی دیرینہ عادتوں میں شمار ہے۔ اگر یہ جھوٹا الزام نہیں تو کسی کتاب کی عبارت ہی پیش کر دیتے مگر ایسا نہ ہوسکا۔ بس ایک کتاب لکھنا مقصود تھا اور لکھتے چلے گئے۔ کیا لکھ رہے ہیں؟ دعوے کے ثبوت میں کیا دلیل لا رہے ہیں؟ اس سے کوئی مطلب و سروکار نہیں۔ عالم غیب اور عالم الغیب' جیسے الفاظ ہی کو دیکھ لیجئے۔ رسول اللہ کو 'عالم الغیب' کہنے کی نسبت امام احمد رضا کی جانب منسوب کر دیا اور کس انداز سے ایک جھوٹی بات کو شاہ حفیظ الدین کی جانب مضحکہ خیز طریقہ سے پھیر دی گئی۔ حالانکہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فرماتے ہیں ''علم غیب کا عطا ہونا اور عالم الغیب کا اطلاق اور بعض اجلہ اکابر کے کلام میں گرچہ بندہ مومن کی نسبت صریح لفظ 'یعلم الغیب'' وارد ہے کما فی مرقاۃ المفاتیح۔ مگر ہماری تحقیق میں لفظ ''عالم الغیب'' کا اطلاق حضرت عزت عز جلالہ کے ساتھ خاص ہے کہ اوس سے عرفاً علم بالذات متبادر ہے۔ کشاف میں ہے ولھذا لایجوز ان یطلق فیقال فلان یعلم الغیب اور اس سے انکار معنی لازم نہیں آتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قطعاً بے شمار غیوب و ماکان وما کون کے عالم ہیں مگر عالم الغیب صرف اللہ عزوجل کو کہا جائے گا۔ (رضویہ یازدہم ص ۱۱۵)

غور کیجئے جب امام احمد رضا فاضل بریلوی کے نزدیک 'عالم الغیب' کا اطلاق اللہ عزوجل کے لئے خاص ہے تو بلاقید دوسروں کے لئے جائز نہیں ہوگا۔ جس کی مزید وضاحت مذکورہ صفحہ پر ملاحظہ کیجئے۔ اس کے باوجود ''حفیظ الدین لطیفی ایک تعارف'' میں یہ لکھ دینا کہ لیکن ''علماء بریلوی اور مولانا احمد رضا خاں صاحب رسول اللہ کو عالم الغیب مانتے ہیں'' اسے ہم بچوں کی ضد، ضعف مطالعہ یا پھر دروغ گو را حافظہ نباشد سے تعبیر کرتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔ اس بحث کی ابتدا میں بحوالہ حفیظ الدین ایک تعارف ص ۷۹ کی عبارت پھر نگاہوں کے سامنے رکھیے۔ مصنف نے علما بریلوی و دیوبندی کے درمیان نزاع کا سبب ع' غیب اور عالم الغیب کو بتایا ہے۔ میرے خیال میں نزاع کی یہ بنیاد مطالعہ کی کمی

کے باعث ذہن نشیں ہوگئی ہوگی ورنہ فریقین کے درمیان بنیادی نزاع ماکان و مایکون کے علم ہونے یا نہ ہونے میں ہے۔ دیوبندی مولوی رسول کے لئے ماکان و مایکون کے علم ہونے کی نفی کرتے ہیں اور علماء اہلسنّت ماکان و مایکون کے علم ہونے پر جزم فرماتے ہیں۔ اس جھگڑے میں حضرت لطفی صاحب فریق ثالث کی حیثیت سے علماء بریلوی کی حمایت کرتے ہوئے دیوان لطفی ص۱۶ میں فرماتے ہیں:

چوں نباشی واقف از حال بروں و اندروں
مظہر علم خدائے پیش توام الکتاب

یا رسول اللہ اندر اور باہر کی حالتوں سے آپ کیوں نہیں واقف ہوں گے جبکہ علم خدا کے مظہر ہیں آپ اور لوح محفوظ آپ کے پیش نظر ہے۔ اس شعر کو قیاس اقترانی حملی کے اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو قضیہ اس طرح ترتیب پائے گا۔ ''بتیانا لکل شئی'' اس آیت کی تفسیر کے تحت ماکان و مایکون کا علم لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے اور لوح محفوظ رسول کے پیش نظر ہے تو نتیجہ نکلے گا ''ماکان و مایکون کا علم رسول کے پیش نظر ہے'' وہو المقصود (مشکوۃ شریف ص۶۹ پر ایک طویل حدیث کے ضمن میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ فعلمت ما فی السموات والارض اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات جلد اول ص۳۳۳ مطبع نول کشور میں فرماتے ہیں:

''پس دانستم ہر چہ در آسمان و ہر چہ در زمین بود عبارت است از حصول تمامہ علوم جزئی و کلی و احاطہ آن'' یعنی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہوگیا جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمینوں میں ہے اس سے یہ مراد ہے کہ تمام جزوی و کلی علوم حضور کو حاصل ہوگئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سب کا احاطہ فرمایا۔'' تمام جزوی و کلی ہی کو 'ماکان و مایکون' کہتے ہیں (فتامل) شیخ محدث دہلوی مدارج النبوۃ جلد دوم ص۲ پر لکھتے ہیں: ''و خلق نور وے صلی اللہ علیہ وسلم از اں سابق است و بریں وجہ تواند کہ مراد از ماکان صفات و احوال آں بود باشد کہ در آں عالم ثابت است و از مایکون آنچہ در آخر ظاہر گردد در دنیا۔'' یعنی نور محمدی ان سب سے پہلے پیدا ہوا۔ پس اس تقدیر پر یوں کہا جاسکتا ہے کہ 'ماکان' سے مراد نور کے صفات اور احوال ہیں اور 'مایکون' سے مراد وہ امور ہیں جو بعد میں دنیا میں ظاہر ہوں گے۔

ما کان وما یکون کی اس تشریح کے بعد مخالفین یہ شبہ ظاہر کرتے ہیں کہ علم جزی وکلی تو خدائے کریم کو بھی حاصل ہے تو پھر رسول اللہ کا علم خدا کے علم کے مساوی ہوگیا۔(اقول) علوم جزی وکلی متناہی کے افراد ہیں اور رب کریم کا علم غیر متناہی ہے۔متناہی وغیر متناہی کے درمیان تباین کلی کا حکم ہوتا ہے۔لہٰذا رسول پاک کا علم غیب خدا کے علم کے برابر کیسے ہوجائے گا؟(فتامل)

حفیظ الدین ایک تعارف کے اقتباسات کو اگر اپنی تحریر میں قید وبند کرنا چاہیں تو ایک کتاب وجود میں آسکتی ہے۔میں اس موضوع پر تنقید وتبصرہ کرنے کے بجائے ایک سوال قارئین کے حوالے کردینا چاہتا ہوں۔حفیظ الدین ایک تعارف ص ۸۳ پر شاہ لطیفی کا یہ جملہ "میں تو خدا کو بھی عالم الغیب نہیں جانتا" اس جملہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "خدا کو عالم الغیب اس کی ذات کے لحاظ سے نہیں کہا جاتا بلکہ جو چیزیں ہمارے لئے غائب ہیں ان کو خدا جانتا ہے۔اس لئے ہمارے لحاظ سے عالم الغیب کہا جاتا ہے۔یہاں سوال یہ ہے کہ جس وقت آدم علیہ السلام اور ابن آدم کا وجود نہیں تھا اسوقت رب قدیر عالم الغیب تھا یا نہیں؟ اگر تھا تو یہ جملہ "ہمارے لحاظ سے عالم الغیب کہا جاتا ہے۔" غلط ہے اور اگر نہیں تھا تو کائنات کی تخلیق سے پہلے قرآن مقدس لوح محفوظ میں تحریر کیا جاچکا تھا اور قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "عالم الغیب والشہادۃ" جب ہمارے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کو عالم الغیب کہا جائے گا تو پھر قرآن پاک کا یہ نظم یا اللہ تعالیٰ کا یہ کلام 'عالم الغیب' لغو قرار پائے گا۔اس کا کیا جواب ہوگا؟ جو بھی جواب ہو "حفیظ الدین ایک تعارف میں" درج ہوجانا چاہئے۔

(۹) امکان کذب: علماء دیوبند کے نزدیک خدا کا جھوٹ بولنا ممکن ہے کیونکہ کذب تحت قدرت میں داخل ہے مگر کذب عیب ہے اس لئے محال بالغیر ہے۔اسی بات کو حفیظ الدین ایک تعارف ص ۷۷ پر لکھتے ہیں: "لیکن یہ لوگ (علماء دیوبند) محال بالغیر مانتے ہیں یعنی قدرت تو ہے لیکن چونکہ جھوٹ عیب ہے اور خدا عیب سے پاک ہے اس لئے جھوٹ خدا سے صادر ہونا محال ہے۔" علماء بریلوی کے نزدیک کذب تحت قدرت داخل نہیں اس لئے کہ کذب الٰہی بالذات محال عقلی ہے۔شرح عقائد جلالی جلد دوم ص ۶۲ میں ہے۔الکذب نقص والنقص علیہ محال لایکون من الممکنات ولایشملہ القدرۃ۔یعنی کذب نقص ہے اور نقص اللہ تعالیٰ کے لئے محال ہے تو یہ ممکنات میں سے نہیں

ہوگا اور نہ ہی کذب کو قدرت شامل ہوگی۔ یہی عقیدہ حضرت لطفیؔ صاحب کا بھی ہے۔ انہوں نے پہلے دیوبندی عقیدہ کو ان الفاظ سے واضح فرمایا "چوں ان اللہ علی کل شئی قدیر قول محکم است وسخن دروغ وبدیں اتصاف ذات باری عزاسمہ شئی من الاشیاء است پس ناچاراست کہ تعلق قدرت بدیں اتصاف نیز بذاتہ ممکن بودا گرچہ بوصف تقدیس وے ممتنع شود۔" یعنی اللہ تعالیٰ ہر شئی پر قادر ہے یہ قول محکم ہے اور کذب بھی شئی میں داخل ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کذب کے ساتھ متصف ہونا ممکن ہوگا، اگرچہ اللہ تعالیٰ کا عیب سے پاک ہونے کی وجہ سے ناممکن ہوگا۔ اس دیوبندی استدلال کو ان الفاظ سے تردید فرماتے ہیں "نا البتہ گفتہ آید کہ تقدیس کہ از صفات ذاتیہ ویست ومصداقش عین ذات است پس امتناع اتصاف معہود بتقاضائے تقدیس عین امتناع آں اتصاف بتقاضائے ذات است فتأمل (مکتوبات لطفیؔ ص ۱۷، ۱۸)۔ یہ بات ایسی نہیں ہے البتہ یہ کہا جائے گا کہ خدا کا بے غیب ہونا اس کی صفت ذاتی ہے اور اس کا مصداق عین ذات ہے پس کذب سے متصف ہونا تقدیس کے تقاضے سے ممتنع ہے یہ اس لئے کہ صفت سے متصف ہونا ذات کے تقاضے سے ہے پس غور کرو (فتأمل) یہ لفظ لکھ کر حضرت لطفیؔ صاحب نے دیوبندیوں کو غور کرنے کا مقام دیا ہے۔ امکان کذب اور ممتنع بالذات کی توضیح کے بعد اب یہ سمجھنے میں دشواری نہ رہی کہ حضرت لطفیؔ علیہ الرحمہ اپنے بیان حق میں علماء بریلوی کے موقف کی تائید کی ہے اور کھلے لفظوں میں علماء دیوبند کی تردید بھی کی ہے۔ مگر اس سلسلے میں اتحاد کی کڑی جوڑتے ہوئے مصنف "حفیظ الدین ایک تعارف" ص ۹۷ کی یہ مضحکہ خیز عبارت ملاحظہ کیجئے۔ لکھتے ہیں: "مولانا کا یہ فیصلہ ایسا ہے کہ علماء دیوبند کو اس سے اختلاف بھی نہیں ہے۔" مولانا کے اس فیصلہ پر علماء دیوبند کو اختلاف کیوں ہوگا؟ جبکہ دیوبندی مولوی یہ لکھ چکے ہیں "کذب باری تعالیٰ تحت قدر میں داخل ہے" مذکورہ عبارت پڑھ کر یہی کہا جائے گا کہ مصنف صاحب نے عبارتوں کا ڈھیر لگا کر لیپا پوتی کرنے کی کوشش کی ہے ورنہ صاف صاف لفظوں میں یہ لکھ دیتے "مولانا کا یہ فیصلہ علماء دیوبند کے خلاف ہے۔" کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے!

(۱۰) بشریا نور: اس عنوان پر "لطفیؔ ایک تعارف" کے سترہ صفحات پر قلم کی سیاہی بغیر کسی نتیجہ اخذ کئے صرف کردی گئی ہے۔ ص ۱۰۲ پر لکھتے ہیں: "اس سے ثابت ہوا کہ

حضور خود نور نہیں ہیں بلکہ نور ایک جگہ چیز ہے جس سے حضور کا تعلق ہے''۔نور سے مراد جگہ اور چیز لیا جائے تو میں یہاں ایک جملہ قارئین کے حوالے کرتے ہوئے گزر جاؤں گا۔ ''رسول اللہ کے نور کو خود مصنف نہ سمجھ سکے۔'' اس عنوان پر ولی الٰہی صاحب نے خوب عقلی گھوڑے دوڑائے ہیں مگر میں اس مقالہ میں ہر بات پر تنقید و تحقیقی گفتگو کرنے سے گریز کرتے ہوئے صرف دو بنیادی تحریر پر تحقیق پیش کروں گا۔

اول: ص ۸۹ پر خدا کی تخلیقی امور میں عقلی تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں (اللہ تعالیٰ نے عقل رکھنے والی تین ہی مخلوق پیدا کی ہے فرشتے نوری، جن ناری، انسان خاکی) اس تقسیم کے بعد یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ رسول کو خاکی ماننے کے بعد وہ نوری کیسے ہو سکتے ہیں۔

دوم: اول ما خلق اللہ نوری اس حدیث پر عناد کی بو اس طرح ڈالتے ہیں۔''یہ حدیث کسی مستند کتاب میں نہیں اس لئے درست نہیں''یعنی رسول کریم کی بشریت ثابت کرنے کے لئے بنیادی دو نظریئے قائم کرتے ہوئے عقلی زعم اور غیر تحقیقی بصارت کا جال بچھا دیا گیا ہے۔بالترتیب ہر ایک کا جواب ملاحظہ کیجئے۔

اول یہ لکھنا کہ عقل رکھنے والی تین مخلوق اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے فرشتے، جن اور انسان۔ یہاں سوال یہ ہے کہ کیا مصنف کو ساری مخلوقات کا علم ہے یا نہیں؟ اگر اثبات میں جواب ہو تو مولانا موصوف کے لئے علم غیب ثابت کیونکہ سیکڑوں ایسی بھی مخلوق ہیں جو انسانی عقل و نگاہ کے دائرہ سے باہر ہیں اور اگر نہیں تو یہ دعویٰ کرنا غلط ہوگا کہ 'عقل رکھنے والی تین ہی مخلوق ہیں'' یہ اس لئے کہ جب کذب باری تعالیٰ کو تحت قدرت مانتے ہیں تو پھر چوتھی مخلوق تحت قدرت میں کیوں داخل نہیں ہو سکتی ہے۔ ثانیاً فرشتوں کی تخلیق نور سے ہے۔مگر وہ بشری شکل میں متشکل ہو سکتے ہیں۔مسند امام اعظم ص ۴ پر حدیث جبرئیل کے الفاظ یہ ہیں۔ قال بينما نحن مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ومعه رهط من اصحابه اذا قبل شاب جميل ابيض حسن اللمة طيب الريح عليه ثياب بيض...... ثم قال ادنو يارسول الله قال ادن فدنا حتى الصق ركبته بر كبة رسول الله صلى الله عليه وسلم. منه ص ٦ کے حاشیہ نمبر ۱۱ پر ہے۔في شرح علي

القاری زیادۃ لفظ لایری علیہ اثر السفر و لا یعرفہ منا احد و فی بعض الروایات اذ طلع علینا رجل شدید بیاض الثوب شدید سواد الشعر۔ ان دونوں عبارتوں سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ رسول کی بارگاہ میں صحابہ کے درمیان حضرت جبرئیل بشر اور مرد کی شکل میں آئے جو عمر کے اعتبار سے جوان، خوبصورت، سفید رنگ، کان کی لوتک خوبصورت کالے بال اور سفید لباس پہنے ہوئے تھے۔ اسی طرح جن کی تخلیق آگ سے ہے مگر یہ بھی مختلف اجسام اختیار کر لیتا ہے۔ جب فرشتے اور جن دونوں انسانی شکل میں ہو سکتے ہیں تو پھر یہ بات ماننے میں کیوں ماتھے پر پسینہ آجاتا ہے کہ رسول کی اصلیت نور ہو اور پیدائش بشریت کے ساتھ ہو اور کیا ایسی تخلیق خدا کی قدرت سے باہر ہے؟ ثالثاً میں اس کی نظیر پیش کرتے ہوئے عرض کروں گا کہ فقہائے کرام نے نوع بشر کو جسمانیت کے اعتبار سے تین دائرے میں رکھا ہے مرد، عورت اور مخنث (ہیجڑا) اسی تین کے مسائل فقہ کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ چوتھی قسم چودہ سوصدی تک نہ کسی نہ دیکھا اور نہ ہی کسی فقیہ نے کسی مسئلہ کو ایجاد کیا مگر یہ خدا کی قدرت سے باہر بھی نہیں۔ تقریباً دو سال ہوئے ہمارے پاس اخبار کی ایک کٹنگ موجود ہے جس میں نومولود بچہ کی تصویر ہے اس تصویر کے نیچے بچہ کی تفصیل یہ ہے: ''بہار ضلع ارریہ کے حلقہ رامپور کودر کٹی گاؤں میں ایک پسماندہ ذات کے گھر میں ایک ادھورے جسم و ہیئت کذائیہ کا بچہ پیدا ہوا ہے کہ جس کے اندر مرد و عورت دونوں کی جنسیں ہیں''

جب اللہ تعالیٰ مرد اور عورت دونوں کی علامتوں کے ساتھ ایک بچہ کو پیدا کر سکتا ہے تو پھر وہی خدا نور کو انسانی جسم کے ساتھ کیوں نہیں پیدا کر سکتا ہے۔

دوم: اول ما خلق اللہ نوری ہمارے خیال میں ''حفیظ الدین ایک تعارف کے مصنف کو اس حدیث کے سمجھنے میں یہ دشواری پیش آئی ہوئی ہوگی کہ ان کی نظر میں مشکوٰۃ شریف کی یہ حدیث 'اول ما خلق اللہ القلم' بھی تھی۔ اولیت کے اعتبار سے دونوں حدیث متعارض نظر آئی تو اس الجھن میں پھنس گئے کہ اولیت کس کو حاصل ہوگی؟ ''رسول کو یا قلم کو'' جب دفع تعارض کی کوئی صورت سمجھ میں نہ آئی تو 'اول ما خلق اللہ نوری'' اس حدیث کو ضعیف

ونا مقبول کہتے ہوئے مسترد کردیا۔عبارت ملاحظہ کیجئے:

''اول ماخلق اللہ نوری اس حدیث سے (بریلوی حضرات) اپنا مقصد ثابت کرنے کے لئے زور لگاتے ہیں لیکن یہ مقصد ثابت نہیں ہوتا اس لئے کہ (ا) یہ حدیث کسی بھی مستند کتاب میں نہیں اس کو دلیل بنانا درست نہیں (۲) اور اس لئے بھی کہ اس حدیث سے ایک حدیث کا ٹکراؤ ہے جو صحیح حدیث ہے وہ یہ ہے ''اول ماخلق اللہ القلم'' ظاہر ہے اس صحیح روایت کے مقابلہ میں نور والی روایت قبول نہیں کی جاسکتی ہے کیونکہ دونوں ملایا نہیں جاسکتا ہے اس لئے اول کے معنی سب سے پہلے کے ہیں اور جب صحیح حدیث سے قلم کا سب سے پہلے پیدا کیا جانا ثابت ہوگیا تو پھر دوسری چیز کا سب سے پہلے ہونا باطل ہے۔''

یعنی دو وجہوں سے یہ حدیث مقبول نہیں۔پہلی وجہ یہ حدیث کسی بھی مستند کتاب میں نہیں اس لئے نادرست ہے۔غور کیجئے مصنف کے نزدیک حدیث کی صحت وسقم کا معیار مستند کتاب ہے۔صحاح ستہ میں حدیث ہے تو معتبر ہے اور اگر مسند امام اعظم، مسند امام احمد، موطا امام محمد یا کسی اور حدیث کی کتابوں میں ایسی حدیث ہو جو صحاح ستہ میں نہ ہو وہ حدیث نادرست اور غیر مقبول ہے۔حدیث کی صحت وسقم کی اس علت کو دیکھ کر مشکوٰۃ کا مبتدی طالب علم بھی مسکرائے بغیر نہیں رہ سکتا۔مصنف صاحب اس سے پہلے بھی یہ لکھ چکے ہیں ''یہ حدیث صحاح ستہ میں نہیں اس لئے نادرست ہے۔'' یہ بات تو جملہ صحاح ستہ کے مصنفین بھی نہیں کہہ سکتے کہ ہماری کتاب کے علاوہ جو بھی حدیث ہو وہ نادرست ہے۔ہماری تائید میں حضرت امام مسلم علیہ الرحمہ کا جملہ ملاحظہ کیجئے۔نعمۃ المنعم شرح مقدمہ مسلم ص۳۲ پر مولانا نعمت اللہ محدث دارالعلوم دیوبند لکھتے ہیں: ''چنانچہ امام مسلم پر ابوزرعہ نے تنقید کرتے ہوئے فرمایا کہ امام مسلم کی کتاب کی وجہ سے اہل بدعت کو ہم پر اعتراض کا موقع مل گیا کہ جب ہم کسی ایسی حدیث سے استدلال کریں جو مسلم میں موجود نہ ہو تو اہل بدعت کہہ دیں گے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔سعید بن عمرو کہتے ہیں کہ جب میں نیشاپور آیا میری ملاقات امام مسلم سے ہوئی تو ابوزرعہ کے اعتراض کو میں نے نقل کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں یہ کب کہا کہ یہی صحیح احادیث کا مجموعہ ہے اس کے سوا کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔ ''انی

قلت ھو صحیح و لم اقل انی مالم اخرجه، من الحدیث فھو ضعیف۔" اس عبارت سے دو باتوں کا اشارہ ملتا ہے۔ (۱) صحاح ستہ کے علاوہ صحیح حدیث کو بھی نادرست کہے وہ اہل بدعت میں سے ہے۔ فتدبر!

دوم تردید کی دوسری وجہ یہ پیش کرنا کہ "اس حدیث سے ایک حدیث کا ٹکراؤ ہے...... کیونکہ دونوں کو ملایا نہیں جاسکتا۔" (اقول) ولی اللہی صاحب دونوں حدیث کو علی حالہ اس لئے باقی نہ رکھ سکے کہ ان کی نگاہوں سے سوال باسولی میں تقدم کے اقسام، مسامرہ میں ابتداء کی تقسیم، حاشیہ منہ میں اولیت کے مدارج، اور حمد اللہ کی شرح لولوالحمد میں تقدم ذاتی وعرضی کی بحثیں نہیں گزری ہیں ورنہ بڑی آسانی سے دونوں حدیث کو ملایا جاسکتا ہے۔

یہاں مذکورہ کتابوں کے ضابطے سے ہٹ کر مزید تین کتابوں کی عبارت سامنے رکھئے سمجھ میں آجائے گا۔ امام احمد علیہ الرحمہ کے استاذ اور بخاری ومسلم کے استاذ الاستاذ امام عبدالرزاق اپنی تصنیف میں اور امام بیہقی دلائل النبوۃ میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں: قال قلت یا رسول اللہ بابی انت وامی اخبرنی عن اول شئی خلقه اللہ تعالیٰ قبل الاشیاء قال یا جابر ان اللہ تعالیٰ قدخلق قبل الاشیاء نور نبیک من نورہ فجعل ذالک النور یدور حیث شاء اللہ تعالیٰ ولم یکن فی ذالک الوقت لوح ولاقلم ولاجنة ولانار ولاملک ولا سماء و لاشمس ولاقمر ولاجنی و لاانسی فلما اراد اللہ تعالیٰ ان یخلق الخلق قسم ذالک النور اربعة اجزاء فخلق من الجز الاول القلم ومن الثانی اللوح ومن الثالث العرش ثم قسم الجزء الرابع اجزاء، الحدیث بطوله۔

حضرت جابر کی اس روایت کو مولوی اشرف علی تھانوی نے "نشر الطیب ص ۷ پر ذکر کرنے کے بعد ف سے فائدہ کا عنوان قائم کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ ف "اس حدیث سے نور محمدی کا اول الخلق ہونا باولیت حقیقیہ ثابت ہوا کیونکہ جن جن اشیاء کی نسبت روایات میں اولیت کا حکم ہے ان اشیاء کا نور محمدی سے متاخر ہونا اس حدیث میں منصوص ہے۔"

ولی اللہی صاحب "حفیظ الدین ایک تعارف" میں جتنے عقلی گھوڑے دوڑا گئے

تھے حکیم صاحب نے سب کے پیروں میں زنجیریں ڈال دیں جولوگ کسی طور پر اولیت حقیقہ نہیں مانتے اسی اولیت حقیقہ کو حکیم الامت نے منصوص قرار دیا ہے اور جوشئی منصوص علیہ ہووہ محکم ہوتی ہے جس پر عمل کرنا واجب ہے لہٰذا نادرست کہنا غلط ہوگا۔

ثانیاً: ملاعلی قاری حنفی مرقاۃ میں ''اول ماخلق اللہ القلم'' کے تحت فرماتے ہیں: و فی الازھار اول ماخلق الله القلم یعنی بعدالعرش والماء والریح لقوله علیه السلام کتب الله مقادیر الخلائق قبل ان یخلق السموات والارض بخمسین الف سنة وعرشه علی الماء رواہ مسلم و عن ابن عباس سُئِل عن قوله تعالیٰ وکان عرشه علی الماء علی ای شئی کان الماء قال علی متن الریح رواہ البیهقی ذکرۃ الابھری فالاولیة اضافیة والاوّلُ الحقیقی ھو النور المحمدی علی مابینة فی المورد للمولد یعنی ازہار میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی مقادیر کو آسمان اور زمینوں کو پیدائش سے پچاس ہزار سال پہلے لکھا اور اسوقت اس کا عرش پانی پر تھا۔ یعنی قلم کی پیدائش اور کتابت سے پہلے عرش پیدا ہو چکا تھا اور وہ پانی پر تھا اس کو مسلم نے روایت کیا۔ اور ابن عباس سے وکان عرشہ علی الماء کے بارے میں استفسار کیا گیا کہ عرش تو پانی پر تھا۔ پانی کس چیز پر تھا تو فرمایا کہ ہوا کی پیٹھ پر اسے بیہقی نے روایت کیا۔ پس ثابت ہوا کہ قلم کی پیدائش ہوا، پانی اور عرش کے بعد ہے اور جو چیز سب سے پہلے پیدا ہوئی وہ نور محمدی ہے۔ جیسا کہ میں نے المورد للمولد میں بیان کیا ہے۔''

ثالثاً: شیخ محقق عبدالحق دہلوی علیہ الرحمہ مدارج النبوۃ جلد دوم ص۲ پر ارقام فرماتے ہیں ''بدانکہ اول مخلوقات وواسطہ صدور کائنات وواسطہ خلق عالم وآدم نور محمد است صلی اللہ علیہ وسلم۔ چنانچہ حدیث صحیح وارد شدہ کہ ''اول ماخلق اللہ نوری'' وسائر مکونات علوی وسفلی ازاں نور وازاں جوہر پاک پیدا شدہ از ارواح واشباح وعرش وکرسی ولوح وقلم وبہشت ودوزخ وملک وفلک وانس وجن وآسمان وزمین وبحار وجبال واشجار وسائر مخلوقات ودر کیفیت صدور ایں کثرت ازاں وحدت وبروز وظہور مخلوقات ازاں جوہر عبارات وتعبیرات غریب آوردہ اند وحدیث اول ماخلق اللہ العقل نزد محققین ومحدثین بصحت نرسیدہ

وحدیث اول ما خلق اللہ القلم نیز گفتہ اند کہ مراد بعد العرش والماء است کہ واقع شدہ است و کان عرشہ علی الماء و در بعضے احادیث تصریح بداں واقع شدہ است و آمدہ است کہ خلق ماء پیشتر از عرش است کہ چوں خلق کردہ شد۔ قلم گفت لوی پروردگار تعالیٰ وتقدس بنویس گفت قلم چہ نویسم۔ گفت بنویس ما کان و ما یکون الی آخرہ پس معلوم شد کہ پیش از خلق کائنے بودہ است کہ آں عرش وکرسی وارواح است وخلق نور وے صلی اللہ علیہ وسلم از اں سابق است وبریں وجہ تواند کہ مراد از ما کان صفات و احوال آں بودہ باشد کہ اول درآں عالم ثابت است۔ واز ما یکون آنچہ درآخر ظاہر گرددردنیا۔''

ترجمہ: جان لو کہ اول مخلوقات اور واسطہ خلق عالم وآدم نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا اور باقی تمام کائنات علوی وسلفی اسی نور سے پیدا ہوئی۔ اسی وحدت سے کثرت صدور میں آئی اور مختلف ناموں سے موسوم ہوئی۔ چنانچہ یہ نور کہیں عرش وکرسی سے موسوم ہوا اور کہیں بحار واشجار سے اور جس حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا اس کی صحت محققین اور محدثین کے نزدیک ثابت نہیں اور ایک حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا۔ (اس میں اولیت حقیقی نہیں ہے) کیونکہ محققین نے کہا کہ مراد یہ ہے کہ عرش اور پانی کے بعد قلم کو پیدا کیا کیونکہ اس طرح آیا ہے کہ اس وقت عرش پانی سے پہلے پیدا ہوا۔ پس جب قلم پیدا کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا لکھ، قلم نے پوچھا کیا لکھوں، ارشاد ہوا لکھ جو کچھ ہو چکا ہے اور جو ہوگا۔ پس معلوم ہوا کہ قلم کی پیدائش سے پہلے کچھ ہو چکا تھا اور وہ عرش وکرسی اور ارواح اور نور محمدی ان سب سے پہلے پیدا ہوا۔ پس اس تقدیر پر یوں کہا جاسکتا ہے کہ ما کان سے مراد اس نور کی صفات واحوال ہیں اور ما یکون سے مراد وہ امور ہیں جو بعد میں دنیا میں ظاہر ہوں گے۔''

صاحب بہشتی، مولوی اشرف علی تھانوی، ملا علی قاری، صاحب ازہار اور شیخ محقق علی الاطلاق کے اس محققانہ کلام کو دیکھئے اور پھر ''حفیظ الدین ایک تعارف'' میں ''اول ما خلق اللہ نوری یہ حدیث صحاح ستہ میں نہیں اس لئے نادرست ہے پر سر پیٹئے اور قلت مطالعہ وکوتاہ بینی پر تف کہئے۔ مذکورہ عبارتوں سے درج ذیل باتیں حاصل ہوئیں۔

۱- بیہقی میں حضرت جابر سے جو روایت ہے اس سے یہ ثابت ہوا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے رسول کے نور کو پیدا فرمایا۔
۲- پھر وہ نور خدا کے حکم سے جہاں چاہا دورہ کرتا رہا۔
۳- اس وقت لوح و قلم، جنت و دوزخ، زمین و آسمان، چاند و سورج، عرش و پانی کچھ نہیں
۴- اس نور کے چار حصے کئے پہلے سے قلم، دوسرے سے لوح، تیسرے سے عرش، پھر چوتھے حصے کے چار حصے کئے۔
۵- مولوی اشرف علی کی تحقیق میں نور محمدی کا اول الخلق ہونا اولیت حقیقیہ ہے۔
۶- مولوی اشرف علی تھانوی نے اولیت حقیقیہ مان کر "اول ما خلق اللہ نور نبیک" کو صحیح حدیث قرار دیا۔
۷- ملا علی قاری کی تحقیق میں قلم کی پیدائش اور کتابت سے پہلے عرش پیدا ہو چکا تھا اور وہ پانی پر تھا اور پانی ہوا کی پیٹھ پر
۸- قلم کی پیدائش پانی، ہوا اور عرش کے بعد ہے۔
۹- جو چیز سب سے پہلے پیدا ہوئی وہ نور محمد ہے۔
۱۰- نور محمد اول حقیقی ہے اور قلم اول اضافی
۱۱- شیخ عبد الحق کے پیش نظر واسطہ خلق عالم و آدم نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔
۱۲- "اول ما خلق اللہ نوری" کو شیخ نے صحیح حدیث قرار دیا۔ حالانکہ یہ حدیث صحاح ستہ میں نہیں۔ جب صحیح ہے تو پھر 'نادرست' کہنا غلط ہوگا۔
۱۳- تمام کائنات علوی و سفلی اسی نور سے پیدا ہوئی۔
۱۴- اسی وحدت سے یہ کثرت صدور میں آئی اور مختلف ناموں سے موسوم ہوئی۔
۱۵- اول ما خلق اللہ العقل، اس حدیث کی صحت محدثین کے نزدیک ثابت نہیں۔
۱۶- اول ما خلق اللہ القلم، اس میں اولیت حقیقی نہیں کیونکہ محققین نے کہا۔ مراد یہ ہے کہ عرش اور پانی کے بعد قلم کو پیدا کیا۔ اس اعتبار سے یہ حدیث اولیت اضافی ہوگی۔
۱۷- جب قلم پیدا کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا لکھ، قلم نے پوچھا کیا لکھوں، ارشاد ہوا

جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہوگا اسے لکھو۔ اس سے معلوم ہوا کہ قلم سے پہلے کچھ ہو چکا تھا۔

۱۸- اور "وہ کچھ" عرش و کرسی اور ارواح تھیں۔

۱۹- نور محمدی ان سب سے پہلے پیدا ہوا۔

۲۰- اس تقدیر پر ما کان سے مراد اس نور کی صفات و احوال ہیں۔

۲۱- اور ما یکون سے مراد وہ امور ہیں جو بعد میں دنیا میں ظاہر ہوں گے۔

سلسلہ واران تشریحات کے بعد اب یہ الجھن دور ہوگئی ہوگی کہ اول ما خلق اللہ نوری یہ حدیث اول حقیقی پر محمول ہے اور اول ما خلق اللہ القلم اول اضافی پر۔ لہٰذا دونوں کو بآسانی ملایا جا سکتا ہے۔ مذکورہ محدثین و محققین کے مسلک کے مطابق بریلویوں کا مسلک ہے اور یہی مسلک حضرت شاہ حفیظ الدین علیہ الرحمہ کا بھی ہے۔ دیوان لطیفی ص ۴۵ میں فرماتے ہیں۔

تو نخستین نوری واصل وجود
نور تو فیض شکور امت از فلاح

اے رسول تیرے نور کی تخلیق پہلے اور اصل وجود تو ہی ہے کیونکہ تیرا نور شکور (رب) کا فیض ہے بہتری سے۔ اول مصرعہ میں 'اصل وجود' کا لفظ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمام مخلوقات کے وجود کی اصل رسول کا نور ہے۔

صفحہ ۷۱ کا چوتھا شعر دیکھئے:

جملہ عالم لمعہ از نور تو
از ازل در نور افشانی ہنوز

تمام مخلوقات تیرے ہی نور کا تھوڑا حصہ ہیں کیونکہ ازل سے اب تک نور ہی نور بکھیر رہا ہے۔

صفحہ ۱۴۹ مخمسہ برغزل قدسی کے تحت ہے:

اے نبی آپ کے صدقے میں ہوئے جملہ نبی
آپ کے نور سے ساری یہ خدائی ہے بنی

لطفی صاحب کے ان تین اشعار سے درج ذیل باتیں ثابت ہوئیں۔

۱- نور محمدی اولیت حقیقیہ ہے کیونکہ وہی نور اصل کائنات ہے۔

۲- خدا کے فیض سے رسول کا نور وجود میں آیا۔

۳- ازل سے اب تک نور محمدی روشنی بکھیر رہا ہے۔

۴- نبی کریم کے صدقے میں جملہ نبی پیدا ہوئے۔

۵- رسول کے نور سے تمام مخلوقات کو پیدا کیا گیا...... دادا تو یہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے نور محمدی کو پیدا کیا گیا اور لوح وقلم بعد میں مگر پوتا کا یہ دعویٰ کہ قلم پہلے وجود میں آیا اور نور محمدی کی کوئی حقیقت نہیں۔ ''جو چاہے تیرا حسن کرشمہ ساز کرے'' اب فیصلہ قارئین کے حوالے ہے۔

(۱۱) علماء ومشائخ کا ہاتھ چومنا: اس سلسلے میں حضرت شاہ لطفی صاحب علیہ الرحمہ کا نظریہ کیا ہے؟ اس پر تبصرہ کرنے کی بجائے ''حفیظ الدین ایک تعارف ص ۱۰۷ کی عبارت پڑھیے: ''غرض یہ مسئلہ علماء بریلوی کے خلاف ہے اس لئے کہ وہ علماء ومشائخ کا ہاتھ چومنے کی تلقین کرتے ہیں'' یعنی بقول مصنف کے شاہ صاحب علمائے کرام کے ہاتھ چومنے کو منع کرتے ہیں اس لئے علماء بریلوی کے خلاف ہوا۔ تو پھر علماء دیوبند کے موافق ہی کہاں ہے؟ علماء دیوبند بھی تو ہاتھ چومنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ فتاویٰ دار العلوم دیوبند ص ۸۶ کی عبارت یہ ہے ''تقبیل ید عالم یا صوفی پابند شریعت کی جائز ہے انحناء نہ چاہئے۔'' اس فتاویٰ کی روشنی میں یہ لکھنے میں کون سی مصیبت آگئی تھی کہ ''غرض یہ مسئلہ علماء بریلوی و دیوبندی کے خلاف ہے اس لئے کہ یہ دونوں جماعت علماء ومشائخ کا ہاتھ چومنے کی تلقین کرتے ہیں۔''

آخیر میں اپنا مقالہ اور حفیظ الدین ایک تعارف نامی کتاب پر اجمالی تبصرہ ملاحظہ کیجئے

۱- میں نے اس مقالہ میں اختصار سے کام لیا ہے تاکہ مقالہ طول نہ پکڑے اور اسی کتاب کا حوالہ دیا ہے جس پر دیوبندی علماء کو اعتماد ہے۔

۲- ''حفیظ الدین ایک تعارف'' میں عقل کا استعمال اس لئے زیادہ کرنا پڑا ہے تا کہ عصری تعلیم سے وابستہ طبقہ کی آنکھوں میں دھول جھونک کر حضرت لطیفی صاحب کے صحیح مسلک کو چھپایا جا سکے۔

۳- مذکورہ کتاب میں 'سمعی اقوال وروایات کو زیادہ دخل دیا گیا ہے۔ یہ باتیں سوانح میں روا ہیں۔ مگر مسلک واعتقاد اس سے ثابت نہیں ہوتا کیونکہ سمعی اقوال ظنیات پر موقوف ہوتے ہیں اور اعتقادی مسائل میں ظنیات کا بالکل اعتبار نہیں۔ شرح فقہ اکبر ص ۱۰۵ میں ہے۔ والظن غیر مفید فی مقام الاعتقاد۔ یہی وجہ تھی کہ یزید پر امام اعظم نے حکم کفر عائد کرنے سے توقف اختیار فرمایا۔

۴- حضرت لطیفی صاحب کے مقالے میں ہوں یا خطوط ان سے صحیح مسلک واضح کرنے کے بجائے غلط تاثیر قائم کرتے ہوئے دیوبندی مسلک سے جوڑنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۵- ''حفیظ الدین ایک تعارف'' میں بارہا یہ لکھا گیا ہے کہ شاہ صاحب کا مسلک صلح کل تھا اور وہ اسی کے حامی تھے۔ صلح کل کس اعتبار سے تھے؟ مسائل اعتقادیہ میں یا مسائل فروعیہ میں، بر تقدیر اول اس میں کسی طرح کی مصالحت جائز نہیں ورنہ ہر صلح کرنے والے پر 'من شک فی کفرہ وعذابہ فقد کفر' کا حکم نافذ ہوگا۔ اور بر تقدیر ثانی مسائل فروعیہ وجزئیہ میں تو یہ اختلاف ہوتا رہا ہے۔ اگر اسی کا نام صلح کل رکھا جائے تو پھر امام محمد علیہ الرحمہ کو بھی صلح کل کہا جائے گا کیونکہ وہ تیرہ مسائل میں حنفی مسائل سے عدول کر چکے ہیں۔ حالانکہ ان پر آج تک کسی نے صلح کل کا حکم نافذ نہیں کیا بلکہ ہر حنفی صلح کل سمجھا جائے گا۔ چونکہ بعض ایسے مسائل ہیں جس میں امام اعظم کے قول سے ہٹ کر صاحبین کے قول پر آج عمل درآمد ہے جیسے مسئلہ مضاربت وغیرہ۔ فافہم وتدبر

۶- سماع بالمزامیر کے بارے میں ص ۱۲۱ پر لکھتے ہیں: ''بظاہر یہ مسئلہ اختلافی معلوم ہوتا ہے لیکن غور طلب ہے کہ اختلاف کن کن لوگوں کا ہے۔ اہل حدیث اسے ناجائز

کہتے ہیں۔علماء دیو بند بھی اس کے خلاف ہیں اور ناجائز کہتے ہیں اور بریلویوں کے قائد مولانا احمد رضا خاں صاحب بہت شدت سے باجوں کی مخالفت کرتے ہیں۔'' جب سبھی مخالفت کرتے ہیں تو یہی سمجھا جائے گا کہ حضرت لطیفی صاحب نے ایک نئے مسلک کی داغ بیل ڈالی ہے۔تو پھر یہ صاف صاف لکھ دینا چاہئے تھا کہ شاہ صاحب ''صلح کل'' بھی تھے اور ایک نئے مسلک کے موجد بھی۔

۷- ''حفیظ الدین ایک تعارف'' ص ۱۳۰ پر 'حرف آخر' کے تحت لکھتے ہیں ''پھر قریب تیرہ مسائل ایسے ہیں جن میں سے ۱۲ میں علماء بریلی سے اختلاف اور علماء دیو بند سے اتفاق ہے اور ایک (صدقہ فطر) میں دونوں سے اختلاف ہے۔ان کے علاوہ ایک مسئلہ میں علماء بریلی سے اتفاق ہے۔غرض حضرت لطیفی صاحب کی کتابوں، واقعات اور معمولات سے صرف ایک آدھ مسئلہ میں بریلوی سے اتفاق لیکن اکثر میں علماء دیو بند سے اتفاق ہے۔''اس خود ساختہ فیصلہ کن عبارت کو بار بار پڑھئے۔ شاہ لطیفی صاحب کے مسلک وموقف کو کس انداز فکر سے بدلنے کی ناپاک جسارت کی گئی ہے۔اس کا اندازہ مذکورہ کتاب کے مطالعہ کرنے والے سے مخفی نہیں ہے۔ہم نے اپنے مقالہ میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ ذیلی عنوان بشر یا نور، علم غیب، ندائے یا رسول اللہ، حاضر و ناظر، مالک ومختار، تصرف، غوث پاک، انبیاء واولیاء سے مدد مانگنا، حضرت علی کو مشکل کشا سمجھنا اور امکان کذب، یہ وہ ۹ اعتقادی مسائل ہیں جس میں حضرت لطیفی صاحب علماء بریلوی کے ساتھ ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی فروعی مسائل میں علماء بریلوی کے ساتھ رہے ہیں۔مثلاً مزار پر فاتحہ خوانی، چراغاں، چادر پوشی، وقت مقررہ پر عرس وغیرہ۔اس کے باوجود یہ لکھ دینا کہ ''ایک آدھ مسئلہ میں بریلوی سے اتفاق رکھتے ہیں'' کیا اس عبارت سے انصاف، دیانتداری اور لطیفی صاحب کے مسلک کا خون نہیں کیا گیا ہے؟

(۸) اخیر میں اپنے خاندان والوں پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''اپنے خاندان کے لوگ جو ان کی تعلیمات سے منحرف ہیں ان کے متعلق یہی کہنا ہے:

وہ فریب خوردہ شاہین جو پلا ہو کرگسوں میں
اسے کیا خبر کہ کیا ہے وہ رسم شاہبازی
خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کردے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

"وہ فریب خوردہ شاہین" یہ شعر غلط ذہن سازی کے تحت نوک قلم پر چڑھ گیا ورنہ خاندان کے اکثر حضرات تو شاہ صاحب کے مسلک ہی پر قائم ودائم ہیں۔ البتہ مصنف صاحب شاہ لطیفی کے مسلک سے ضرور منحرف ہیں، یہ اس لئے کہ

ہوں منحرف نہ کیوں وہ رسم ثواب سے
ٹیڑھا لگا ہے قط قلم نشتر نوشت کو

خاندان کے ذی علم حضرات وہ فریب خوردہ شاہین نہیں ہیں جو کرگسوں کی گدی پر بیٹھ کر زندگی گزار رہا ہو۔ بلکہ وہ رسم شاہبازی بھی جانتے ہیں اور شاہین و کرگس کی علمی پرواز سے بھی خوب واقف ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ:

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہین کا جہاں اور

پھر خاندان والوں سے اس شعر کے ساتھ مخاطب ہونا

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کردے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

میں اس کے جواب میں بس اتنا کہہ سکتا ہوں:

قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا لیکن
ہم کو تقلید تنک ظرفی منظور نہیں

مصنف کی تقلید اس لئے منظور نہیں کہ

خیال جلوۂ گل سے خراب ہیں مے کش
شراب خانے کے دیواروں میں خاک نہیں

حضرت علامہ شاہ حفیظ الدین علیہ الرحمۃ والرضوان کی اعتقادی حیثیت

محقق زماں حضرت علامہ مولانا مفتی آل مصطفٰے مصباحی
صدر شعبۂ فقہ وادب جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی، مئو، یوپی

قدیم ضلع پورنیہ اور حال ضلع کٹیہار کا ایک چھوٹا سا گاؤں "رحمٰن پور" ہے جو بار سوئی ریلوے جنکشن سے شمال مغرب میں کوئی دس کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے، اس گاؤں کو نہ صرف علاقائی بلکہ ملک گیر شہرت اس وقت حاصل ہوئی جب یہاں کی سرزمین پر ایک نامور عالم دین، فاضل جلیل، تاج الاصفیا حضرت علامہ شاہ حفیظ الدین صاحب لطیفی علیہ الرحمۃ والرضوان نے ۱۲۴۵ھ میں کو آنکھیں کھولیں اور بہت کم عرصے میں اس خطے کو اپنے علم وعمل کی روشنی سے منور کر دیا۔ جن کی بارگاہ کے فیض یافتہ حضرات میں سے اکثر نے دینی درسگاہوں کو سنبھالا اور خانقاہی روایات کو بھی بطور امین محفوظ رکھا۔ یہ سرجاپوری خطے کی خوش نصیبی ہے کہ جہاں ایسے متبحر عالم دین وتقویٰ شعار صوفی باصفا پیدا ہوئے جنہوں نے دین و سنیت کی اشاعت میں قابل قدر کارنامہ انجام دیا۔ آج ہم انہیں بزرگوں کے لگائے ہوئے چمن کی آبیاری کی کوشش کر رہے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ آبیاری کا حق ادا نہیں ہو پا رہا ہے، یہ پورے علاقے پر ہی نہیں بلکہ جماعت اہل سنت پر ان کا احسان ہے۔ علامہ شاہ حفیظ الدین علیہ الرحمہ مذہباً مسلمان، عقیدتاً ماتریدی، مسلکاً حنفی، مشرباً چشتی صوفی تھے۔ وہ ایسے عہد میں تھے جب وہابیت و دیوبندیت اپنی بدعقیدگی کی بدبو پھیلانے میں مصروف تھی۔ آپ نے علاقے کو بدعقیدگی سے بچانے کے لیے بڑی کوشش فرمائی۔ آپ کی دینی خدمات آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ آپ اپنے تلامذہ کو بھی دین وسنیت پر گامزن

رہنے کی سختی سے تاکید فرماتے۔ مگر آپ کا ایک ناخلف شاگرد و خلیفہ جس کی قسمت میں روز اول سے گمرہی لکھی تھی وہ وہابیت زدہ ہو کر گمراہ ہو گیا۔

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

ذیل میں اسی تعلق سے ایک واقعے اور ایک اہم فتوے کی روشنی میں حضرت علامہ حفیظ الدین علیہ الرحمہ کی اعتقادی حیثیت کو واضح کیا جاتا ہے:

یہ بات تو اپنوں اور غیروں دونوں کے نزدیک مسلم رہی کہ حضرت علامہ شاہ حفیظ الدین صاحب علیہ الرحمہ جلیل القدر عالم مسلکاً حنفی مشرباً چشتی تھے سنی صحیح العقیدہ تھے، وہابیت و بدمذہبیت سے دور و نفور تھے، افسوس کہ ان کے بعد ان کی بعض ناخلف اولاد وہابیت و بدمذہبیت کا شکار ہو کر اپنے مورث اعلیٰ کو وہابیت زدہ بتانے کی ناپاک جسارت کر رہی ہے۔ جبکہ یہ زمینی حقیقت کے خلاف ہے، جس پر علامہ حفیظ الدین علیہ الرحمہ کے معتقدات شاہد عدل ہیں۔ انہوں نے زندگی کے آخری لمحے تک دین وسنیت کی تبلیغ و اشاعت فرمائی اور مذہب حق اہل سنت و جماعت پر نہ صرف یہ کہ خود مضبوطی سے قائم رہے بلکہ دوسروں کو بھی اس پر قائم رہنے کی تعلیم و ترغیب دیتے رہے جس پر ان کی زندگی کے شب و روز، ان کی درسگاہ، ان کی خانقاہی تعلیم، ان کی اعتقادی حیثیت شہادت دیتی ہے۔

اس وقت حضرت صدر الشریعہ علامہ امجد علی قادری مصنف بہار شریعت کا مجموعۂ فتاویٰ ''فتاوی امجدیہ، جلد چہارم'' میرے پیش نظر ہے، اس میں ''کتاب السیر'' کے اندر ایک طویل محقق فتویٰ ہے جو میرے اس دعویٰ کے ثبوت کے لیے کافی ہے۔

واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ علامہ شاہ حفیظ الدین علیہ الرحمہ کا ایک شاگرد و خلیفہ جو چنڈی پور کا رہنے والا تھا، جس کا نام محمد عابد حسین تھا اس نے بارگاہ حفیظی میں تعلیم تو حاصل کر لی مگر وہابیوں کے چنگل میں پھنس جانے کی وجہ سے اپنے معتقدات کو مذہب حق اہل سنت و جماعت کے مطابق نہ رکھ سکا۔ وہ امام الوہابیہ اسماعیل دہلوی کی تعریف میں رطب اللسان رہتا، اس کی بدنام زمانہ ''تقویۃ الایمان'' کی تعریف کرتا، ''صراط المستقیم'' کے کفری

اقتباسات کو استحسان کی نظر سے دیکھتا، تقویۃ الایمان کے کفریات کو اسلام ثابت کرنے کی پوری کوشش کرتا، سینے میں بدعقیدگی کی بدبو پھیل جانے کے بعد اس نے اپنا قبلہ اپنے استاذ (علامہ شاہ حفیظ الدین علیہ الرحمہ) کی بجائے وہابی دیوبندی ملاؤں کو بنالیا، انہیں کی طرف رجوع کرتا، انہیں سے اپنے مسائل حل کراتا اور خود بھی جو کچھ تقریر کرتا حمایت وہابیت میں کرتا، ردوہابیت کا جو مزاج ان کے استاذ گرامی علیہ الرحمہ نے دیا تھا اسے یکسر بدل ڈالا، چنانچہ فرنگی محل لکھنؤ میں زیر تعلیم مولوی لطیف الرحمٰن پورنوی نے ۱۴؍شعبان المعظم ۱۳۴۵ھ کو ایک استفتا حضرت صدر الشریعہ مصنف بہار شریعت علیہ الرحمہ کی خدمت میں بھیجا تھا جس میں مستفتی نے یہ صراحت کی ہے کہ مولوی عابد حسین چنڈی پوری، مصنف تقویۃ الایمان اسماعیل دہلوی کو سنی حنفی سمجھتے ہیں اور ان کے مسلک کی صفائی میں ان کے اقوال کی توضیح کرتے ہیں کیونکہ جب مولوی عابد سے یہ پوچھا گیا کہ اسماعیل دہلوی کی صراط مستقیم کی ایک لمبی عبارت کا ایک حصہ یہ ہے: ''تا اینکہ روزے حضرت جلا وعلا دست راست ایشاں رابدست قدرت خاص خود گرفتہ'' دوسری عبارت میں ہے: ''از بس کہ نفس عالی حضرت ایشاں بر کمال مشابہت جناب رسالتمآب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم در بدو فطرت مخلوق شدہ۔'' جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ عزوجل ہمارے پیر سے کلام کرتا ہے، یہ پیر خدا سے ہاتھ میں ہاتھ ملا کر باتیں کرتا ہے۔ جب کہ یہ عبارت کفری ہے، کیونکہ یہ رتبہ تو نبی اور فرشتے کے ساتھ مخصوص ہے، ان عبارتوں میں امام الوہابیہ اسماعیل دہلوی نے اپنے جاہل پیر کو خواص انبیا میں داخل کرنے کا دعویٰ کیا اور یہ کفر صریح ہے۔ تو مولوی عابد نے لکھا اور مذکورہ کفریات کی حمایت وتائید کرتے ہوئے دست قدرت کے دونوں شانوں میں رکھنے والی حدیث کو ذکر کیا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ عزوجل نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کیا اس طرح اسماعیل دہلوی کے پیر سے بھی اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شانوں کے درمیان دست قدرت کو رکھا تو اسماعیل کے ہاتھ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں لیا۔ مولوی عابد چنڈی پوری نے توضیح میں اسماعیلی کفر کی تائید کی کہ دہلوی کا پیر بھی ویسا ہی ہے جیسا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ کیونکہ حضور کی طرح اللہ تعالیٰ دہلوی

کے پیر سے بھی کلام کرتا تھا۔ اور ہاتھ بھی ملاتا تھا۔ یہ صریح کفر ہے۔ دہلوی کا پیر جاہل تھا مگر دہلوی نے اپنے پیر کی جہالت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت امیت کے مشابہ کہا یہ بھی کفر ہے۔ اور اس کی تائید وتوضیح مولوی چنڈی پوری نے کی اور کفر کی تائید اور کفر سے رضا بھی کفر ہے۔ مولوی عابد چنڈی پوری سے چند سوالات کیے گئے تھے جس میں خصوصیت کے ساتھ 'حفظ الایمان'' کی اس ناپاک عبارت کے بارے میں پوچھا گیا تھا، جس میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے علم غیب کو بچوں پاگلوں جانوروں کے علم سے تشبیہ دی گئی ہے یا ان کے برابر بتایا گیا ہے۔ عبارت یہ ہے: ''پھر یہ کہ آپ (حضور ﷺ) کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہے، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس سے مراد بعض علم غیب ہے یا کل غیب، اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور ہی کی کیا تخصیص ایسا علم غیب تو زید وعمرو (ہماشما) بلکہ ہر صبی ومجنوں (بچہ و پاگل) بلکہ جملہ بہائم وحیوانات (جانور، چوپائے، الو، گدھا، خچر وغیرہ) کو بھی حاصل ہے۔'' (حفظ الایمان، ص ۷)

سہارنپوری وہابی مفتی نے حفظ الایمان کی عبارت پر حکم لگانے کی بجائے اصول جواب سے ہٹ کر بلکہ قرآن وحدیث سے ہٹ کر یہ جواب لکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب نہیں تھا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے علم غیب کی نفی فرما رہے ہیں۔ مولوی عابد اگر سنی صحیح العقیدہ ہوتا تو اولاً وہابی اور سنی کے درمیان فرق وامتیاز کے لیے کسی سنی دارالافتاء کی طرف رجوع کرتا نہ دیوبندی مفتیوں کی طرف، پھر سہارنپوری دیوبندی مفتی کا جواب جو کئی طرح سے غلط وخلاف قرآن وحدیث ہے۔ کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب عطا کیا جانا قرآن وحدیث کی نص صریح سے ثابت ہے۔ مثلاً ''لا یظہر علی غیبہ احداً الا من ارتضٰی من رسول'' اللہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا سوائے اپنے پسندیدہ رسول کے۔ دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے: ''وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء'' اے عام لوگو! اللہ تم کو غیب پر مطلع نہیں فرماتا لیکن اپنے رسول میں سے چاہتا ہے غیب پر اطلاع کے لیے چن لیتا ہے۔ اور فرماتا ہے: ''وما ہو علی الغیب بضنین'' اور نبی غیب بتانے پر بخیل نہیں۔ اسی طرح متعدد احادیث کریمہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا

غیب پر مطلع ہونا ثابت ہے۔ حدیث پاک میں فرمایا گیا: ''ان اللہ تعالیٰ قد رفع لی الدنیا فان انظر الیہا والی ماہو کائن فیہا الی یوم القیامۃ کانما انظر الی کفی ہذہ۔'' (طبرانی معجم کبیر، ابو نعیم فی الحلیہ عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ترجمہ:۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے دنیا کو میرے روبرو کر دیا ہے تو میں اسے اور اس کی تمام چیزوں کو اس طرح دیکھ رہا ہوں جیسے اپنے ہاتھ کی اس ہتھیلی کو۔'' اور عقل بھی یہی کہتی ہے کہ ہم نے جنت کو نہیں دیکھا جہنم کو نہیں دیکھا، خیر وشر کے احوال کو ملاحظہ نہیں کیا، علامات قیامت کا مشاہدہ نہیں کیا۔ مگر ان سب پر ایمان اس لیے ہے کہ ہمارے نبی علیہ السلام نے ہمیں ان مغیبات کی خبر دی۔ پھر سہارنپوری دیوبندی کو پتہ نہیں کہ نبی کا معنی ہی ہے غیب کی خبر دینے والا تو نبی کو غیب داں نہ ماننے کا مطلب یہ ہے کہ نبی کی نبوت کا انکار۔ سہارنپوری دیوبندی مفتی نے اپنے غیر متعلق فتوی میں جو آیتیں علم غیب کی نفی پر بطور دلیل پیش کی ہے وہ اس کے دعوے کو ثابت نہیں کرتیں۔ نام نہاد فتوے میں جو آیت ذکر کی گئی، مثلاً: ''قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب ولا اقول لکم انی ملک'' (سورہ انعام، پ ۷، آیت ۵۰) ترجمہ: ''تم فرمادو میں تم سے نہیں کہتا میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہوں کہ میں آپ (خود سے) غیب جان لیتا ہوں، اور نہ تم سے یہ کہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔''

دوسری جگہ باری تعالیٰ فرماتا ہے: ''**وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمہا الا ھو**'' (سورہ انعام پ ۷، آیت ۹۵) ترجمہ: ''اور اسی کے پاس ہیں کنجیاں غیب کی انہیں وہی جانتا ہے۔

پہلی آیت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات سے علم غیب کی نفی نہیں فرما رہے ہیں بلکہ علم غیب کے ادّعا اور ذاتی طور پر جاننے کی نفی فرما رہے ہیں۔ آیت کے کلمات پر غور کرنا چاہیے۔ دوسری آیت میں علم غیب کو اللہ عزوجل کے لیے بطور حضور خاص بتایا گیا ہے۔ سہارنپوری دیوبندی مفتی کو یہ پتہ نہیں کہ یہاں مراد علم غیب ذاتی ہے۔ جو یقیناً اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ یہاں علم غیب عطائی کی بات ہے نہ اس سے سید الانبیا علیہم السلام سے نفی کی بات، ورنہ بہت سی آیتوں میں تعارض لازم آئے گا۔ مولوی عابد چنڈی

پوری نے کسی قسم کا کوئی رد نہ کیا اور سہارنپوری جواب کے صحیح یا غلط ہونے سے متعلق دریافت کرنے پر یہ جواب دیا کہ: ''کیا جواب میری زبان پر ہے؟ کئی سو برس کے بعد جواب ملے گا۔'' غور کرنے کا مقام ہے گفتگو وہابیت، گمر ہیت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے علم غیب کے انکار کی ہو رہی ہے۔ اور نہ صرف انکار کی بلکہ ایسے شخص (مولوی اشرف علی تھانوی) کی ایسی عبارت کے بارے میں مستفی حکم پوچھ رہا ہے جس پر علمائے عرب وعجم نے کفر وارتداد کا فتویٰ دیا اور فرمایا: ''**من شک فی کفرہ وعذابہ فقد کفر**'' جو اس کفر پر اطلاع شرعی یقینی کے بعد قائل کی تکفیر نہ کرے یا اس کے عذاب دیئے جانے میں شک کرے وہ بھی کافر ومرتد ہے۔ اور عابد چنڈی پوری چپی سادھ کر سہارنپوری دیوبندی جواب کی تائید وحمایت کرر ہا ہے۔ اگر ایمانی غیرت مردہ نہ ہوتی یا ایمان زائل نہ ہوا ہوتا تو کھلے لفظوں میں چنڈی پوری یہ کہتا کہ وہابی شان الوہیت ورسالت میں گستاخ کا نام ہے۔ اور اشرف علی تھانوی قطعاً یقیناً حتماً کافر ومرتد ہے کہ اس نے حضور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کی دو قسمیں نکالیں (۱) کل علم غیب (۲) بعض علم غیب۔ کل علم غیب کو عقلاً نقلاً باطل بتایا اور بعض علم غیب کو مانا مگر اس صریح گستاخی کے ساتھ اس بعض غیب کو ہما شما بچہ پاگل جانور اور چوپایے سے تشبیہ دی اور اس کے برابر بتایا اور اس پر پوری دنیا کے مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ جو ایسا عقیدہ رکھے وہ بلا شبہ مسلمان نہیں کافر ومرتد ہے۔ مولوی عابد چنڈی پوری نہ یہ حکم لگا سکتے تھے اور نہ وہابیوں کے خلاف تبصرہ کر سکتے تھے۔ کیونکہ وہ حضرت علامہ و مولانا الشاہ حفیظ الدین صاحب علیہ الرحمہ کے مسلک وعقیدہ سے الگ ہو کر وہابیوں دیوبندیوں کے زمرے میں شامل ہو چکے تھے۔ اور اپنی عقیدت کا مرکز بجائے رحمٰن پور شریف کے دیوبند وسہارنپور کو بنا چکے تھے۔ استاذ و پیر (علامہ حفیظ الدین)، اسماعیل دہلوی کی رسوائے زمانہ کتاب ''تقویۃ الایمان'' کو ہمیشہ ''تخریب الایمان'' یعنی ایمان کو برباد کرنے والی کتاب بتاتے رہے۔ ان کا نام نہاد مرید وخلیفہ مولوی عابد چنڈی پوری انگریزوں کی شہ پر لکھی جانے والی کتاب ''تقویۃ الایمان'' کی حمایت اور اس کے مصنف کو سنی حنفی قرار دیتے رہے جو وہابیت کی کھلی علامت ہے۔ اس لیے جب ضلع کٹیہار کے

ارباب حل وعقد نے استفتا میں مولوی عابد کی ان حرکتوں کو ذکر کر کے حضرت صدر الشریعہ بدر الطریقہ علامہ مفتی امجد علی گھوسوی علیہ الرحمہ والرضوان کی خدمت میں پیش کیا تو انہوں نے اپنے طویل فتوے میں مولوی عابد چنڈی پوری کو وہابی وگمراہ اور گمراہ گر بتایا اور حضرت مولانا شاہ حفیظ الدین علیہ الرحمہ کو سنی صحیح العقیدہ قرار دیا۔ وہ اپنے طویل فتوے میں فرماتے ہیں: ''یہ شخص پکا وہابی ضال ومضل ہے، مولانا شاہ حفیظ الدین کا مسلک مصنف تقویۃ الایمان سے بالکل الگ وہ اس کی کتاب کو گمراہ کن قرار دیتے تھے۔ اور یہ خلیفہ اس کا مؤید پھر دونوں کا ایک مسلک کیونکر قرار پاسکتا ہے؟ جب کہ پیر کے طریقہ کو چھوڑ ا مذہب اہل سنت سے کنارہ کش ہوا، وہابیہ کو اچھا جاننے لگا تو خود بھی انہیں میں داخل ہو کر بیعت و خلافت سے دستبردار ہوا کہ یہ چیزیں ایسی نہیں کہ مذہب ترک کرنے کے بعد بھی باقی رہیں۔ اس کے ہاتھ پر بیعت کرنا ناجائز وحرام اور جو لوگ نادانستہ بیعت کر چکے ہیں وہ اب فوراً علیحدہ ہو جائیں کہ وہ بیعت بیعت ہی نہیں نہ اس بیعت سے کوئی فائدہ متصور، ان کو چاہیے کہ شاہ صاحب کا کوئی دوسرا خلیفہ، مستجمع شرائط ہو تو اس کے ہاتھ پر بیعت کریں ورنہ کسی دوسرے پیر سنی المذہب سے مرید ہوں۔''

''بہر حال جب یہ خلیفہ مصنف تقویۃ الایمان اور اس کتاب کو اچھی نظر سے دیکھتا ہے تو اپنے پیر کے مسلک کے خلاف ہے۔'' ''بالجملہ جس نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں یہ بیہودہ کلام لکھا اس نے بیشک گستاخی اور توہین کی اور وہ بلاشبہ کافر، اور جو اس کا مؤید ہے وہ بھی اسی کے حکم میں، مسلمانوں پر لازم کہ ایسوں سے دور رہیں ورنہ شیطان کو گمراہ کرتے دیر نہیں لگتی۔ اعاذ نا اللہ تعالیٰ من ذٰلک۔ واللہ تعالیٰ اعلم''

(فتاویٰ امجدیہ، ج ۴، ص ۴۲۷۔۴۳۰)

مذکورہ بالا تفصیلات سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ حضرت علامہ شاہ حفیظ الدین علیہ الرحمہ خالص سنی صحیح العقیدہ تھے۔ وہابیت و دیوبندیت کی بیخ کنی کرنے والے تھے۔ ایسے سنیت اور ما انا علیہ واصحابی پر قائم رہنے والے عالم و بزرگ کو وہابی فکر کا حامل بتانے کی کوشش کرنا (جیسا کہ ان کے خاندان کے یک وہابی و دیوبندی

مولوی نے کی ہے) قابل مذمت فعل ہے جس کا حقیقت سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں۔ ع
چہ دلاورست دزدے کہ بکف چراغ دارد۔ دراصل آدمی اپنے ہی آئینے میں دوسروں کو بھی دیکھنا چاہتا ہے۔ اور اپنے غیب اور گندگی پر پردہ ڈلنے کے لیے اپنے بزرگوں پر الزام و اتہام کا سہارا لیتا ہے۔ نہ صرف راقم الحروف بلکہ پورا علاقہ مولانا شاہ حفیظ الدین علیہ الرحمہ کے سنی صحیح العقیدہ عالم دین اور ولی کامل ہونے کی شہادت دیتا ہے۔

حضرت لطیفی اور حق گوئی و بیباکی نیز احقاق حق و ابطالِ باطل

حضرت مولانا صادق رضا مصباحی
امام وخطیب رضائے مصطفیٰ جامع مسجد بارسوئی، کٹیہار، بہار

آپ دین و مسلک کی حفاظت و صیانت، عقائد واعمال کی محافظت ونگہداشت میں قابل تقلید استقلال و استقامت کے حامل تھے۔ کبھی کسی صلح کلی کی مصالحت، کسی مذبذب کی مداہنت قبول نہ کی، کبھی کسی دریدہ دہن و گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم وہابی و دیوبندی کو پاس پھٹکنے نہ دیا۔ اس روش میں کبھی کسی کی خوشی و ناراضگی کا خیال نہ کیا۔ ہمیشہ اپنے موقف پر راسخ وغیرہ متزلزل ہو کر جمے رہے۔ بلکہ بروقت ضرورت اہلیان باطل کی سر کوبی کے لیے متاع لوح وقلم کے ساتھ میدان عمل میں بھی آئے۔ ۱۳۲۴ھ کا واقعہ ہے۔ ارریہ بہار میں باہر سے کوئی گمراہ گر وہابی مولوی آیا اور سادہ لوح عوام کو اپنے دام تزویز میں پھانسنا چاہا۔

وہاں کے لوگوں نے آپ کو اس کی اطلاع دی۔ آپ اپنے ممتاز شاگرد مولانا کرامت حسین تمنا کے ہمراہ ارریہ کے لیے روانہ ہوگئے۔ آپ کی آمد کی خبر پہنچتے ہی وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ وہاں سے واپسی کے بعد آپ نے وہابی مولوی کی پھیلائی ہوئی گمراہیوں کا قلع قمع کرنے اور اس کے پوچھے گئے سوالات کے مسکت و دندان شکن جوابات دینے کے لیے مولانا کرامت حسین تمنا کو ایک رسالہ تالیف کرنے کا حکم دیا۔ مولانا نے مناظرانہ اسلوب میں "شگوفہ تمنا" نامی رسالہ لکھا۔

آپ کی جرأت حق گوئی و بے باکی کی ایک روایت بہت مشہور اور زبان زد عام و

خاص ہے۔ حضرت مولانا امام مظفر حسین صاحب آپ کے صاحبزادۂ اول تھے آپ نے معقولات وطب کی تعلیم کے لیے موصوف کو رامپور بھیجا۔ رامپور میں جناب والا اپنے بعض شناساؤں کے چھلاوہ وفریب کے شکار ہو گئے اور حصول تعلیم کے لیے وہاں سے دارالعلوم دیوبند چلے گئے۔ آپ کو جب اس حادثے کی خبر ملی آپ نے بے پناہ برافروختہ ورنجیدہ خاطر ہوئے۔ دوسرے روز ہی ایک خادم کی معیت میں رخت سفر باندھا اور دیوبند کے لیے نکل پڑے۔ کئی روز سفر کی صعوبتوں ومشقتوں کو برداشت کرنے کے بعد دیوبند پہنچے۔ اور سیدھے دارالعلوم گئے۔ پہلے صاحبزادے کی خوب گوشمالی اور سرزنش کی پھر فی الفور سامان سفر کی تیاری کا حکم دیا۔ کئی گھڑی یہاں ٹھہرے اور بعجلت واپس ہو گئے۔ براہ راست دہلی آکر دم لیا اور یہاں اطمینان سے پڑاؤ ڈالا۔ وقت مراجعت کئی اساتذہ دارالعلوم بغرض ملاقات خدمت میں آئے اور صاحبزادہ کو ہمراہ لیجانے کی وجہ دریافت کی۔ آپ پورے جاہ وجلال کے ساتھ فرمانے لگے ”مظفر میاں کا تمہارے ہاں آنے پر مجھے جتنا رنج وملال ہوا اس کے مرجانے پر اتنا رنج وملال نہ ہوتا“ پھر ان لوگوں نے آپ کے حضور تاثراتی رجسٹر پیش کیا۔ آپ نے کچھ تحریر کرنے سے اجتناب کرنا چاہا لیکن جب اصرار ہوا تو برجستہ لکھا ”ماوجدت فیکم خیراً“ اور اسے باآواز بلند پڑھ کر بھی سنایا۔

تحریک ردندوہ میں شرکت

سرسید احمد خاں نے جب برسوں سے تیار کیے گئے اپنے ذہنی خاکے کو ۷/جنوری ۱۸۷۶ء میں علی گڑھ کی سطح زمین پر بصورت محمڈن کالج اُتارا اور ۸/جنوری ۱۸۷۷ء کو لارڈ لٹن (Litton Lord) نے اس کا افتتاح کیا تو اس کے شعبہائے تعلیم کے لیے جو استاتذہ و معلمین منتخب کیے گئے۔ ان میں اکثریت سفید فام فرنگیوں کی تھی۔ صرف عربی و فارسی اور دینیات کے صیغوں میں مسلمان ٹیچرس کی تقرری ہوئی۔ فارسی زبان و ادب کے استاد ”شبلی نعمانی“ تھے۔ محمڈن کالج فنڈ کمیٹی کے سکریٹری مولوی سمیع اللہ کی نظر عنایت ان پر پڑی اور وہ بحال کر لیے گئے۔ ”شبلی“ ۱۸۸۱ء تا ۱۸۹۵ء کالج میں ملازم رہے

اور چانک فروری ۱۸۹۶ء کو ملازمت سے مستعفی ہو گئے۔ بوریا بستر سمیٹ کر حیدر آباد کی راہ لی۔ وہاں پہنچ کر سید احمد خاں کے تعلق سے ان کے معتقدات و خیالات میں خلاف امید، حیرت انگیز انقلاب رونما ہوا۔ کل تک جو شبلی سید احمد خاں کا معتمد خاص، دست راست بلکہ مولوی عبدالحلیم شرر کی زبان میں ''سرسید کی فوج کا نامی پہلوان تھا'' اب اپنے علمی اثر ورسوخ، ذاتی روابط و تعلقات اور زبان و قلم کی ساری توانائیوں کے ساتھ اس کی مخالفت پر کمربستہ ہو گیا۔ عفریت مخاصمت جب زیادہ شریر ہوا تو باضابطہ ایک محاذ تشکیل دیا اور ڈٹ کر معرکہ آرائی شروع کی۔ تصویر کے اس قلب ماہیت کے علل واسباب پر غور و تحقیق کی جائے تو شبلی کے جملہ سوانح نگاروں میں مولوی عبدالحلیم کی بات سب سے مناسب و موزوں اور صداقت و حقیقت کی عکاس معلوم ہوتی ہے ''مولانا اس ثانوی حیثیت کو ناپسند کرتے تھے۔ اس لیے انہوں نے کالج سے علیحدگی اختیار کر کے ندوۃ العلما میں شرکت کی اور سمجھے کہ اس ذریعے سے علما کا سرتاج اور شیخ الکل بن کے اس درجے پر پہنچ جاؤں گا جو سید صاحب کے درجے سے مافوق ہے''۔[۵]

''علامہ'' بڑے خود پسند، خود ادعا، انانیت و نفسانیت پرست واقع ہوئے تھے ہمچوں دیگرے نیست کا سودا سر میں سمایا ہوا تھا۔ قیام علی گڑھ سے اسے اور جلا ملی تھی ملازمت کالج سے پہلے وہ صرف مشرقی علوم کے عالم تھے۔ لیکن یہاں پہنچ کر سرسید کی رہنمائی اور پروفیسر آرنلڈ (Prof.Ormald) کی صحبت سے مغربی علوم تک ان کی رسائی ہو گئی اب وہ اپنے کو عالموں میں سب سے بلند رتبہ اور فقید المثال عالم اور پروفیسرس میں اعلیٰ پایہ اور بے نظیر پروفیسر سمجھنے لگے۔ اس خوش فہمی اور خود فریبی کا انجام یہ ہوا کہ وہ سرتاج علما و شیخ الکل بن جانے کا خواب دیکھنے لگے۔ علی گڑھ کے محدود رقبے وہ بھی ''اس ثانوی حیثیت'' میں اس کا شرمندۂ تعبیر ہونا ممکن نہ تھا۔ اب انہیں ایسے وسیع میدان اور مضبوط خیمے کی تلاش تھی۔ جس کے وہ خود شہسوار اور علمبردار ہو جائیں اور ایسی پنگھٹ کی جستجو تھی۔ جہاں ان کی تشنہ لبی ایکدم سیرابی میں بدل جائے۔ حکومت افرنگیہ کے وفادار و اطاعت شعار ڈپٹی کلکٹر مولوی عبدالغفور کی تحریک پر دو سادے دل بھلے مانس مولوی محمد علی مونگیری اور مولوی عبدالحق

دہلوی لکھنؤ میں ''ندوۃ العلما'' کا ایسا تیار خیمہ لیے بیٹھے تھے۔ ''علامہ'' کی مقناطیسی و پرکشش شخصیت ان دونوں کو بسہولت اپنے شیشے میں اتارنے میں کامیاب وکامراں ہوگئی اورانہوں نے زمام قیادت وسیادت اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور خود سالار کارواں ومیر قافلہ بن گئے۔

''علامہ'' کا مطمح نظر یہ تھا کہ ندوۃ العلما کو قدیم وجدید کا گہوارہ، اور مشرقی ومغربی افکار وخیالات نیز تہذیب وتمدن کا معجون مرکب بنایا جائے۔اس سے بڑھ کر مرکزی خیال و بنیادی مقصد یہ تھا کہ اسے ایک ایسا مخلوط ومشترکہ پلیٹ فارم بنایا جائے جس پر شیعہ وقادیانی، وہابی و دیوبندی، نیچری وچکڑالوی وغیرہ سبھی جادۂ حق وحقانیت سے منحرف و برگشتہ فرقوں کے ساتھ سنی صحیح العقیدہ علماوعوام بھی اپنے اپنے اعتقادی اختلافات و مناقشات بالائے طاق رکھ کر جمع ہوجائیں۔شیخ اکرام لکھتے ہیں''ندوہ کا دعویٰ تھا کہ یہ قدیم وجدید بالفاظ دیگر دیوبند وعلی گڑھ کا مجموعہ ہوگا''۶ دوسری جگہ تحریر کرتے ہیں''علامہ (شبلی) چاہتے تھے کہ علما ندوۃ العلماء کے جھنڈے تلے متحد ہوجائیں اور ایک عظیم الشان طاقت بن جائیں''۷ ایک مقام پر دارالعلوم ندوہ کی تاسیس کے موقع سے خود علامہ کے تاثرات نقل کرتے ہیں''یہ پہلا ہی موقع تھا کہ مقدس علماء عیسائی فرمانروا کے سامنے ولی شکر گزاری کے ساتھ ادب سے خم تھے۔یہ پہلا ہی موقع تھا کہ شیعہ وسنی ایک مذہبی درسگاہ کی رسم ادا کرنے میں برابر کے شریک تھے۔یہ پہلا ہی موقع تھا کہ ایک مذہبی درسگاہ کا سنگ بنیاد ایک غیر مذہبی کے ہاتھ رکھا جارہا تھا۔

غرض یہ پہلا ہی موقع تھا کہ ایک مذہبی سقف کے نیچے نصرانی، مسلمان، شیعہ وسنی، حنفی ووہابی، رند، زاہد صوفی، واعظ خرقہ پوش اور کج کلاہ سب جمع تھے''۸

انعقدت حفلۃ مدرسۃ فیض عام سنۃ احدیٰ عشرۃ وثلاث مأۃ والف فی کانفور وحضرہا اکثر العلماء النابہین وہی الحفلۃ التی تأسست فیہا ندوۃ العلماء ومن اغراضہا توحید کلمۃ المسلمین واصلاح ذات البین بین علمائ الطوائف واصلاح التعلیم الدینی وحضرہا المفتی احمد رضا المترحم وخرج منہا ۱۳۱۱ھ۔مدرسہ فیض عام کانپور میں ایک اجلاس منعقد ہوا۔جس

میں اکثر اکابر علماء شریک ہوئے۔ یہیں ندوۃ العلماء کی بنیاد رکھی گئی۔ جس کے اہم اغراض و مقاصد اتحاد المسلمین، علما کے مختلف طبقوں میں تعلقات باہمی کی سدھار اور دینی تعلیم کی اصلاح تھے۔ اس اجلاس میں مفتی احمد رضا شریک ہوئے پھر اس۔سے علیحدہ ہو گئے" ۹ چونکہ اجلاس میں شرکت کے بعد جب آپ کو ارباب ندوہ کے گمراہ کن عقائد و نظریات معلوم ہوئے علامہ کی پرکالۂ آتش ذات اور ان کے رفقائے کار کے خفیہ عزائم اور منصوبوں سے واقفیت ہوئی اور سب سے بڑھ کر جب آپ نے ایک ہی اسٹیج پر علمائے اہل سنت کے ساتھ باطل مکاتب فکر کے اصحاب وافراد کو بھی دیکھا تو آپ کے معیار شدت وتصلب فی الدین اور دینی غیرت وحمیت کے لیے اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں تھا کہ "ندوۃ العلماء" سے لاتعلقی و علیحدگی اختیار کر لیتے۔ اس لیے جب ندوہ کا دوسرا اجلاس بریلی شریف میں منعقد ہوا اور آپ کو دعوت شرکت دی گئی تو آپ نے بذاتِ خود شرکت کرنے سے گریز کیا بلکہ ندوہ کے اہل حل وعقد کے پاس اپنا ایک وفد اور سترہ شرعی مواخذات واعتراضات پر مشتمل ایک سوالنامہ روانہ کیا۔

حضرت علامہ عبدالسلام جبل پوری والد مکرم برہان ملت حضرت علامہ برہان الحق جبل پوری (علیہما الرحمۃ والرضوان) امیر وفد تھے۔ یہ وفد جب برسر اجلاس مقررین و حاضرین کے درمیان پہنچا اور امیر وفد نے بہانگ دہل اپنے تأثرات وخیالات کا اظہار کرتے ہوئے اس سوالنامہ کو بھی پڑھ کر سنایا اور ارباب ندوہ خصوصاً "علامہ" سے صاف و صریح جوابات کا طالب ہوا۔ تو وہ سبھی اس غیر متوقع ردعمل سے سخت سکتے میں پڑ گئے۔ ان واجبی و شرعی سوالات و مواخذات کے قرار واقعی جوابات ان سے نہ بن پڑے۔ بلکہ حیل و حجت اور لیت ولعل سے کام لینے لگے "علامہ تو سیخ پا ہی ہو گئے فرط غیظ و غضب میں آ کر امیر وفد حضرت علامہ عبدالسلام جبل پوری کو "کل کا لونڈا" اور وفد کے ایک بزرگ عالم دین کو "جٹا دھاری مولوی" کہہ گئے۔ ۱۰ ابر سر اجلاس علامہ کے ذریعہ کی گئی تحقیر و تذلیل، تمسخر و تضحیک کے بعد وفد واپس آ گیا اور اعلیٰ حضرت بریلوی کو مواخذات شرعی سے ارباب ندوہ کی پہلو تہی و فرار اور علامہ کی انانیت وہٹ دھرمی سے باخبر کیا۔

اب وقت کے عظیم پاسبان شریعت محافظ ناموس رسالت، قاطع بدعت وضلالت مجدد اسلام حضور سیدنا مولانا شاہ امام احمد رضا خاں بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنا پر شرعی و ملی نقطۂ نظر سے لازم ہوگیا کہ وہ قوم مسلم کو جماعت ندوہ کے مکر وکید، باطل وفاسد اعتقادات و خیالات، عاطل وکاسد افکار ونظریات سے واقف کرائیں اور اس شورش و فتنے کی یلغار سے انہیں بچائیں بلکہ ان کے گرد وپیش دیوار سکندری کھڑی کردیں۔ چنانچہ اس کی تردید و ابطال کی خاطر ''تحریک جدوہ'' کی بنیاد پڑی۔ اس تحریک نے انقلاب انگیز وقیامت خیز آب وتاب کے ساتھ احقاق حق وابطال باطل کا بیڑا اٹھایا۔ حضرت مولانا مفتی ابوالمساکین محمد ضیاء الدین علیہ الرحمہ کے الفاظ میں اس کی روداد سنیں ''علمائے کرام نے ندوے کی رد میں کوئی بات نہ اٹھا رکھی۔ تحریری رو میں بھی کامل حصہ لیا۔ قریب دو سو کے کتابیں اور رسالے تصنیف فرما کر مفت تقسیم کیے۔ ایک ہزار کے قریب اشتہاروں کی اشاعت کی، جلسوں کی رودادیں طبع کرا کر شہر در شہر پہنچائیں''۔[۱۱]

ملک گیر سطح پر بڑے بڑے مرکزی شہروں پٹنہ، کلکتہ، بنگلور، مدراس وغیرہ میں عظیم الشان و تاریخ ساز جلسے و کانفرنسیں ہوئیں۔ پٹنہ میں ہفت روزہ اجلاس منعقد ہوا۔ جو ۵؍تا ۱۱؍رجب المرجب ۱۳۱۸ھ کی تاریخوں میں تھا۔ اس میں ملک بھر کے ۳۱۳؍تین سو تیرہ چیدہ چیدہ اعاظم علما ومشائخ کرام مدعو کیے گئے۔ شمشرقی بہار کی نمائندگی کے لیے محب الرسول تاج الفحول حضرت مولانا عبدالقادر بدایونی اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے حضرت لطیفی کا انتخاب فرمایا اور دعوت شمولیت وشرکت دی۔ حضرت لطیفی شرکت کے لیے پٹنہ تشریف لے گئے اور اجلاس کی ساری کاروائیوں اور سرگرمیوں میں نمایاں حیثیت سے اختتام تک شریک رہے۔ پھر آپ یہاں سے کاروان جدوہ کا مستقل حصہ بن گئے اور مدراس کے آخری اجلاس تحریک منعقدہ ۱۹۲۰ھ تک متحرک وفعال ہو کر شریک رہے۔[۱۲]

باب چہارم

کشف وکرامات

کرامات حضرت شاہ حفیظ الدین رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا شعیب احمد مصباحی
جامعہ اشرفیہ مبارک پور

قدوۃ العلماء زبدۃ الاصفیاء حضرت مولانا شاہ حفیظ الدین لطیفی برہانی (۱۲۴۵ھ) علیہ الرحمہ ہمالیائی شخصیت کے مالک تھے، آپ کو بارہ گاہ الٰہی میں جو رتبہ حاصل ہے اس کی حصولیابی کے لیے ایک عام انسان ترستا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی باریک بینی، مستقل شناسی اور غیب دانی سے مستقبل کے پردے کو اٹھا کر آپ ہی جیسے علماء و فضلاء کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا کہ ''جس نے عالم دین کی زیارت کی گویا اس نے میری زیارت کی، جس نے عالم دین سے سلام و مصافحہ کیا گویا اس نے مجھ سے سلام و مصافحہ کیا اور جس گھر میں عالم باعمل قدم رکھ دیتا ہے چالیس دن تک وہ گھر آفات ارضی و سماوی سے محفوظ و مامون رہتا ہے۔

آپ کی عظمت و کرامات سے متعلق بہت سے ایمان افروز واقعات مختلف مریدوں اور معتقدوں کے قلوب و اذہان میں ایک عرصہ تک محفوظ رہے اور وہ لوگ ان کی یادوں سے اپنے ایمان کو جلا بخشتے رہے لیکن اس وقت تک حضرت کی حیاتی خدمات اور ان سے صادر ہونے والی کرامات پر لکھنے اور محفوظ رکھنے کا کام شروع نہ ہوا تھا اس لیے ان مریدوں اور معتقدوں کے دنیا سے پردہ فرمانے کے ساتھ ساتھ ان کی آنکھوں دیکھی کرامتیں بھی مدفون ہو گئیں اور چند ہی کرامات بقید تحریر لائی جا سکیں۔

اور یہ بات یوں ہی نہیں بلکہ مشاہدہ کی بنا پر کہی جا رہی ہے کیوں کہ حضور لطیفی صاحب ہی کے مرید و خلیفہ اور شاگرد رشید حضرت شاہ شرف الدین علیہ الرحمہ (مزار گا نگی ہاٹ ضلع کشن گنج) کی بات ہے کہ جو کچھ بھی ان کی حیات و خدمات کرامات پر لکھا گیا ہے وہ

ناقص و نامکمل ہے کیوں کہ سال رواں ہی کی بات ہے کہ ایک دن مجھے ایک گاؤں میں جانا ہوا جہاں کے باشندے اب دیوبندی ہو چکے ہیں لیکن جن کے پاس گیا تھا فقط وہی ہزاروں میں تن تنہا سنی تھا میں نے اس کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے بتایا کہ اب تک اس کا ایمان باقی ہے تو وہ صرف حضرت شاہ شرف الدین ہی کے قدموں کی برکت سے کہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے شاہ شرف الدین کی ایک کرامت دیکھی تھی پھر وہ شخص اس کو بیان کرنے لگا اور اشکوں کے قطرے ان کے سفید ریش پر موتی بن کر چمک رہے تھے۔ یہ صورت حال دیکھ کر میری آنکھیں نم اور خیرہ ہو گئیں اور ذہن و دماغ میں یہ بات گردش کرنے لگی کہ اوہ! ایسے کتنے ایمان بخش کرامات ہوں گی جو یوں ہی بوڑھے اشخاص کے پاس رہ کر ان کے ساتھ مدفون ہو چکی ہوں گی۔ کیوں کہ یہ ضعیف بھی اس وقت فنا و بقا کی کش مکش میں زندگی کے آخری لمحات کاٹ رہے ہیں۔

خدانخواستہ وہاں تک کسی عالم کی رسائی نہ ہو تو دیگر ایمان افروز کرامات و واقعات کی طرح اسے بھی فراموش کر دیا جاتا ہے افسوس نامہ تو حضور لطیفی صاحب کے خلیفہ راشد کے متعلق ہے لیکن جہاں تک خود حضور لطیفی صاحب کی بات ہے تو ان کا حال بھی کچھ مختلف نہیں ہے کیوں کہ حضرت کی وفات پر ملال کے بعد تقریباً آٹھ دہائی تک کچھ لکھا نہ گیا اب جا کر کچھ حضرت مولانا ساجد عالم مصباحی نے ان کی حیات و خدمات کو دنیا کے سامنے لانے کی کوشش کی ہے، ایک بات یہاں بار بار نوک قلم پر آ رہی ہے کہ بوڑھا شخص کب دیکھا ہوگا؟ لمبا عرصہ گزر گیا لیکن اس کرامت کی برکت سے آج بھی اپنے ایمان کو بچانے میں کامیاب ہے جب کہ اسی گاؤں کے لوگ بلکہ اس کے خاندان والے تک وہابیہ جیسے ہلاکت خیز طوفان کی زد میں بہ کر اپنے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ تو اگر حضور لطیفی صاحب اور ان کے خلفا کی روشن کرامتوں کو جو قریب فراموش ہیں۔ بقیہ تحریر لائی جائیں تو ممکن ہے کہ ان کو پڑھ کر سن کر ہزاروں گم گمشتگاں راہ راست پر آ جائیں۔ علم داں طبقہ سے یہ بات مخفی نہیں ہے کہ کرامات کا صدور ہر ولی کے لیے ضروری نہیں اور نہ ولی کو پہچاننے اور پرکھنے کا معیار، بلکہ علماء و صوفیاء کا بیان ہے ولی کی اصل پہچان اور شناخت اتباع سنت اور استقامت فی الدین ہے۔ تاریخ

الخلفاء میں سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی قدس سرہ کا ایک بہت پُر مغز اور ایمان افروز واقعہ ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص کہیں دور سے آ کر حضور جنید بغدادی کا مہمان بن گیا اور شب و روز حضرت کی خدمت کرتا رہا پھر اس نے پندرہ دن بعد رخصت ہونے کی اجازت مانگی تو حضرت نے فرمایا بتاؤ کیوں آئے تھے؟ اس نے بتایا کہ حضور میں نے آپ کی کرامات کا بہت شہرہ سنا تھا اسلیے دل میں یہ بات آئی چلو چل کر اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں اگر دیکھ لوں گا تو آپ کے دست اقدس پر مرید ہو جاؤں گا ورنہ ویسے لوٹ آؤں گا اور یہاں پندرہ دن بیت گئے لیکن میں نے کوئی کرامت نہ دیکھی اس کے لیے اب میں اس نیت بیعت کو دل کے نہاخانے میں چھپا کر واپس جارہا ہوں۔ تو حضرت جنید بغدادی نے سمجھایا کہ میرے مہمان! سنو ہوا میں اڑنا، پانی پر چلنا ولایت کی علامت نہیں بلکہ ولایت کی شناخت وعلامت تو استقامت فی الدین اور اتباع سنت ہے۔ اے میرے مہمان! بتاؤ کیا تم نے کبھی ان پندرہ دن میں میرا کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ہٹ کر پایا؟ عرض کیا حضور! ایک بھی نہیں اور فوراً قدموں میں گر کر مرید ہو گیا اور ہمیشہ کے لیے غلامی کا پٹہ گردن میں ڈال لیا، اس واقعہ سے یہ روشنی ملتی ہے کہ ولی وہ ہے جو حضور کی سنتوں کا التزام برتے اور ان کا کوئی قول و عمل خلاف شرع نہ ہو اور یقیناً ہمارے حضور لطیفی صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ جہاں علم و دانائی کے پہاڑ تھے وہیں استقامت فی الدین اور اتباع سنت میں ایک نمونہ اور مشعل راہ تھے اور آپ کی یہ صفت بجائے خود ایک کرامت ہے۔

حضور لطیفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کچھ کرامتوں پر روشنی ڈالنے سے قبل ان کی ولادت باسعادت، تعلیم و تعلم اور خلافت و خدمات کو بہت ہی اجمال واختصار کے ساتھ نوک قلم کے حوالے کیا جارہا ہے۔

ولادت باسعادت

اسم شریف: سید محمد حفیظ الدین ہے۔ چشتی نگر کنھریا ضلع کٹیہار بہار کے ایک دین دار اور شریف خاندان میں ۱۲۴۵ھ کو آپ کا تولد ہوا، والد ماجد کا نام شیخ حسین علی ہے

جو دین دار اور ساتھ ہی ساتھ دولت مند بھی تھے۔ ان دونوں دینی و دنیوی خوبیوں کی وجہ سے گاؤں والوں اور احباب کی نگاہوں میں باعزت تھے۔ سوئے اتفاق کہ ابھی آپ نے صحیح طور سے ہوش بھی نہ سنبھالا تھا کہ مشفق باپ کا سایہ کرم سر سے اٹھ گیا اور گھر کی ساری ذمہ داری ضعیف والدہ کے ناتواں کندھے پر آ گئی۔

تعلیمی سفر

والد ماجد کی رحلت فرمانے سے گھر کی ساری ذمہ داریاں والدہ ماجدہ کے سر آ گئیں اور دھیرے دھیرے گھر کی زوال پذیری اتنی ہوگئی کہ آپ کو اس وقت روزگار پر لگ جانا ضروری تھا۔ لیکن اللہ رب العزت نے طلب علم کا جو شوق و لگن آپ کے اندر ودیعت فرمائی تھی وہ کسی بھی طرح ختم ہونے والی نہ تھی اس لیے کسی طرح اپنی پیاری امی سے اجازت لے کر پاس ہی کے ایک گاؤں "رسول پور" پہنچے وہاں ایک بہت معیاری مدرسہ تھا جہاں علم و ادب کے ایک سے ایک ماہرین تدریسی خدمات پر لگے ہوئے تھے۔ مثلاً مشہور و معروف لغت "لغات کشوری" کے مصنف اور بہترین شاعر و ادیب جناب "فانی جائسی" وہاں کے مدرس رہ چکے تھے۔ آپ نے یہاں ابتدائی تعلیم حاصل کی اور پھر تشنگی علم نے آپ کو اور بھی آگے جانے پر مجبور کیا اور چوں کہ گھر سے اجازت ملنے کی امید نہ تھی اس لیے کسی کو بتائے بغیر پٹنہ تشریف لے گئے پھر وہاں سے "مدرسہ نظامیہ" لکھنؤ تشریف لے گئے، وہاں جہان علم کے سلاطین سے خوب خوب استفادہ کیے ساتھ ہی ساتھ وہاں آپ کو ایک سے ایک ذہین و فطین اور اخاذ طبیعت کے مالک ساتھی بھی ملے اس لیے اس ساز گار فضا اور علمی ماحول میں آپ کا وسیع الظرف اور اخاذ طبیعت نے ایک بار پھر کسی اور بڑی درس گاہ کی تلاش میں نکلنے پر مجبور کیا، اور آپ وہاں سے نکل پڑے اور دہلی پہنچے، وہاں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے خاندان کے چشم و چراغ حضرت مولانا مخصوص اللہ اور حضرت مولانا شاہ موسیٰ (رحمۃ اللہ علیہم) کی بافیض درس گاہ سے اس خواہش کی تکمیل فرمائی۔

آپ کے اساتذہ

حضرت شاہ مخصوص اللہ۔ حضرت شاہ موسیٰ۔ فاضل جلیل حضرت مولانا عبدالحلیم فرنگی محلی۔ حضرت علامہ و مولانا عظیم صاحب پنجابی (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین)

چند خلفا

(۱) حضرت مولانا شاہ خواجہ میر نظام علی ابن میر لیاقت علی (۱۳۶۰ھ متوفی) مزار شریف محلہ کبیر گنج سہسرام (۲) حضرت مولانا صادق علی عازی پوری ابن جناب یاد علی (۱۳۵۳ھ متوفی) مزار شریف محی الدین پور بر سڑا غازی پور (۳) حضرت مولانا شاہ شرف الدین حفیظی جناب اعلی بخش (۱۳۳۹ھ متوفی) مزار شریف خانقاہ گانگی کشن گنج۔ جناب مولانا تصدق حسین مشتاق ابن جناب شیخ بخش علی (۱۴۲۳ھ متوفی) مزار شریف باغ دیولی دل شاد پور کٹیہار۔

بیعت و خلافت

حضرت لطیفی صاحب کے پیر و مرشد مخدوم الاصفیاء سند العارفین حضرت سید ناشاہ خواجہ لطیف علی عرف شاہ میاں جان صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ انہیں کے اسم مبارک کی طرف منسوب کرتے ہوئے اپنے نام کے آگے ''لطیفی'' کا اضافہ فرمایا آپ نے پہلے بہت سے آستانوں پر حاضری دی تھی۔ لیکن ہوتا وہی ہے جو مرضی مولیٰ ہو اس لیے اخیر میں آپ نے مخدوم المشائخ سند الواصلین حضرت شاہ منعم پاک کے مزار پر مراقبہ فرمایا، اچانک ''یا ایتہا النفس المطمئنہ'' کی ندا سنائی دی۔ اسی وقت آپ کی کیفیات عشقیہ و توحیدیہ میں اضافہ ہوا اور پھر اس اشارۂ غیبی کو پا کر اسی مبارک بارگاہ کی غلامی کا پٹہ اپنی گردن پر آپ نے ڈال لیا۔ اور بارہ سال تک اپنے پیر و مرشد کے حضور رہ کر خدمت و زیارت اور عبادت و ریاضت کرتے رہے، حضرت لطیفی صاحب کا عشق اپنے مرشد سے کس طرح تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت لطیفی صاحب جب بھی مرشد کامل کے موزوں کو دھونے کے لیے جاتے تو اس کے دھون کو بطور تبرک پی جاتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی

طرح شیخ کو یہ بات معلوم ہوگئی تو شیخ نے فرمایا۔ مولانا صاحب! کیا آپ کو معلوم نہیں کہ نظافت نصف ایمان ہے؟ تو آپ نے ادب وعقیدت میں ڈوب کر کیا ہی عمدہ جواب دیا کہ حضور! مجھے تو اسی کثافت میں نفاست کا در نہاں نظر آ رہا ہے۔ پھر بارہ سال تک اسی دل جمعی کے ساتھ عبادت وریاضت کرنے کے بعد مرشد کامل نے آپ کو اجازت وخلافت سے نوازا۔

کرامات

اب یہاں سے حضور لطیفی صاحب کے بعض روشن کرامات اختصار واجمال کے ساتھ قلم بند کیا جاتا ہے، جن کو پڑھ کر ایمان کو پختگی اور قلب وجگر کو تازگی ملتی ہے۔

(۱) جادوگر ''مونی مہات'' کا مومن ہونا

بنگلہ دیش کے ''رنگ پور'' علاقے کا یہ واقعہ ہے کہ وہاں ایک جادوگر جس کا نام مونی مہات تھا اور مذہبا ہندو تھا وہ اپنے سحر سے وہاں کی مخلوق کو پریشان کر رکھا تھا اور لوگ اس کے جادوئی اثر سے بچنے کی ہر ممکن تدابیر اختیار کر چکے تھے، لیکن ناکام تھے۔ ایک مرتبہ لطیفی صاحب کا گزر اس علاقے سے ہوا، خدا کی پریشان مخلوق نے اس کی شکایت آپ کی بارگاہ میں پیش کی، آپ نے فوراً اُس کے گھر کا رخ کیا اور جادوگر کو اُس کے جادو سے اندازہ ہوگیا کہ آج اس کا مقابلہ کسی عام انسان سے نہیں ہے پھر بھی اپنے گھر کی طرف آتے دیکھ کر اپنے بچنے کی تدبیر کرتے ہوئے آگ کا ایک گولہ حضور لطیفی صاحب کی طرف اس نے بھیجا، عام آدمی ہوتا تو اس کی خیریت نہ تھی لیکن اللہ کے ولی کی شان وصفت ہی کچھ نرالی ہوتی ہے، چنانچہ جوں ہی آگ کا گولہ قریب آیا تو لطیفی صاحب نے اس گولے کو اپنے عمامہ شریف میں لپیٹ کر خود اسی کی طرف پھینک دیا اور عمامہ اس کے گھر کا طواف کرنے لگا۔ اب جادوگر کے پیر کے نیچے سے زمین کھسکنے لگی اور اس نے عافیت اسی میں سمجھی کہ قدم چوم کر انہیں کا ہو کر رہ جائیں۔ اس لیے دوڑ کر قدم چوم لیا اور آپ نے کلمہ پڑھا کر اسے اپنا مرید بنالیا۔

نگاہ ولی میں وہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

(۲) بسم اللہ کی برکت سے دریا کا پار ہونا

بسم اللہ میں اتنی برکت ہے کہ اگر اسے پڑھ کر آگ میں کودا جائے تو آگ کے اندر اتنی طاقت نہیں کہ جلا دے، اسی طرح بسم اللہ پڑھ کر زہر کھالے یا دریا میں کود جائے تو بھی اس کی برکت سے وہ شخص محفوظ و مامون رہے گا لیکن اس شخص کا عامل اور عارف باللہ ہونا ضروری ہے جیسا کہ کتب تواریخ میں اس طرح کے بہت سے واقعات مذکور ہیں، اسی طرح کا واقعہ عارف باللہ حضور لطیفی صاحب سے بھی رونما ہوا کہ آپ ایک مرتبہ دعوت وتبلیغ کے لیے گلاب باغ تشریف لے گئے، گلاب باغ اور رحمان پور کے درمیان ''مہانندا ندی'' واقع ہے جو بہت عمیق اور وسیع وعریض ہے اس کا طوفان ہلاکت کا پیغام لے کر اپنے ساحلوں پر تھپیڑے مارتا ہے، سوئے اتفاق کہ واپسی کے واقت دریا موجزن ہے اور ملاح بھی نہیں ہے، کریں تو کیا کریں؟ ساتھ میں جو گاڑی بان تھا انہوں نے عرض کیا حضور! واپس چلنا مناسب ہے لیکن حضور کی نگاہ اس بات پر ٹکی تھی کہ جب کوئی اللہ کی ذات میں فنا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالٰی ساری مخلوق کو اس کا تابع اور مسخر بنا دیتا ہے۔ اس لیے حضرت نے فرمایا کہ بسم اللہ پڑھو اور آنکھیں بند کر لو۔ چنانچہ گاڑی بان نے ایسا ہی کیا اور دونوں پار ہو گئے کہ گویا کسی خشک راہ پر چلے ہوں۔ واہ کیا شان ہے نرالی تیری۔

(۳) جنوں کے دفینے سے پریشان عملہ حکومت کو چھٹکارا

آپ کے زمانے میں ملک پر انگریزوں کی حکومت تھی، انگریزی حکومت کے تحت اسی علاقے میں ایک پل کی تعمیر ہو رہی تھی جس میں سینکڑوں مزدور روزانہ کام کرتے تھے۔ لیکن ان کا کام کاج یاجوج ماجوج کی دیوار کی طرح سابق ہو جاتا تھا اور یہ ایک دو دن کی بات نہیں تھی بلکہ کئی دنوں سے ان کا کام بگڑا رہتا تھا، اخیر میں عاجز آ کر ذمہ دار لوگوں نے نجومی سے اس کی وجہ دریافت کی تو اس نے بتایا کہ اس مشکل کا حل کوئی مرد درویش یا مرد خدا

ہی کرسکتا ہے۔لوگوں کی نگاہ آپ پر آکر ٹکی اور سب نے آپ کی بارگاہ میں پہنچ کر التجا کی تو آپ نے فرمایا کہ یہاں جنوں کے دفینے ہیں اور کام کو بگاڑنے والے جنات ہی ہیں اس لیے ان کے دفینے وہاں سے ہٹائیے پھر کام شروع کیجئے۔انشاء اللہ اس کے بعد کام پایہ تکمیل کو پہنچے گا۔چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا اور پل کی تعمیر بآسانی ہوگئی۔

(۴) بنگلہ دیش کے ایک اجنبی شخص کا نام اشراق نوری سے بتانا

چوں کہ حضرت لطفی صاحب کی علمی جلالت اور ولایتی شخصیت کا شہرہ کافی دور دور تک پہنچ گیا تھا اس لیے لوگ بیعت وارادت اور زیارت کے لیے دور دور سے آتے تھے، ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ بنگلہ دیش کا ایک شخص جس کا نام مولانا الحاج محمد علی (کولکنڈ ضلع رنگ پور) تھا، حضور لطفی صاحب کے دیدار کے لیے بنگلہ دیش سے چل کر "رحمٰن پور" آیا، سفر کی صعوبتوں سے تھکے ماندے مسجد میں بیٹھا ہوا تھا، کچھ دیر بعد دوپہر کے طعام کا وقت آگیا اور اب تک حضور لطفی صاحب اور زائر کے درمیان تعارف نہ ہو پایا تھا لیکن اس کے باوجود حضور لطفی صاحب نے جب دستر خوان لگنے کے بعد مہمانوں کا معائینہ فرمایا تو اپنے خادم کو حکم دیا کہ جاؤ مسجد میں حاجی محمد علی بیٹھے ہیں ان کو کھانا کھانے کے لیے بلالاؤ، خادم نے حکم کی تکمیل کی اور مسجد پہنچ کر ان سے کہا کہ کیا آپ کا نام حاجی محمد علی ہے؟ انہوں نے تعجب سے کہا کہ ہاں مگر آپ یہ بتائیں کہ آپ کو نام کیسے معلوم ہوا؟ تو اس نے بتایا کہ حضور لطفی صاحب نے بتایا، تو مہمان حاجی صاحب نے کہا کہ یار! حضرت نے تو اب تک مجھ سے نام نہیں پوچھا ہے اور نہ اس سے قبل ہم دونوں کے درمیان کبھی تعارف ہوا ہے۔

(۵) اپنی وفات کی خبر مکان کی چھت کے منہدم ہونے سے دینا

یہی مولانا الحاج محمد علی صاحب ہیں جو چند ایام آپ کے ساتھ رہنے کی وجہ سے بہت متاثر ہوئے اس لیے واپسی کے وقت عرض کیا حضور! آپ کا آخری دور ہے اور میرا گھر بھی یہاں سے بہت دور بنگلہ دیش میں واقع ہے اور میری خواہش ہے کہ جنازے میں شرکت کروں تو حضور نے ایک نشانی بتادی کہ میاں! جس دن میری وفات ہوگی اس دن

تمہارے نئے مکان کی چھت گر جائے گی۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ جس دن آپ کی وفات ہوئی اس کے مکان کی چھت گر گئی اور اس طرح آپ کی وفات کی خبر ان تک پہنچ گئی۔

(۶) ایک نگاہ ولایت میں عالم وفاضل بنانا

چانچل ضلع مالدہ مغربی بنگال کا ایک طالب علم ''ثمر الدین''، علم کا شوق وجذبہ کافی رکھتا تھا لیکن ان کے والد گرامی غربت وافلاس کی وجہ سے کہیں جانے نہیں دے رہے تھے جس کی وجہ سے یہ بہت پریشان رہتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اِن تشنگی کو بجھانے کے لیے رحمان پور کی طرف ان کی رہنمائی فرمادی اور یہ بھاگ کر یہاں حضور لطفی صاحب کی بافیض بارگاہ میں پہنچ کر سکون حاصل کیا لیکن بدقسمتی! کہ ابھی دو چار دن بھی نہ ہوئے تھے کہ والد گرامی سر پر آدھمکے اور واپس لے جانے پر بضد ہو گئے تو حضور لطفی صاحب نے سمجھایا کہ کم از کم سال بھر رہنے دو تاکہ دین کی بنیادی اور ضروری مسائل سے آشنا ہو جائے لیکن وہ بھی بضد ہو کر اپنی غربت کی روح فرسا داستان سنانے لگا تو حضرت لطفیؒ نے تین ماہ کی مہلت مانگی، اس کم مدت پر بھی راضی نہ ہوا اور انہیں گذشتہ باتوں کو دہرانا شروع کر دیا تو حضرت نے فرمایا کہ اچھا آج رات بھر تو ٹھہر ہی سکتے ہو؟ اس نے اثبات میں جواب دیا۔ پھر بعد نماز عشاء جو آپ کے ذکر واشغال کا وقت تھا اس طالب علم کو اپنے حجرۂ شریف میں بلایا اور پھر ان پر وہ نگاہ ولایت ڈالی کہ جب وہ باہر آئے تو اب وہ عالم فاضل بن چکے تھے۔ یہ کرامت اس علاقے کے عوام وخواص کے درمیان بہت مشہور ومعروف ہے اور اس کی کرامت کا اثر صرف حضرت مولانا ثمر الدین ہی تک محدود ومنحصر نہیں بلکہ ان کے خاندان کے ہر ہر فرد کا حال یہ ہے کہ اگر چہ کسی مدرسے میں قدم نہ رکھے ہوں پھر بھی دینی مسائل و معلومات میں کامل مولوی معلوم ہوتے ہیں۔

نگاہ ولی میں وہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

حضرت مولانا شاہ حفیظ الدین لطیفیؒ کی کرامتیں

مولانا ہارون رشید مصباحی
استاذ دارالعلوم مصطفائیہ اعظم نگر، کٹیہار، بہار

کرامتوں کا ظہور و صدور متکلمین و فقہا کے نزدیک ایک متفقہ و مسلمہ مسئلہ ہے۔ یہ اولیائے امت و خاصان خدا کو فیضان نبوت کے اثر سے ودیعت ہوا کرتی ہیں۔ واضح ہو کہ کرامات و خرق عادات کسی اہل اللہ کی ولایت کی شناخت یا ان کی قدر و منزلت کے لیے کوئی معیار نہیں ہے۔ کرامت دراصل منکرین الوہیت و رسالت کو لاجواب کرنے اور باغیان شریعت کو راہ راست پر لانے کی غرض سے معرض وجود میں آتی ہے اور کبھی انسانی قلوب کی تسخیر اور پریشان طبیعت کی تسکین و طمانیت کا سامان بھی بنتی ہے۔ حضرت لطیفی صاحبِ کشف و تصرفات عارف حق تھے۔ آپ کی ذات والا صفات سے بھی کرامتوں کا ظہور ہوا ہے۔ قارئین کرام کے علم و مطالعہ اور دلچسپی میں اضافہ کے لیے چند منتخب کرامتوں کو قید تحریر میں لایا جا رہا ہے۔

(۱) حضرت مولانا الحاج محمد علی کولکند، ضلع رنگپور، بنگلہ دیش:

آپ کی علمی و روحانی شہرت سن کر زیارت و ملاقات کے قصد سے ایک روز خانقاہ لطیفیہ رحمٰن پور آئے۔ مئی یا جون کا مہینہ تھا، گرمی شباب پر تھی۔ مولانا دھوپ کی شدت و تمازت سے نڈھال ہوئے جا رہے تھے۔ حدود خانقاہ میں داخل ہونے کے بعد آپ نے وضو بنایا اور راحت و تازگی کے لیے جامع مسجد لطیفی میں پڑاؤ ڈالا۔ دریں اثنا نماز ظہر کی اذان ہوئی اور حضرت لطیفی اپنے مریدین و احباب کے ہمراہ مسجد پہنچے۔ جماعت قائم ہوئی اور پھر نماز سے فراغت کے بعد حاضرین کے ساتھ حجرۂ مبارک میں تشریف لے گئے معمول کے مطابق ظہرانہ کا وقت ہو چکا تھا۔ لہٰذا دستر خوان چنا گیا اور تناول ماحضر کے لیے

سبھی اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ اسی دوران آپ نے اپنے ایک خادم سے فرمایا کہ مسجد میں کولکنڈ کے مولانا حاجی محمد علی صاحب ٹھہرے ہوئے ہیں، ان سے کہو کہ کھانا کھانے کے لیے یہاں حاضر ہوں۔ خادم نے حسب ارشاد مولانا صاحب تک یہ پیغام پہنچایا۔ مولانا حیرت و استعجاب میں ڈوب گئے اور گویا ہوئے کہ حضرت سے اب تک کوئی دید وشنید نہیں ہوئی ہے، میں ان کے لیے بالکل اجنبی شخص ہوں۔ مگر حال یہ ہے کہ حضرت والا نام اور اتا پتا کے ساتھ حاضر خدمت ہونے کا حکم صادر فرما رہے ہیں۔ بہر حال مولانا ملاقات سے شادکام ہوئے اور کھانا تناول کیا۔

(۲) انہی مولانا حاجی صاحب سے منسوب ایک اور واقعہ ہے کہ جب آپ حضرت لطیفی کی خدمت سے رخصت ہونے لگے تو عرض کیا ''حضور میرا گھر یہاں سے میلوں کی مسافت پر واقع ہے، اگر کہیں اور کسی گھڑی آپ کا وصال ہو جائے تو اس عصیاں شعار کو اطلاع کیسے ملے گی اور کیوں کر نماز جنازہ میں شریک ہو سکوں گا؟'' آپ نے ارشاد فرمایا ''ایسے عالم میں تمہارے کسی نئے مکان کی چھت منہدم ہو جائے گی، اس سے اندازہ کر لینا کہ میرا انتقال ہو گیا'' چنانچہ آپ کا وصال مبارک ہوا تو مولانا کے ایک مکان کی چھت گر گئی۔

(۳) حضرت مولانا ثمر الدین، چانچل ضلع مالدہ، مغربی بنگال۔ حصول علم کے بڑے شیدائی تھے اور اس راہ میں ہر جوکھم کو جھیلنے کا حوصلہ رکھتے تھے۔ حضرت لطیفی جب مستقل طور پر رحمٰن پور سکونت پذیر ہوئے اور یہاں خانقاہ و مدرسہ کی داغ بیل ڈالی۔ تو مولانا طلب علم کے جذبہ وشوق کی چنگاری کو سینے میں دبائے ایک روز چپ چاپ گھر سے نکل کھڑے ہوئے اور رحمٰن پور کی راہ لی۔ یہاں پہنچ کر حضرت لطیفی سے اپنے جذب دروں کا اظہار کیا۔ اس دوران ان کے والد کو پتہ چلا کہ صاحبزادہ موصوف رحمٰن پور سدھار چکے ہیں۔ لہٰذا جناب والا تعاقب میں رحمٰن پور آئے اور یہاں حضرت لطیفی سے معذرت خواہانہ انداز میں عرض گزار ہوئے کہ میں ایک غریب آدمی ہوں، میرے بس کا روگ نہیں ہے کہ لڑکے کو تعلیم دلا سکوں، میں اسے واپس لے جانا چاہتا ہوں۔ اس عذر پر آپ نے فرمایا

"لڑکے کو کم از کم ایک برس کے لیے یہاں چھوڑ دو، تاکہ کچھ لکھ پڑھ لے اور دین کی مبادیات سے واقف ہوجائے۔" یہ جناب پھر معذرت خواہ ہوئے اور وہی باتیں دہرانے لگے۔آپ نے فرمایا "تین ماہ کی مہلت دو" اس پر بھی وہ تیار نہیں ہوئے۔شدہ شدہ ایک دن پر بات ٹھہری اور ہوا یوں کہ بعد نماز عشا جو آپ کے اذکار واشغال کا وقت تھا۔آپ نے مولانا کو اپنے حجرۂ خاص میں بلایا اور پھران پر وہ نگاہ کیمیا اثر ڈالی کہ وہ لمحوں میں عالم و فاضل بنکر حجرہ سے باہر آئے۔ یہ واقعہ چانچل ضلع مالدہ کے علاقے میں عوام وخواص کے درمیان بہت مشہور ومعروف ہے۔آج بھی ان کے خاندان کے ہر فرد کا حال یہ ہے کہ مدرسہ ومکتب میں قدم نہ رکھنے کے باوجود وہ معلومات دینی میں ایک کامل مولوی معلوم ہوتا ہے۔

☆☆☆
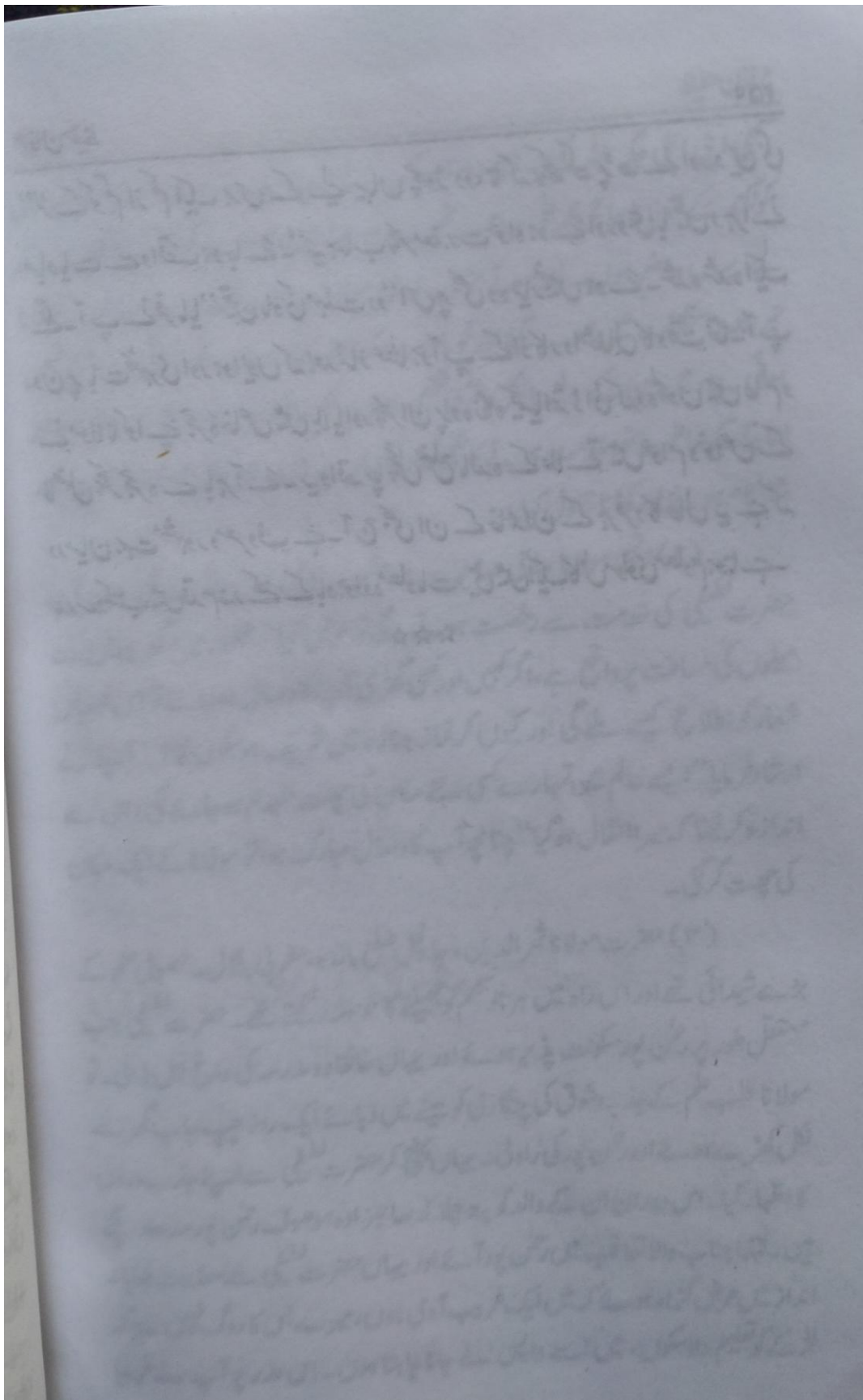
متفرقات

پیشکش:

حضرت حافظ وقاری اقبال احمد رضوی فیضی
بانی ومہتمم دارالعلوم فیضان اولیاء تجوید القرآن کھیم پور، بارسوئی، کٹیہار، بہار

فرمودات لطیفیہ

(الف) مخفی نہ رہے کہ علمائے راسخین کے علوم کی بنیاد دو قسموں پر رکھی گئی ہے۔ ایک وہ ہے جو کسب و تحصیل سے میسر ہو اور دوسرا وہ ہے جو خداوند جلّ واعلیٰ کی خوشنودی کی خاطر اخلاص عمل کے بعد کرم الٰہی وغیب کے فیضان سے حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں وارد ہے۔ من عمل بما علم ورثہ اللہ علم مالم یعلم اول کو علم دراست اور دوم کو علم وراثت کہتے ہیں کہ تم غرور میں نہ پڑو اور نہ ہی یہ کہو کہ یہی مخلصین رضائے مولیٰ تعالیٰ کے لیے عمل اخلاص کے بغیر ہی العلماء ورثۃ الانبیاء کے مصداق ہیں۔ نہیں نہیں بلکہ راسخین علماء جو دونوں قسم کے علوم سے بہرور ہیں۔ اور تزکیہ وتصفیۂ باطن سے متصف ہیں۔ اور مخلوق سے خالق کی جانب متوجہ ہوتے ہیں۔ یقیناً یہی حضرات انبیاء و مشائخ دین کے وارثین اور ملت اسلامیہ کے پیشوا اور حق الیقین کے مرتبہ پر فائز ہیں۔ (ترجمہ مکتوبات لطیفی، مکتوب نمبر ۱۰ صفحہ ۹)

(ب) حقیقت کے ساتھ جاننا چاہیے کہ تمام اہل ایمان پر حضور خاتم النبین وسید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے ختم نبوت اور تمامئی رسالت کے اذعان وایقان کے بعد ان امور آخرت کی تصدیق واجب ہے کہ جن کی خبر حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دی ہے۔ حشر ونشر کا برپا ہونا، منکر ونکیر کا سوال کرنا، اور عذاب قبر، حساب، صراط، جنت ودوزخ اور آگ وتاریکی سے انبیائے کرام واولیائے عظام کی شفاعتوں کے صدقے امتوں کا نکلنا کمزور عقل اور ناپختہ فہم کو ان باتوں میں اپنے طور پر تاویل وتفسیر کی کوشش نہیں کرنی چاہیے اور نہ ہی ان کی کمیت وکیفیت کے گردگشت لگانا چاہیے۔ اس لیے کہ ایمانی علوم کا احاطہ کرنا عقل انسانی کے بس سے باہر ہے۔ یہاں تک کہ انبیاء ومرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی نورانی جماعت نے نبوت ورسالت کے کمالات کے باوجود بھی ان باتوں میں تصرف نہیں فرمایا۔ بلکہ جس طرح انہیں وحی القا کی گئی وہ اسی سرِّ یقین کے توسط سے ایمان لے آئے۔

(ترجمہ مکتوبات لطیفی، مکتوب نمبر ۳۵ صفحہ ۴۸)

وظائف نماز پنجگانہ

ظہر کی نماز کے بعد ایک بار سورۂ فتح اور سو بار تسبیح هُوَ الْعَلِىُّ الْعَظِيْم پڑھنا چاہیے، بعد صلوٰۃ عصر هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْم کی تسبیح سو بار اور سورۂ جناء پانچ بار پڑھنے کی عادت پکڑنی چاہیے۔ بزرگان دین نے ارشاد فرمایا کہ جو بعد نماز عصر سورۂ نبا پانچ بار پڑھتا ہے۔ وہ فرشتوں میں اُسدُ اللہ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ مغرب کی نماز کے بعد ایک بار سورۂ واقعہ اور سو بار لاالٰہ الّا اللّٰہُ محمد رسول اللہ کی تسبیح پڑھنی چاہیے۔ بعد صلوۃ عشاء ایک بار سورۂ ملک اور ایک بار سورۂ مُزَمِّل اور سو بار درود شریف پڑھنا چاہیے۔ فجر کی نماز کے بعد ایک بار سورۂ یٰسین اور سو بار تسبیح لَا اِلٰہ الملک الحقُ المُبین کا وظیفہ یاد رکھنا چاہیے۔ (ترجمہ لطائفِ حفظ السّالکین صفحہ ۱۱۱/۱۱۲)

آداب تلاوت قرآن

قرآن کی تلاوت کے شروع اعوذ باللہ السَّمِيْعُ الْعَلِيْم مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمُ کہے۔ اور اس قرآن اصدقُ الکلام و ابلغ النظام کے ہر ختم سورہ کے وقت صَدَقَ اللہ تعالٰی و بلَّغَ رسول اللہ تعالٰی صلی اللہ علیہ وسلم اَللّٰهُمَّ نَفعنَا و بارک لَنَا فِيهِ الحمد للہ رَبِّ الْعٰلَمِيْن واَسْتَغْفِرُ اللہ الحیُّ الْقَيُّوْم پڑھے۔ درانِ تلاوت جب تسبیح کی آیت سے گزرے۔ تو تسبیح و تکبیر میں مشغول ہو جائے۔ جب استغفار و دعا کی آیت سے گزرے تو دل و زبان سے دُعا و استغفار کی طرف مائل ہو۔ اور جب امید و خوف کی آیت آئے تو پناہ مانگے اور سوال کرنے میں لگ جائے۔ تلاوت تمام کرنے کے بعد اس دعا کو پڑھنا چاہیے۔ اَللّٰهُمَّ اِرْحَمْنِیْ باالقرآنِ الْعَظِيْم وَاجْعَلْهُ لِیْ اِمَامًا و نوراً وهُدًى ورَحْمةً اَللّٰهُمَّ ذَكِّرْنِی مِنْهُ مَا نَسِيْتُ وَعَلِّمْنِیْ منه مَا جهِلْتُ وَرْزُقْنِیْ تَلاوتهٗ آنَاءَ اللَّيْلِ وَاطْرَافِ النَّهَارِ وَاجْعَلْهُ لِیْ حُجَّةً يَا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ. (ترجمہ تطالفِ حفظ السّالکین صفحہ ۸۳/۸۴)

رسائل میں حضرت لطیفیؒ کی حیات وخدمات جلیلہ پر مشتمل پہلے پہل کے شائع شدہ مضمون پر ملک گیر پیمانے کے ارباب علم ودانش کے تاثرات واظہار خیالات

امام علم وفن مظہر علوم اعلیٰ حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی

خلیفہ حضور مفتی اعظم ہند شیخ الحدیث دارالعلوم نورالحق چرہ محمد پور فیض آباد، یوپی

حضرت علامہ شاہ محمد حفیظ الدین لطیفی رحمٰن پوری راہنمائے شریعت بھی تھے اور خواص بحر طریقت بھی بچپن میں ان کا نام سنا تھا۔ مگر کامل واقفیت اس وقت ہوئی، جب میں مدرسہ اساقت رحمت، محمدیہ اسٹیٹ پورنیہ میں پڑھتا تھا۔ میرے والد ماجد حضرت مولانا زین الدین رضوی وہاں پڑھاتے تھے۔ اس زمانے میں یہ مدرسہ پورنیہ کا مرکزی مدرسہ تھا، پنجاب کے علما یہاں پڑھاتے تھے۔ علامہ علاء الدین پنجابی اور علامہ محمد ایوب پنجابی مدرس تھے۔ امتحان کے لیے دہلی تک کے علما تشریف لاتے تھے۔ غرض یہ مدرسہ اس دور میں عظیم الشان اور مرکزی ومعیاری تھا۔

یہیں میں نے سنا کہ علامہ لطیفی علیہ الرحمہ اور محمدیہ اسٹیٹ کے مالک جناب الٰہی بخش مرحوم کے مابین بڑے گہرے تعلقات تھے، ان تعلقات وروابط کا نتیجہ یہ ہوا کہ الٰہی بخش مرحوم نے زمین فراہم کی اور علامہ لطیفی نے وہاں مدرسہ قائم فرمایا جس کا نام 'اساقت رحمت' رکھا گیا۔ مدرسہ کے اخراجات کے لیے بھی زمیندار موصوف نے کئی ایکڑ زمین وقف کی تھی، جوان کی کی دینداری اور دینی بیداری کا کھلا ثبوت ہے۔ جناب الٰہی بخش مرحوم سنی

صحیح العقیدہ آدمی تھے، علمائے اہل سنت ہی ان کے معزز مہمان ہوا کرتے تھے، ان میں ایک نمایاں نام مجھے یاد آتا ہے حضرت علامہ غیاث الدین علیہ الرحمہ گرہرا امور کا ہے۔

شاہ حفیظ الدین رحمٰن پوری کو پردہ فرمائے اب سو سال ہونے کو آئے، ان کے احفاد میں مولانا خواجہ ساجد عالم لطیفی اب بیدار ہوئے ہیں کہ ان کی ذات و خدمات پر علمی و تحقیقی کام کیا جائے۔ یہ بہت پہلے ہونا چاہیے تھا، خیر دیر آید درست آید۔ اس حوالے سے ان کی موجودہ اولاد و احفاد کو مبارک باد دیتے ہوئے یہ پیغام ضرور دینا چاہوں گا کہ پہلے وہ ان کے علمی ورثہ کو چھاپ کر ملک بھر میں پھیلا دے، پھر ان کے دینی کارناموں کو بھی اجاگر کرے۔ علالت ونقاہت کے باوجود بھی میں نے ان کے ایک کارنامہ کی طرف اشارہ کر دیا ہے، یوں ان کی خدمات پورے خطہ سیمانچل میں پھیلی ہوئی ہیں۔ خانقاہ لطیفیہ کے موجودہ افراد اس طرف بھی توجہ مبذول کریں۔ میری نیک خواہشات نوجوان نسل کے ساتھ ہیں، دہلی کے رسالہ 'جام نور' میں ایک مضمون دیکھا تھا، جس کو امیر القلم ڈاکٹر غلام جابر شمس صاحب نے لکھا تھا۔ اس طرح کے مضامین اور دیگر شخصیتوں پر بھی لکھا جانا اور شائع کیا جانا چاہیے تاکہ نئی نسل پرانی پیڑھیوں کو جان سکے۔ خداوند ذوالجلال کی بارگاہ میں دعا ہے کہ خواجہ ساجد عالم اور اور مولانا محمد آفتاب عالم اپنے مشن میں مکمل کامیابی سے ہمکنار رہوں۔

صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی

پرنسپل جامعہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ، یوپی۔

یقیناً یہ ان بزرگوں کا حق ہے کہ ان کے علمی وعملی اور روحانی واخلاقی نقوش کی یادیں باقی رکھی جائیں اور تازہ کی جائیں تاکہ اہل بصیرت ان سے مستفید و مستنیر ہوسکیں اور اپنے اوپر ان کے احسانات کا کچھ حق بھی ادا ہو۔

مولانا شاہ حفیظ لدین لطیفی قدس سرہ کی حیات مبارکہ سے متعلق عزیز موصوف (مولانا خواجہ ساجد عالم) کی یہ اولین کاوش ہے۔ امید ہے کہ اہل علم نگاہ استحسان سے دیکھیں گے اور واقف کار حضرات مزید کے لیے رہنمائی بھی فرمائیں گے۔ وابستگان سلسلہ خصوصاً اور اہل علم و دانش عموماً ان گم گشتہ یادوں کو پاکر مستفیض و مستنیر بھی ہوں گے اور شاداں ومسرور بھی۔ (حیات حفیظی ص ۴ سے ماخوذ)

استاذ الاساتذہ حضرت علامہ مفتی محمد ایوب نعیمی

پرنسپل وصدر شعبۂ افتا جامعہ نعیمیہ مرادآباد، یوپی

شیخ المشائخ عارف باللہ حضرت علامہ مولانا شاہ حفیظ الدین لطیفی علیہ الرحمہ و الرضوان کے تعلق سے جو معلومات واطلاعات حاصل ہوئی ہیں ان کی روشنی میں اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ایک متبحر عالم دین اور بلند پایہ وفیض بخش بزرگ تھے۔ بہار و بنگال میں آپ کی مقبولیت اور جاہ وحشمت اس بات کی روشن دلیل ہے کہ آپ بارگاہ الٰہی میں قرب خاص رکھتے ہیں اور اولیائے کبار میں نمایاں مقام پر فائز ہیں۔

حضرت علامہ عبدالمبین نعمانی قادری مصباحی

مہتمم دارالعلوم چریاکورٹ ورکن المجمع الاسلامی مبارکپور

مولانا خواجہ ساجد عالم لطفی نے اپنے جد امجد علامہ شاہ حفیظ الدین لطفی علیہ الرحمہ کی حیات وخدمات سے پردہ اٹھا کر اور ان کی زندگی کے بعض گوشوں پر روشنی ڈال کر ایک ایسے زبردست عالم دین و مبلغ اسلام سے روشناس کرایا ہے، جن کو دنیا بھول چکی تھی، ان کی بعض اہم علمی تصانیف کا تعارف بھی پیش کیا ہے، کاش وہ کتابیں جو کبھی طبع ہو کر ختم ہو چکی ہیں دوبارہ منظر عام پر لائی جائیں اور جو منتظر طباعت ہیں، ان کو پورے اہتمام سے شائع کر کے ان کے علمی آثار سے اہل علم کو استفادے کا موقع دیا جائے۔ اپنے اسلاف کرام واکابر جماعت کے حالات منضبط کرنا، ان کو منظر عام پر لانا بھی ایک اہم کام ہے، اس سے مستقبل میں روشنی ملتی ہے، آگے بڑھنے اور کام کرنے کا سلیقہ آتا ہے۔ ان کی محنتوں اور کارناموں سے واقف ہو کر حوصلے بلند ہوتے ہیں۔ (حیات حفیظی ص ۵ سے ماخوذ)

صاحبزادۂ ملک العلماء ڈاکٹر مختار الدین احمد

سابق صدر شعبۂ عربی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ یوپی

ہمارے علمائے کرام وصوفیائے عظام پر بہت کم لکھا گیا ہے، ضرورت ہے کہ اس موضوع پر آپ اور آپ جیسے اصحاب لکھتے رہیں اور ان کے حالات محفوظ کرتے رہیں۔ میں بچپن میں اپنے والد ماجد حضرت مولانا ظفر الدین صاحب قادری رضوی علیہ الرحمہ (متوفی ۱۳۸۲ھ) کی ہم رکابی میں ایک دو بار خانقاہ رحمٰن پور حاضر ہوا تھا اور کئی دن مقیم رہا تھا، حضرت مخدوم شرف الہدیٰ سے نیاز حاصل ہوا تھا اور حضرت خواجہ وحید اصغر کے ساتھ خاصا وقت گزرا تھا، کم عمری کے باوجود میں خواجہ صاحب سے بہت مانوس تھا۔

ادب شہیر حضرت علامہ مولانا ملک الظفر

مدیر اعلیٰ الکوثر و مہتمم دار العلوم خیریہ نظامیہ سہسرام

شیخ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ مولانا شاہ حفیظ الدین لطیفی علیہ الرحمہ و الرضوان کی ذات گرامی سے میری آشنائی اس وقت ہوئی جب عزیزی مولانا خواجہ ساجد عالم مصباحی سلمہ حضرت ممدوح کے سوانحی گوشوں اور آثار ونقوش کی تلاش وتتبع میں سہسرام آئے۔ جب معلومات سے معلومات کی کڑیاں باہم ملیں، تو اس خوشگوار حقیقت کا انکشاف ہوا کہ محقق زمن مفکر اسلام حضرت علامہ کامل سہسرامی کے والد ماجد حضرت علامہ فرخند علی فرحت سہسرامی بانی دار العلوم خیریہ نظامیہ سہسرام حضرت لطیفی کی درسگاہ فیض کے خوشہ چیں و تربیت یافتہ تھے۔

اس طرح حضرت لطیفی ہماری جدی نسبت میں آتے ہیں۔ باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت لطیفی جب تک شمالی ہند کے شہرہ آفاق دینی وتعلیمی مرکز مدرسہ خانقاہ کبیریہ میں رہے بڑی متوکلانہ زندگی بسر کی، بدل خدمت کے طور پر مدرسہ سے ایک پائی نہ لی اور نہ ہی کبھی مطبخ کا ایک دانہ قبول فرمایا۔ ایک مخلص وعقیدت مند کے یہاں رہتے تھے اور اپنے ذاتی خرچ سے شام وسحر کے کھان پان کا انتظام کرتے تھے۔ آپ بڑے خدا رسیدہ اور بندۂ برگزیدہ اور مرجع خلائق وانام بزرگ تھے۔ سہسرام، شاہ آباد آرہ، نالندہ، گیا یہ وہ مقامات ومنازل ہیں جہاں آپ نے انقلابی شان کے ساتھ تبلیغی واشاعتی خدمات انجام دیں ہیں، یہاں سہسرام اور مضافات میں بہت سے ایسے گھر مل جائیں گے کہ جن کے آباؤ اجداد حضرت لطیفی کے مریدین ومتوسلین یا آپ کی مجلسوں وانجمنوں کے حاضر باشوں میں تھے۔

ادیب العصر علامہ مفتی ڈاکٹر امجد رضا امجدؔ

مدیر اعلیٰ رضا بک ریویو و نائب قاضی ادارہ شرعیہ پٹنہ

حضرت علامہ مولانا شاہ حفیظ الدین لطیفی علیہ الرحمہ جماعت اہل سنت کی ایک بلند پایہ علمی شخصیت تھی، جنہوں نے اپنے کردار وعمل سے بہار کے علاقہ کٹیہار، پورنیہ، کشن گنج وغیرہ کو علمی، مذہبی، ملی اور مسلکی اعتبار سے مستحکم کیا اور فکر رضا کی روشنی میں عقائد کی درستگی وروح کی بالیدگی اور اسلامی معاشرہ کی تعمیر میں مجاہدانہ جدوجہد کی، قدرت نے انہیں علم وعمل، اخلاص واخلاق، ملی درد وغم اور جماعتی ذکر وفکر کا جو گراں مایہ سرمایہ عطا کیا تھا انہوں نے خلوص وللّٰہیت کی پوری توانائی کے ساتھ اس سرمایہ کو سرمایۂ آخرت بنالیا۔ ان کی کتابیں اس کی شاہد ہیں کہ ان کی زندگی حرکت وعمل سے عبارت تھی اور یہ عبارت مدت مدید تک روشنی کا مینار بن کر لوگوں کو صراط مستقیم دکھاتی رہے گی۔ خدائے تعالیٰ ان کی سعی مشکور فرماتے ہوئے ان کی لحد پر رحمت کے پھول برسائے۔

صدر جمہوریہ ہند ایوارڈ یافتہ علامہ محبوب عالم وحیدی

پرنسپل مدرسہ اسلامیہ اعظم نگر کٹیہار بہار

قدوۃ العلما زبدۃ الفضلا حضرت مولانا شاہ حفیظ الدین لطیفی برہانی قدس سرہ النورانی (متوفی ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۵ء) کے آستانے سے حقیر سراپا تقصیر کا پشتینی تعلق رہا ہے۔ میرے جد امجد جناب دھیر علی خاں مرحوم ہی وہ تھے کہ جن کے اصرار وخواہش کے زیر اثر آپ نے آبائی گاؤں چشتی نگر کنہریا کو خیر آباد کہا اور کشاں کشاں رحمٰن پور تکیہ شریف چلے آئے۔ یہاں آکر آپ نے خانقاہ کی بنیاد ڈالی، مدرسہ قائم فرمایا اور پھر رہائشی مکانات کی

تعمیر کا بھی بندوبست کیا۔ آج جہاں حضرت لطیفی کا مزار پاک، آپ کی خانقاہ اور مسجد و مدرسہ وغیرہ ہے یہ قطعہ اراضی ہمارے ہی بزرگوں کی نذر کردہ ہے۔

کام کے ہجوم اور انتشار اور امروز و فردا کی فکر و غم میں برابر الجھے رہنے کے سبب حضرت لطیفی کی حیات و خدمات اور مساعی و فتوحات پر زیادہ وسیع و گہری نظر نہیں ہے۔ تاہم اس ناچیز نے جب کبھی وقت بچا کر آپ کی حیات اور کارناموں پر ورق گردانی کی تو وہ روشن صفحات خوب پسند آئے جو احقاق حق و ابطال باطل کی تحریک اور جدوجہد عمل سے عبارت ہیں۔ تحریک ردّ ندوہ آپ کی زندگی کا وہ پڑاؤ ہے جہاں آپ پوری حرارت و شدت کے ساتھ گمراہ فرقوں و باطل گروہوں کی سرکوبی و استیصال میں پیش پیش اور سرگرم عمل نظر آتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ موجودہ دور میں لوگ اسلاف عظام کے تصلب فی الدین کا لحاظ و لاج رکھیں۔

نباض عصر حضرت علامہ محمد ابوالحسن علی رضوی القادری

مشیر اعلیٰ ماہنامہ 'بطحا' حیدرآباد و موسس جامعہ غوثیہ رضویہ لنگم پیٹ، نظام آباد، اے پی

تخت نشین رشد و ہدایت، آفتاب شریعت و طریقت، مست بادۂ عشق رسالت حضرت مولانا حفیظ الدین لطیفی علیہ الرحمہ ۱۲۴۵ھ/۱۳۳۳ھ کی حیات و خدمات پر کل مواد وہی ہے، جو آپ نے 'حیات حفیظی' میں جمع کر دیا ہے۔ اس کی روشنی میں وہ ایک متبحر عالم دین، سلوک و تصوف کے امام، ایک دردمند میر کارواں، ایک سربکف مجاہد، ایک پرسوز داعی، بیدار مغز مصنف، شب زندہ دار عابد اور شفیق معلم کی حیثیت سے ہماری نگاہوں میں ابھرتے ہیں، دیوان لطیفی، لطائف حفظ السالکین، تلک عشرۃ کاملۃ، جسیر الغیب جیسی گراں قدر تصانیف اس کا بین ثبوت ہیں۔ بہار و بنگال میں ہندوانہ رسم و رواج کے خلاف ان کی پرسوز خدمات رہتی دنیا تک یاد رکھی جائیں گی، مدرسہ خانقاہ لطیفیہ، دارالعلوم شرفیہ لطیفیہ کا نگی ہاٹ، جامعہ لطیفیہ بحرالعلوم کٹیہار کے چشمہائے علوم سے جب تک تشنے سیراب

ہوتے رہیں گے، ان کی تربت مقدس کا اجالا بڑھتا رہے گا۔ تحریک ندوہ کے خلاف مشرقی بہار سے ان کی نمائندگی، وہابیت و دیوبندیت کے خلاف ان کے آوازۂ حق کی بازگشت اہل حق کو ہمیشہ حوصلہ دیتا رہے گا۔ رب قدیر ان کی تربت اقدس پر رحمتوں کے پھول برسائے اور ہم تن آسانوں کو ان کے نشانِ قدم پر تلاش منزل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

مرتب ایک نظر میں

نام	:	خواجہ ساجد عالم
والد کا نام	:	شاہ فرہاد عالم ابن خواجہ وحید اصغر ابن حضرت مولانا شاہ حفیظ الدین لطیفی ابوالعلائی علیہما الرحمۃ والرضوان
تاریخ وسن ولادت	:	۱۵/اپریل ۱۹۷۵ء
تعلیمی مراحل	:	از ناظرۂ قرآن تا جماعت ثالثہ مدرسہ وخانقاہ لطیفیہ رحمٰن پور ثالثہ تا رابعہ مدرسہ عربیہ فیض العلوم محمد آباد گہنہ، مئو، یو۔پی خامسہ تا ثامنہ جامعہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ، یو۔پی
دستار فضیلت	:	جامعہ اشرفیہ مصباح العلوم مبارکپور، بتاریخ وسال ۲۲/ستمبر ۱۹۹۸ء
تعلیمی نسبتی	:	لطیفی، فیضی مصباحی
اساتذۂ کرام	:	حضرت علامہ خلیل الرحمٰن رضوی، حضرت علامہ شمس الہدیٰ رضوی حضرت علامہ صابر عالم وحیدی حضرت علامہ عارف اللہ فیضی مصباحی حضرت علامہ نصر اللہ رضوی مصباحی، حضرت علامہ مولینا محمد احمد مصباحی حضرت علامہ مولانا عبد الشکور مصباحی، حضرت علامہ مفتی مطیع الرحمٰن مضطر رضوی
مشغولیات	:	درس وتدریس اور پرورش لوح وقلم، تقریر وخطابت بھی۔
شائع شدہ اہم مضامین	:	عکسری قوت اور عالم اسلام، بنیاد پرستی اور اسلام، بہار کی علمی مگر گمنام شخصیت، خانوادۂ عشق اور ملک العلما، علم وفضل کا ایک گمشدہ ستارہ حضرت شاہ رکن الدین عشق، حضرت مولانا جلال الدین رومی حیات وواقعات
مطبوعہ کتابیں ورسالے	:	(۱) حیات حفیظی (۲) حضرت لطیفی مجلّہ قدیم (۳) حضرت لطیفی مجلّہ جدید، (۴) شاہ حفیظ الدین اور جہانِ علم ودانش (۵) نامور باپ کے خطوط دیدہ ور بیٹے کے نام
بیعت	:	نازشِ ولایت جہانِ ہدایت حضور سیدنا خواجہ وحید اصغر علیہ الرحمہ
خلافت	:	حضرت شاہ فرہاد عالم وحضرت مولانا شاہ خواجہ شمس العالم مدظلہما

لطیفی جامع مسجد جسمیں حضرت لطیفی نے تادم حیات خطابت وامامت فرمائی

مدرسہ لطیفیہ جو حضرت لطیفی کی روحانی وعلمی یادگار اور انمٹ نشانی ہے

سماع خانہ جہاں بموقع عرس محفل سماع وقل خوانی منعقد ہوا کرتی ہے

حجرہ شریف جہاں حضرت لطیفی خلوت نشینی ووظیفہ خوانی فرمایا کرتے تھے

صاحبزادۂ اول حضرت مولانا شاہ امام مظفر کا مزار پاک

صاحبزادۂ دوم حضرت شاہ مخدوم شرف الہدیٰ کا مزار پاک

صاحبزادۂ سوم حضرت شاہ خواجہ وحید اصغر علیہم الرحمۃ والرضوان کا مزار پاک

تحریک فیضان لوح و قلم: محمد ساجد رضا قادری رضوی کٹیہاری